

قصیدہ ہرذہ شریف

حضرت شیخ امام محمد شرف الدین البوصیری رحمۃ اللہ علیہ

فارسی ترجمہ

حضرت مولانا عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ

محمد فیاض الدین نظامی (دکن)

شرح فارسی

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ اردو (شرح فارسی)

مولانا حافظ محمد افضل منیر صاحب

فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیر شریف

الفاروق بک فائز الدین لاہور

قصیدہ نذر شریف

حضرت شیخ امام محمد شرف الدین ابو صیری رحمۃ اللہ علیہ

فارسی ترجمہ

حضرت مولانا عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ

محمد فیاض الدین نظامی (دکن)

شرح فارسی

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ اردو (شرح فارسی)

مولانا حافظ محمد افضل منیر صاحب

فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیر شریف

الفاروق بک فائز لکھنؤ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	-----	قصیدہ بردہ شریف (الزبدہ)
مصنف	-----	امام محمد شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ
ناشر	-----	الفاروق بک فاؤنڈیشن
تعداد	-----	ایک ہزار
سال اشاعت	-----	مئی 1997ء
طابع	-----	حامد جمیل پرنٹرز، لاہور
قیمت	-----	72

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور۔ فون: 7221953

۹۔ الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور۔ فون: 7225085-7247350

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مترجم

الحمد للہ کہ اللہ پاک نے میری دیرینہ دلی تمنا کو پورا کیا اور اس مبارک قصیدہ کا منظوم ترجمہ مکمل ہوا۔ نہ میں شاعر ہوں نہ زبان عربی کا ماہر البتہ نعتوں سے والہانہ عقیدت اور رسول کریم ﷺ کے اس پسندیدہ قصیدہ کی محبت نے بہ طفیل غلام غلامان آل محمد ﷺ یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

عربی ادب کی حیثیت سے یہ قصیدہ فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہے۔ جس کا سمجھنا ہر کس و ناکس کے لئے قدرے دشوار ہے۔ اس لئے میں نے اکثر دوست احباب کی خواہش پر مولانا جامی علیہ الرحمۃ کی تقلید میں مصنف کے مضامین اور خیالات کو اسی قافیہ میں اور حتیٰ الوسع اسی ترتیب کے ساتھ زبان اردو میں منتقل کرنے کی کاوش کی ہے تاکہ عوام اس سے استفادہ کر سکیں اور عربی مولود شریف کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی اسی طرز میں پڑھا جائے تاکہ ہر شخص بہ آسانی اس قصیدہ شریف کے معانی اور مطالب کو سمجھ سکے اور اس انعت عظمیٰ سے مستفید اور لطف اندوز ہو۔ میرے اردو ترجمہ کے ساتھ عاشق رسول اکرم ﷺ حضرت مولانا محمد عبدالرحمن جامی علیہ الرحمۃ کا ترجمہ بھی بطور تبرک شریک کر دیا گیا ہے تاکہ وہ بھی جو فی زمانہ مفقود ہوتا جا رہا ہے محفوظ ہو جائے اور قارئین کو عربی کے ساتھ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں لطف اٹھانے کا موقع ملے۔

مجھے یقین کامل ہے کہ یہ ہدیہ تبریک ہندوستان، پاکستان اور ایران کے علاوہ دوسرے اسلامی ممالک میں مقبول خاص و عام ہوگا۔

عربی قصیدوں کی خصوصیت ہے کہ ان کی ابتداء عشقیہ مضامین سے ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ اصل مضمون کی طرف گریز کرتی ہے۔ جس میں عموماً عاشق اپنے ہجر کی داستان کو بیان کرتا ہے اس کا دل و دماغ محبوب کے تصور میں اس کی بستی اور بارگاہ کے ارد گرد گھومتا رہتا ہے کہ

میرا معشوق اسی مقام پر رہتا رہتا ہو گا۔ یہیں اس کا رین بسیرا ہو گا۔ وہ یہاں کی گلی کو چوڑاں میں چلتا پھرتا ہو گا۔ اپنا بچپن اور جوانی یہیں گزاری ہو گی۔ بقول حضرت جگر مراد آبادی :-

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سمار ہے ہیں

یہ چل رہے وہ پھر رہے ہیں یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں

وہاں کا ذرہ ذرہ اس کے سامنے ایک حسین منظر پیش کرتا ہے، وہاں کی خاک اس کیلئے صندل و دردر اور سرمہ بینائی کا کام دیتی ہے۔ وہ اسی کشمکش میں آہیں بھرتا اور گریہ و زاری کرتا ہے اور اپنے حسین مرض کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس کی اس کیفیت کو دیکھ کر اس کے دوست احباب تاڑ جاتے ہیں کہ یہ مریض عشق ہے وہ ہر طرح اس کو سمجھاتے اور دلاسا دیتے ہیں جس کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ آخر شہ وہ ان سب نصیحتوں کی بجائے ان سے التجا کرتا ہے کہ وہ بہ عجز و احترام اس کا سلام شوق اور اس کی بے بسی اور درد دل کا حال محبوب تک پہنچادیں۔ بقول حضرت جامی علیہ الرحمۃ :-

زخستہ عاجزو مسکین و ناتواں جامی رسال بہ حضرت او اے خدا سلام علیک

اسی طرح اس قصیدہ کے مصنف علیہ الرحمۃ اپنے محبوب کا اور محبت کا اظہار کئے بغیر اپنے عالم خیال اور دیوانگی میں ”مدینہ منورہ“ کے اطراف و اکناف کی پہاڑیوں اور کھنڈروں کو ہاظم اور موضع ذی سلم میں گھومتے رہتے ہیں۔ اندھیری رات میں بجلی کی چمک کے سہارے ان کو دیار حبیب ﷺ کے آثار نظر آ جاتے ہیں اور وہ بے تاب ہو جاتے ہیں۔ اب وہ اپنے معشوق کی یاد میں جو دونوں جہاں کا محبوب ہے اپنے آپ کو نہایت حقیر سمجھ کر اپنے نفس کا جائزہ لیتے ہیں اور اس کو تزکیہ نفس اور آخرت کیلئے کار خیر اور عبادت الہی کی دعوت دیتے ہیں تاکہ سردار دو عالم ﷺ کی سچی محبت کرنے کا حوصلہ پیدا کرے اس لئے کہ ان کو اس پاک نبی علیہ السلام کی ریاضت اور عبادت کا خیال آ جاتا ہے اور فرماتے ہیں کہ میں نے اس ذات اقدس کا جن کی محبت کا دم بھرتا ہوں ان کے راست طریقہ کو فراموش کر کے بڑا ظلم کیا ہے۔ جو تمام رات یاد الہی میں مشغول رہتے حتیٰ کہ پائے مبارک ورم کر جاتے اور فاقوں کے سبب سردار دو

جہاں اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھ لیتے :-

ظَلَمْتُ سَنَةً مِنْ أَحْيَى الظَّلَامِ إِلَى أَنْ اشْتَكَيْتُ قَدَمَاهُ الضَّرْمَيْنِ وَرَمِ

وَشَدَّ مِنْ سَغَبِ أَحْشَاءِهِ وَطَوَى تَحْتَ الْحِجَارَةِ كَشْحًا مُتَرَفِ الْآدَمِ

وَرَأَوْدَتُهُ الْجِبَالَ الشُّمَّ مِنْ ذَهَبٍ عَنْ نَفْسِهِ فَأَرَاهَا أَيَّمَا شَمَمِ

حالانکہ بحکم خدا پہاڑ سونے کے بن کر آپ کے پاس حاضر ہوئے کہ آپ ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کریں۔ لیکن آپ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ اب یہاں سے مصنف کیف عشق احمدی ﷺ میں ڈوب کر رسول اکرم ﷺ کے شاکل اور اخلاق حمیدہ کے سانچے موتی پرونے لگتے ہیں اور پھر میلاد مبارک و معراج شریف اور معجزات نبویہ کا ذکر نہایت خوبصورتی اور فصاحت سے بیان فرماتے ہیں خصوصاً قرآن کریم جو بجائے خود ایک عالی شان معجزہ ہے اس کی تعریف و توصیف کے بعد غزوات و جہاد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایثار، وفا، اور بہادری کے بیان کے بعد طلب مغفرت اور نہایت موثر مناجات اور درود و سلام پر قصیدہ کو ختم فرماتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ قصیدہ بحر بسیط میں ہے۔

مجھے پہلی مرتبہ اس قصیدہ شریف کو اپنے بچپن میں محترمی حبیب الکاف مرحوم و مغفور کی جماعت سے مولوی قاری نظام الدین صاحب کے پاس جو میرے رشتے کے دادا ہوتے تھے، سننے کا اتفاق ہوا تھا۔ حضرت حبیب الکاف مرحوم کے پڑھنے کا ایسا موثر اور خاص انداز تھا جیسے ایک عاشق رسول ﷺ ہی کا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسی وقت سے مجھے اس مبارک قصیدے سے دلی محبت ہو گئی۔ اور الحمد للہ آج تک باقی ہے۔ آج کل ان کے چھوٹے صاحبزادے مولوی حبیب جعفر صاحب بھی اپنی جماعت کے ساتھ بالکل اپنے والد ماجد

کے ہی انداز میں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ حیدر آباد دکن میں ان کی جماعت نہایت مقبول ہے۔ علاوہ ہندوستان کے یہ قصیدہ تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اس کے پڑھنے اور حفظ کرنے کو باعث برکت تصور کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس قصیدے کے بزرگ مصنف حضرت امام ابو عبد اللہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد بن محسن البوصدی

الدلاصی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں گزرانا تھا اور شرف قبولیت حاصل کی تھی اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک یہ اسی احترام اور خلوص سے پڑھا اور سنا جائے گا۔ اور عاشقان رسول اقدس ﷺ اس سے اپنی روح کی تسکین حاصل کرتے رہیں گے۔

اس قصیدہ کے مصنف حضرت امام شرف الدین محمد ابو صیری ساتویں صدی ہجری (عمد مغولی) کے ایک نہایت مشہور بلند پایہ عرب شاعر رہ چکے ہیں آپ بمقام ابو صیر (بو صیر) بتاریخ نکیم شوال ۶۰۸ مطابق ۷ مارچ ۱۲۱۳ء پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے آپ کو ابو صیری کہا جاتا ہے۔ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق آپ بمقام دلاص پیدا ہوئے اور بدیں وجہ ”الدلاصی“ بھی کہتے ہیں۔ ابو صیری اور الدلاصی کہلائے جانے کے متعلق ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ آپ کے والدین میں سے ایک کا تعلق بو صیر سے اور دوسرے کا دلاص سے تھا۔ اسی وجہ سے آپ کو ابو صیری اور الدلاصی دونوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ آپ کی زندگی کے واقعات تاریکی میں ہیں۔ اس سلسلہ میں بہت کم معلومات حال ہو سکیں۔ اگر آپ قصیدہ بردہ شریف کے مصنف نہ ہوتے تو شاید بالکل گمنام ہو جاتے۔ بہر حال بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے اوائل عمر کے تقریباً دس سال بیت المقدس میں گزارے اور پھر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی۔ اس کے بعد تقریباً (۱۳) سال بحیثیت معلم قرآن کریم مکہ معظمہ میں بسر کئے۔ بعد ازاں سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں بلبیس میں مقیم ہوئے اور بالآخر حاجی خلیفہ کی روایت کے مطابق ۶۹۴ھ میں اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق ۶۹۵ھ اور مقریزی اور ابن شاکر کی روایت کے مطابق ۶۹۶ھ میں بمقام اسکندریہ آپ نے وفات پائی اور بمقام فسطاط حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ آپ فن خطاطی کے بڑے ماہر تھے، کتابوں کی نقل کر کے اپنی روزی پیدا کیا کرتے تھے۔ شعر و ادب میں بلند مرتبہ حاصل کیا۔ آپ کے بلند پایہ دیوان کا نام ”دیوان ابو صیری“ ہے جو قاہرہ سے طبع ہوا جس میں کئی قصاید اور نظمیں شامل

ہیں ان سب میں قصیدہ حمزہ کے علاوہ زیادہ مشہور اور مقبول قصیدہ :- اَلْكَوَاكِبُ الدَّرِّيَّةُ فِي مَذْحِ خَيْرِ الْبَرِّيَّةِ۔ ہے جو قصیدہ بردہ شریف کے نام گرامی سے موسوم و مشہور ہے۔ جس کی متعدد شرحیں عربی، فارسی، اردو، لاطینی اور فرانسیسی زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں جس کا لاطینی ترجمہ :- Carmen Mysticum Borda Dictum. ڈاکٹر محمد راحت اللہ خاں مرحوم مہتمم کتب خانہ آصفیہ (اسٹیٹ لائبریری) نے ازراہ مربانی مجھے دکھایا تھا۔ یہ قصیدہ نہ صرف ہندوستان بلکہ عرب ممالک میں بھی بہت مشہور ہے۔ اس قصیدہ کو میں نے ۱۹۵۶ء میں مسجد نبوی کی چھت کے گنبدوں میں نہایت خوشخط لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اس سے قصیدہ کی مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ قصیدہ اپنی ادبی لطافتوں اور نزاکتوں اور سلاست و روانی کے قطع نظر اعلیٰ خصوصیات اور بڑے ہی فیوض و برکات کا حامل ہے جن حالات میں یہ قصیدہ شریف لکھا گیا اس کی وجہ سے اس کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ آپ مشہور صوفی وقت ابوالعباس احمد المرسی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے اور آپ ان کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ فن حدیث میں کافی عبور تھا اور زبردست ماہر سمجھے جاتے تھے۔

اس قصیدے کی وجہ تصنیف کے متعلق خود حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر فالج کا شدید حملہ ہوا۔ میرا نصف جسم بالکل بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ بہت کچھ علاج کروایا لیکن کسی علاج سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ انتہائی مایوسی کی حالت میں میں نے ارادہ کیا کہ نبی کریم ﷺ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھوں اور اس کے توسط سے ہار گاہ رب العزت میں صحت کے لئے دعا کروں۔ اللہ جل شانہ نے میرے اس ارادے کو پورا فرمایا اور میری دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ میں نے قصیدہ لکھنا شروع کیا۔ قصیدے کے ختم پر مجھے نیند آگئی۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک کو میرے جسم پر پھیرا اور اپنی چادر ڈال دی۔ معاف مجھے صحت ہو گئی۔ میں نیند سے چونکا اور اپنے آپ کو کھڑے ہونے اور حرکت کرنے کے قابل پایا۔ صبح جب باہر نکلا تو میری ایک درویش سے ملاقات ہوئی جو میرے لئے اجنبی تھا۔ اور اس نے مجھ سے وہ قصیدہ سنانے کی

خواہش لی جس میں میں نے نبی کریم ﷺ کی مدح کی ہے۔ حالانکہ میرے اس قصیدہ کا ابھی کسی کو علم نہیں ہوا تھا۔ میں نے اس بزرگ درویش سے دریافت کیا کونسا مدحیہ قصیدہ سننا چاہتے ہو۔ کہنے لگا وہ قصیدہ جس کی ابتداء :-

أَمِنْ تَذَكُّرٍ جَيْرَانٍ بِذِي سَلَمٍ

سے ہوتی ہے۔ پھر وہ کہنے لگا بخدا کل شب میں نے تمہیں اس قصیدے کو رسول انور ﷺ کے دربار میں پڑھتے سنا ہے۔ میں نے یہ قصیدہ اس کے حوالے کر دیا لوگوں میں اس واقعہ کا بڑا چرچا ہوا۔ حتیٰ کہ وزیر وقت صاحب بہاء الدین کو بھی اس کی اطلاع ملی۔ وہ اس واقعہ سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اس قصیدے کو نقل کروایا اور یہ عہد کیا کہ وہ ہمیشہ اس قصیدہ کو اس حالت میں سنے گا کہ وہ کھڑا ہوا ہو، پیر برہنہ ہو اور سر ڈھکا ہوا ہو۔ چنانچہ وہ اس قصیدہ کو اسی حالت میں بکثرت سنا کرتا تھا۔ وہ اور اس کا خاندان ہمیشہ اس قصیدہ کی بدولت دینی اور دنیوی فیوض و برکات سے مستفید ہوتے رہے۔

اگر اس مبارک قصیدہ کو بہ آداب و احترام تلاوت کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ ہر شخص اس کے لاجواب فیوض و برکات سے مستفید ہوگا۔ لہذا باطہارت ہونا۔ صحت الفاظ و اعراب کو ملحوظ رکھنا اور معنی پر توجہ مبذول رکھنا نہایت ضروری ہے۔ قصیدہ شروع کرنے سے قبل ان اشعار کا پڑھنا احسن ہے :-

الْحَمْدُ لِلَّهِ مُنْشِئِ الْخَلْقِ مِنْ عَدَمٍ ثُمَّ الصَّلَاةُ عَلَى الْمُخْتَارِ فِي الْقَدَمِ

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

خصوصاً دوسری بیت کے متعلق روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے قصیدہ کو سننے کے بعد خود یہ بیت ارشاد فرمائی۔ اسی لئے قصیدہ کے درمیان وقفہ وقفہ سے اس کا دہرانا باعث برکت ہے۔ بلکہ بعض بزرگانِ کرام اور عاشقانِ رسول ﷺ نے تو حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کے مشہور نعتیہ اشعار :- بَلِّغِ الْعُلَى بِكَمَالِهِ..... کے ورد کی بھی سفارش کی ہے۔

۱۹۶۰ء میں دوسری مرتبہ جب کہ میں حرمین الشریفین میں حج و زیارت کی غرض سے حاضر ہوا تھا تو الحمد للہ مجھے بھی اپنے اردو ترجمے کو بارگاہ نبوی ﷺ میں شروع سے آخر تک گزرا نئے کی سعادت نصیب ہوئی۔ خدا کرے کہ میرے اس ترجمے کو سرکار ﷺ کے دربار سے شرف قبولیت عطا ہو اور یہ بھی عربی اور فارسی کی طرح برکتوں کا حامل ہو جائے۔

جزاکم اللہ خیراً - فقط

محمد فیاض الدین نظامی

الحرماء - بنجارہ ہل، حیدر آباد دکن

ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق مئی ۱۹۶۹ء

نوٹ

قصیدہ بردہ شریف کے اختتام پر حضرت امام البوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا مبارک قصیدہ جس کو مصنف علیہ الرحمۃ نے اسم گرامی ﷺ سے موسوم فرمایا ہے تبرکاً درج کیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ اس قصیدہ کو حضرت امام نے بردہ شریف کے بعد ہی بطور شکریہ شرف یابی و صحت یابی حضور اقدس ﷺ میں پیش فرمایا جس کا ہر مصرعہ اسم مبارک (محمد ﷺ) سے شروع ہوتا ہے جو عشق محمدی ﷺ کا ذوق رکھنے والوں پر ایک خاص کیفیت پیدا کرتا ہے۔

اس قصیدہ کے خصوصیات و برکات

بزرگان دین اور عاشقان رسول اکرم ﷺ جو اس قصیدہ سے مانوس تھے اس کے ہر ہر شعر کے اثرات اور برکات سے واقف تھے فرمایا ہے کہ جس مکان میں یہ قصیدہ موجود ہو گا وہ ہر بلا سے محفوظ رہے گا اور اس کا پڑھنا قضائے حاجات اور حل مشکلات کے لئے بیکار و مجرب ہے بشرط حسن عقیدت اس کو پڑھ کر جو دعا کی جائے وہ انشاء اللہ مقبول ہوگی۔

حضرت شیخ ابراہیم باجوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصیدہ کی شرح میں بعض ابیات کے جو فوائد و تاثیرات کو بیان فرمایا ہے ان کا اردو ترجمہ مختصر اور ج ذیل ہے انشاء اللہ ان اعمال کی برکت سے ہر شخص اپنی مراد کو پہنچے گا۔

آٹھ وال شعر جو نَعْمَ سَرَى سے شروع ہوتا ہے بعد نماز عشا سونے سے قبل پڑھتے رہیں یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ خواب میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوگی۔

۳۴ اور ۳۶۔ اشعار جو مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ اور هُوَ الْحَبِيبُ الَّذِي سے شروع ہوتے ہیں ہر نماز کے بعد جو چند مرتبہ ورد کرے گا وہ جملہ مصائب سے محفوظ رہے گا۔ اور اگر مصیبتوں میں مبتلا ہو چکا ہے تو پچھلی شب بعد نماز متجدد ان کا ورد کریں اور بہ توکل سرکارِ دو عالم ﷺ دعا مانگیں تو انشاء اللہ مصائب دفع ہو جائیں گے۔

۸۵ اور ۸۶۔ اشعار جو تَبَارَكَ اللَّهُ اور كَمْ أَبْرَأَتْ سے شروع ہوتے ہیں مرضِ مرگی، فالج اور دیگر مہلک امراض کے لئے نہایت مجرب ہیں چنانچہ باطہارت چند دفع اس کو پڑھ کر مریض پر دم کرنے اور اس کو لکھ کر تعویذ گلے میں ڈالے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس سے مرض جاتا رہے گا۔

۱۵۴ اور ۱۵۵ اشعار جو وَلَنْ يُضَيِّقَ اور لَيْلًا مِنْ جُودِكَ سے شروع ہوتے ہیں پڑھ کر جس مقصد کے لئے بہ توکل حضور مقبول ﷺ دعا کرے تو انشاء اللہ قبول ہوگی۔ یہ جاننا

چاہئے کہ جیسے آنحضرت سرکارِ دو عالم ﷺ کے حیاتِ اقدس میں مدد مانگنا ثابت ہے اسی طرح آپ ﷺ کے وصالِ مبارک کے بعد بھی آپ سے مدد طلب کرنا بالکل جائز ہے۔
 اس کے علاوہ دیگر ابیات کے فوائد و برکات بھی ہیں۔ غرض کہ بحسنِ عقیدت باطہارت و بہ پاسِ آداب اس مقدس قصیدہ کا پڑھنا بے حد مفید و مقبول ہے۔ کیوں نہ ہو مدحِ رسول اللہ ﷺ میں شعرائے متقدمین کے تمام قصاید سے کہیں زیادہ یہ قصیدہ بے حد مقبول اور شرعاً آفاق ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس قصیدہ کا آغاز ایسے شعر سے ہوا ہے جس کے ابتدائی حروف۔ ا۔ م۔ ن۔ ت (امنت) ہو جاتا ہے جو ایک فالِ مبارک ہے کہ اس قصیدہ کا مصنف اور قاریاں انشاء اللہ ہر بلا و آفت سے محفوظ رہیں گے۔ فقط۔ آخر دعوانا

محمد فیاض الدین نظامی

پیش لفظ

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس ذات کریم جل شانہ کا تعارف جس طرح نبی اکرم سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کرایا ہے۔ تباریح عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی، اور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ اس طرح مخلوق میں سے کوئی بھی نہیں کر سکتا۔
امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

حضرت حسان بن ثابت اور حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے لے کر آج تک کتنے خوش بختوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی ہے اور کتنے سعید انسانوں نے اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں نعتوں کا ہدیہ فقیرانہ پیش کیا ہے؟ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ ان خوش نصیب حضرات میں سے حضرت ابو عبد اللہ محمد بن سعید بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں جن کا شعر و سخن کے میدان میں بڑا چرچا اور مقام تھا، انھوں نے کئی قصیدے ارباب حکومت کی مدح میں لکھے اور انعامات حاصل کئے، پھر انھیں فالج نے آیا۔ بہت علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا، ظاہری وسائل کی طرف سے مایوسی کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال ہوئی اور دل میں اُمید کی ایک کرن چھوٹی کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت کا سہارا

لینا چاہتے، چنانچہ ایک قصیدہ لکھا اور اس میں اپنا تمام درد و سوز سمو دیا۔
 رات کو خود تو سو گئے لیکن قسمت جاگ اُٹھی۔ عالم رویا میں رحمت مجسم،
 پیکر لطف و کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت ہوتی اور اس جانِ رحمت
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور قصیدہ مبارکہ سنانے کی سعادت ملی، اللہ تعالیٰ
 کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے جسم پر دستِ رحمت
 پھیرا اور چادر مبارک عنایت فرمائی، بیدار ہوئے تو پورا گھر خوشبو سے
 معطر تھا۔ انہوں نے جاگتی ہوتی آنکھوں سے دیکھا کہ چادر موجود ہے۔
 اور فالج کا نام و نشان نہیں ہے۔ اس طرح اس قصیدہ کا نام قصیدۃ
 بردہ مشہور ہو گیا۔ یہ وہ قصیدہ ہے جو شہرت کی معراج حاصل کر چکا،
 علماء نے اس قصیدہ کو اپنے درس میں شامل کر لیا، اس کی شرحیں
 لکھیں اور صوفیاء کرام نے اسے بطور ورد و حرز جان بنا لیا، ان ہی شروع
 میں سے امام علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شارح مشکوٰۃ کی عربی شرح
 الزبدۃ بھی ہے جو مختصر ہونے کے ساتھ جامع بھی ہے۔ اس میں حل لغات
 ترکیب نحوی اور بیان مطلب کا اہتمام جس عمدگی سے کیا گیا ہے اس کا
 اندازہ شارح گرامی کے نام ہی سے کیا جاسکتا ہے۔

فاضل علامہ مولانا ابوبلال محمد افضل منیر حفظہ اللہ تعالیٰ فاضل دارالعلوم
 محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف نے حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ ازہری مدظلہ
 العالی جس وفاتی شرعی عدالت سپریم کورٹ پاکستان کے حکم پر اس کا ترجمہ
 کیا ہے، انہوں نے بڑی محنت اور دیدہ وری سے ترجمہ کیا ہے بے شک

وہ ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں، جناب محترم صاحبزادہ حفیظ البرکات
شاہ مدظلہ العالی ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور اس کی اشاعت پر
لائق صد ستائش ہیں

مولانا علامہ مفتی محمد رحیم قادری مدظلہ العالی شیخ الجامعہ جامعہ
راشدیہ، پیر جو گوٹھ، سندھ کی کوشش سے یہ شرح عربی میں
چھپ چکی ہے۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

۱۵، ذیقعد ۱۴۱۷ھ

۲۵، مارچ ۱۹۹۷ء

عرض مترجم

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ - اما بعد

اس بات سے تو کسی کو مجال انکار نہیں کہ فخرِ رسل سرورِ کائنات جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف ایک عظیم سعادت ہے اور اس طرح نعت گو اور شعراء حضرات کو جو بلند اور رفیع مقام نصیب ہوا ہے وہ صرف نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت گوئی کی وجہ سے۔ بقول شاعر۔

مَا إِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِي
وَلَكِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِي بِمُحَمَّدٍ

(یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں قصیدہ نظم کر کے حضور کی شان اقدس میں تو کچھ اضافہ نہ کر سکا (کیونکہ آپ پہلے ہی بڑی رفیع شان کے مالک ہیں) البتہ حضور کی شان اقدس میں کہنے گئے کلمات اور قصیدے کو پذیرائی نصیب ہو گئی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بڑے بڑے قادر الکلام شعراء و ادیب جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لب کشائی کرتے ہیں اور پھر جب اپنے کلام اور حضور کے بلند مقام کو دیکھتے ہیں تو انھیں اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے اور اس کا اعتراف کرتے ہوئے یوں گویا ہوتے ہیں۔

لَا يُمَكِّنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهُ بعد از خدا بزرگ تویی قصہ مختصر
اور حضرت غالب اپنی بے بسی کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کان ذات پاک مرتبہ دان محمد است

زیر نظر کتاب (قصیدہ بردہ) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مدح
میں نظم کیا گیا ایک نہایت ہی مشہور و معروف قصیدہ ہے۔ اس قصیدے کو جو پذیرائی
نصیب ہوئی، وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اس کی متعدد شروح تحریر کی گئی ہیں۔ ان
شرح میں سے ایک حضرت ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریر فرمائی۔ جو
(الذبد کا) کے نام سے موسوم ہے۔ المرقاة شرح مشکوٰۃ جلد اول (مطبوعہ
مکتبہ امدادیہ ملتان) کی ابتداء میں حضرت ملا علی القاری کے حالات زندگی کے
سلسلے میں ایک طویل مقدمہ تحریر کیا گیا ہے اور اس کے آخر میں حضرت موصوف
کی تقریباً ۱۱۵ ایسی کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو غیر مطبوع ہیں۔ اور ان میں الذبدہ
فی شرح قصیدۃ البردہ کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

یہ ۲۰ مارچ ۱۹۷۵ء کی بات ہے۔ میں ان دنوں جامعہ رضویہ انوار العلوم
۲۴/۸ واہ کینٹ میں بطور صدر مدرس کام دینی خدمات میں مصروف تھا۔ سیدی
مرشدی حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری مدظلہ نے غریب خانہ کو
قدوم میمنت لزوم سے عزت و زینت بخشی۔ آپ قیام دو تین ایام پر مشتمل
تھا۔ اس دوران آپ نے گڑھی افغاناں میں پیر محمد اعظم شاہ صاحب سے ملاقات
کرنے کا ارادہ فرمایا۔

گڑھی افغاناں میں حضرت پیر صاحب موصوف کے زیر انتظام ایک قدیم
اور نادرا وجود کتابوں پر مشتمل لائبریری ہے۔ حضرت ضیاء الامت کو چونکہ کتب بینی

کا بے حد شوق ہے۔ لہذا اپنے ذوق کی تسکین کے لیے کتابوں کو دیکھنا شروع کیا تو اتفاق سے الزبدہ کا نسخہ بھی ہاتھ لگا۔ آپ نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا اور فرماتے لگے: ”اس نسخہ کو حاصل کرنے کے لیے میرے دل میں بڑی تمنا تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ نے آج پوری کر دی۔“

حضرت ضیاء الامت نے حضرت پیر صاحب سے نسخہ مستعار لیا اور مجھے حکم دیا کہ اس کو نقل کر دو۔

تعمیل ارشاد کی خاطر بندہ نے اس کو نقل کرنا شروع کیا۔ اب اس نسخے کی حالت یہ تھی کہ اس کے ورق نہایت بوسیدہ اور بعض بعض مقامات پر کرم خوردہ تھے اور بہت ہی قدیم ہونے کے سبب بعض مقامات سے اس کے الفاظ بھی دھندلے اور مدھم تھے کہ ان سے کچھ سمجھنا اور مطلب اخذ کرنا بہت دشوار تھا۔ تو کلاً علی اللہ کام شروع کیا۔ جن مقامات پر الفاظ کی شناخت یا آگاہی نہ ہو سکی، وہاں سے مناسب جگہ خالی چھوڑ دی۔ خیال تھا کہ حضرت ضیاء الامت مدظلہ خود اپنی خدا داد بصیرت کے مطابق ان خالی جگہوں کو مکمل فرمائیں گے اور اس طرح تقریباً چار ماہ کے عرصہ میں یہ کام مکمل کر کے بحیرہ شریف حاضری دی اور حضور غریب نواز کی خدمت عالیہ میں اپنی ناچیز سی خدمت پیش کی۔ آپ نے بڑی تحسین فرمائی اور فرمایا کہ اب ایک کام اور کر دو۔ اس کتاب کا ترجمہ کر دو تاکہ اس کو زیور طباعت سے آراستہ کر کے عامۃ الناس کے فائدے کے لئے پیش کیا جاسکے۔

یہ کام ناچیز کے لیے انتہائی مشکل اور کٹھن تھا۔ پہلے تو کچھ لیٹ لعل سے کام لیا۔ اور عرض کیا کہ حضور! میرے جیسے کم علم ناقص الفہم کے لیے ایسا کام کیسے ممکن ہے؟۔

آپ نے نہ صرف یہ کہ اصرار فرمایا بلکہ مجھ پر کمال شفقت فرماتے ہوئے اظہارِ ماضی بھی فرمایا تو بقول فاضل بریلوی ”ناچار اس راہ پڑا جانا“ ۛ

افتاں و خیزاں یہ کام شروع تو کر دیا مگر اس کے تسلسل میں بڑی رکاوٹ وہ مواقع تھے، جہاں کی عبارت نقل نہ ہو سکی۔ چنانچہ آجا کر کچھ ماقبل اور مابعد عبارت کے مفہوم کا سہارا لے کر اپنے فہم ناقص کے مطابق تسلسل اور روانی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ محکم از محکم قاری اس سے بھرپور استفادہ کر سکے۔ اب علم و دانش سے درخواست ہے کہ اگر کسی صاحب کے پاس ”الذبدۃ“ کا نسخہ صحیح حالت میں ہو تو ازراہ کرم عنایت فرمائیں تاکہ اس ترجمہ میں جو سقم رہ گیا ہے اس کو دور کیا جاسکے۔ ان کی بڑی نوازش ہوگی۔

میری اس کوشش اور کاوش میں اگر قارئین کو کچھ خوبی نظر آتے تو اس میں میرا کوئی کمال نہیں بلکہ یہ سب کچھ کرم اور فیض ہے میرے اس کریم اور شفیق آقا کا، جس کی ادب آموز نگاہوں اور حسن تربیت نے اس مشت خاک کو نوازا۔

جمال ہم نشین در من اثر کرد

وگر نہ من صماں خاکم کہ ہستم

یہاں مناسب معلوم ہو رہا ہے کہ کچھ مختصر سا ذکر حضرت ملا علی القاری کے حالات زندگی کے بارے میں ہو جاتے۔

حضرت ملا علی القاری

حضرت علامہ ملا علی القاری خراساں کے ایک مشہور شہر ہرات میں پیدا ہوئے۔ آپ کے سن ولادت کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ آپ کا

اسم گرامی علی اور والد کا نام سلطان محمد ہے۔ آپ کی کنیت ابو الحسن اور لقب نور الدین ہے۔ آپ ہرات میں ہی پلے بڑھے۔ اور وہاں ہی ایک مشہور عالم معین الدین سے علم تجوید پڑھا اور قرآن پاک کو حفظ کیا اور درسی کتب اور علوم متداولہ کی تعلیم بھی وہاں کے ہی شاہیر علماء کرام سے حاصل کی۔

جب سلطان اسماعیل بن حیدر صفوی رافضی نے ہرات پر غلبہ حاصل کیا اور وہاں کے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا تو آپ مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ مکہ معظمہ میں علم قرأت میں اس قدر عمدگی اور بختگی حاصل کی کہ آپ ”قاری“ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ پھر مکہ معظمہ میں ہی وہاں کے جلیل القدر شیوخ سے سماع حدیث میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ اس فن میں بھی اپنا نام پیدا کیا اور اصول، حدیث، تفسیر، تصوف اور معقول وغیرہ میں امام بن گئے۔

آپ کی تالیفات کی تعداد تقریباً ۱۳۳ ہے۔ جن میں سے صرف اٹھارہ مطبوع ہو چکی ہیں۔ الذبدہ بھی غیر مطبوع تالیفات میں شامل ہے۔

آپ نے سوال ۱۲۷ میں وفات پائی اور مکہ معظمہ میں معلاقہ کے مقام پر دفن ہوئے۔ ایک خلق کثیر نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی۔

رَحِمَ اللہُ عَلَیْہِ رَحْمَۃً وَّاسِعَةً وَبَرَکَۃً عَلَیْہِ۔

میں مکرم و محترم جناب صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب ینجر ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور کا ممنون احسان ہوں کہ انھوں نے اس کو زیور طبع سے آراستہ کرنے کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان کو سرخرو فرماتے۔

اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ جہاں کہیں اصلاح کی گنجائش محسوس کریں۔ بندہ ناچیس نہ کی راہنمائی فرمائیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ بزرگ و بڑتر سے دُعا ہے کہ یہ حقیر سی کوشش لوگوں کے لئے نفع کا باعث بنے اور بندہ کے لئے موجب و مغفرت۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اس پر خطا کو دُعا تے خیر سے یاد فرمائیں۔
منجانب :

ابوالبلال محمد افضل منیر عفی عنہ



أَمِنْ تَذَكُّرِ جِرَانٍ بِذِي سَلَمٍ
مَزَجَتْ دُمْعًا جَرَى مِنْ مُثْلَةٍ بِكَمٍ

اے زیادِ صحبتِ یارِ انت اندر ذی سلم
اشکِ چشمِ آیینِ حقِ بانوں رواں گشتہ بہم

کیا تمہیں یاد آگئے ہمسایگانِ ذی سلم
خون کے آنسو جو آنکھوں سے رواں ہیں مبدم

ترجمہ : کیا تو نے ذی سلم کے پڑوسیوں کو یاد کرنے کی وجہ سے گوشہِ چشم

سے بہنے والے آنسو کو خون سے ملا دیا؟

لفظی تشریح

یہاں پر ہمزة الاستفہام مضمون کو پختہ کرنے کے لیے ہے۔ اس کو صدارت کی وجہ سے مقدم

کیا گیا۔ اور من تذکر (جارِ مجرور) فعل مزجت کے متعلق ہے اور اس کو حصر کے

واسطے مقدم کیا گیا ہے۔ تذکر مصدر ہے جو اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو کر استعمال ہو رہا ہے۔ اور اس کا فاعل محذوف ہے۔ اصل میں ہے: تَذْكُرُكَ جَيْرَانًا لَفْظِ جِيرَانِ جَارُکِ یا مُجَادِرُکِ کی جمع ہے اور یہی اس مقام پر مناسب ہے۔ اور ذی سلم گاؤں میں درخت کا مالک۔ یہ جار مجرور کا متعلق محذوف ہے۔ (اصل میں مفہوم یہ ہے) یعنی وہ پڑوسی ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں یہ خاص قسم کا درخت ہے۔ (سلم) اس کے لام پر زبر پڑھی جاتی ہے اور زیر پڑھنا بھی مروی ہے۔ دمعارونے کے سبب آنکھ سے نکلنے والے پانی کو دمع (آنسو) کہتے ہیں۔ یہ فعل مَرْجَحَتْ کا مفعول بہ ہے۔ اور جوی (پورا جملہ ہو کر) دمعہ کی صفت ہے۔ من مقلۃ یہ جار مجرور جری کے متعلق ہے۔ آنکھ کے اندرونی حصہ کو مقصدہ کہتے ہیں۔ بدھر یہ جار مجرور مزجت کے متعلق ہے۔

معنوی تشریح

شاعر مخاطب کو اپنے خیال میں جدا کرتے ہوئے اس سے سرگوشی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اسے وہ شخص جو رونے میں اس قدر مبالغہ کر رہا ہے۔ ضرور بالضرور تیرے رونے کا کوئی نہ کوئی سبب ہے۔ پس (بتاؤ) کہ وہ کیا سبب ہے۔ آیا وہ فراق کی جلن اور اس کی مشقت ہے کہ تم کو ایسے دوستوں کے فراق میں مبتلا کیا گیا ہے جن کو پا کر تم خوش تھے اور اب تم ان کے ہجر میں اپنی سابقہ خوشی سے غمی کی طرف لوٹ گئے ہو یا کوئی اور سبب ہے جس کا ذکر آنے والے شعر میں آ رہا ہے:

أَمْ هَبَّتِ الرِّيحُ مِنْ تِلْقَاءِ كَاظِمَةٍ
أَوْ أَوْمَضَ الْبَرْقُ فِي الظُّلُمَاءِ مِنْ إِخْمٍ

یا مکر از کاظمہ بادے وزید از کوئے دوست
یا مکر و زیم شب بر قے جہیدہ از اضم!

یا صبا لاتی ہے سمت کاظمہ سے اک پیام!
یا ہوا بجلی سے روشن رات میں کوہ اضم!

ترجمہ: کیا کاظمہ کی جانب سے ہوا بجلی ہے یا تاریک رات میں اضم پہاڑ

سے بجلی جگتی ہے۔

لفظی تشریح

امر منقطع ہے۔ اور هَبَّتْ فعل ماضی صیغہ واحد مونث غائب ہے۔ الريح : یہ

مونث سماعی ہے هبت کا فاعل۔ تلقاء کا مطلب جہت، سمت، جانب۔ من تلقاً

کاظمہ: یہ سب فعل ہبت کے متعلق ہے۔ کاظمہ ایک جگہ کا نام ہے۔ اور یہ ضرورت

شعری کے سبب منصرف ہے۔ او مضض بمعنی لمع چمکنا۔ یہ فعل ہبت پر معطوف ہے۔

البرق اومض کا فاعل ہے۔ فی الظلماء اس کا متعلق محذوف ہے۔ یہ فاعل (البرق) کا

حال واقع ہو رہا ہے یعنی اس حال میں کہ بجلی تاریک رات میں واقع ہوئی۔

من اضم: ہمزہ کو زیر کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ جار مجرور اومض کے متعلق

ہے۔ اضم مضاف الیہ ہو کر استعمال ہو رہا ہے۔ اور اس کا مضاف تلقاء مقدر ہے۔

اصل میں ہے: من تلقاء اضم: یہ ایک پہاڑ ہے اور بجلی پہاڑ سے نہیں بلکہ اس کی

سمت سے جگتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ ذی سلم، کاظمہ اور اضم مدینۃ الاسلام کے قریب کی جگہیں ہیں۔ یہی

بات اس جگہ زیادہ مناسب اور مقصود می معنی کے زیادہ قریب ہے۔

معنوی تشریح

تیرے رونے کا سبب یا تو وصال کی چپکے سے کہ تم نے وصال کی آرزو کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نسیم صبح ان پڑوسیوں کی خبریں اور راز تمھارے پاس لائی اور تم پر ان کے دیار و مساکن کے نشانات کے ظہور کی ابتدا ہوئی۔

اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ان کا مسکن (پناہ گاہ) اس قدر دور ہے کہ صرف ہوا ہی وہاں پہنچ سکتی ہے۔ اور اس قدر اونچا ہے کہ صرف بادل ہی وہاں تک چڑھ سکتے ہیں۔ اس جگہ کی طرف قصد کرنے والا مسلسل محنت برداشت کرتا ہے اور لگاتار دیکھ رہا ہے۔

پھر بُعد مسافت، بعد مرتبہ کے لیے اور جگہ کی بلندی، قدر و منزلت کی بلندی کے لیے استعارہ ہے۔ شاعر نے فی الظلماء (تاریکی میں) اس لیے کہا کیونکہ تاریکی میں روشنی زیادہ واضح اور اونچے مقام سے زیادہ جلیل القدر ہوتی ہے۔

دونوں شعروں کا ماحصل یہ ہے تیرا رویا تو زمانہ ماضی میں واقع ہونے والے وصال کو یاد کرنے کی وجہ سے ہے جس کا تجھے علم ہے یا زمانہ حال میں متوقع وصال کی طلب کے باعث ہے۔

ان معانی کو حقیقت پر مقدمہ کی تمہید کے ساتھ محمول کرنا ممکن ہے وہ یہ ہے کہ طلب گار اپنی ریاضت کے سبب ایسے مقام کو پہنچ جاتا ہے۔ جہاں نور حق سے آگاہ ہونے کے سبب اس پر لذت آگیاں جذبات و خلعات عارض ہوتے ہیں۔ گویا کہ وہ بجلیاں ہیں جو بار بار اس کی طرف جھپکتی ہیں پھر اس کے سامنے (اگر) بجھ جاتی ہیں۔ ان خلعات کو وقت کہا جاتا ہے

یہ (منزل مقصود کا) وجدان اور (اس کے) حصول کا پہلا درجہ ہے۔ اور طالب ہر وقت (قسم کے غموں میں مبتلا ہوتا ہے۔ ایک غم مطلوب کے حصول میں تاخیر پر۔ اور دوسرا غم اور افسوس اس کے فوت ہونے پر۔

پس شاعر فرماتے ہیں کہ اے ریاضت کے ذریعے خدا کے طلب گار! کیا تیرے رونے کا سبب ان لذیذ جذبات کی یاد اور ان کے منقطع ہونے کے بعد ان کے حصول کا شوق ہے یا اس قسم کے ان سے اعلیٰ جذبات کی تلاش تیرے رونے کا سبب ہے تاکہ (منزل مقصود تک) رسائی ثابت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول کے طفیل (منزل مراد کا) حصول دے۔ (جب شاعر نے اپنے مخاطب سے یہ سوالات پوچھے، تو گویا اس نے محبت سے انکار کیا۔ شاعر پھر اسے کہتے ہیں،

② فَمَا لِعَيْنِكَ إِنْ قُلْتَ اكْفَاهُمَا
وَمَا لِقَلْبِكَ إِنْ قُلْتَ اسْتَفِقْ يَهُم

چیت چشمت را چہ گوئی خشک شو گریاں شود
چیت دل گوئی بهوش آشفته گردد ز غم

کیا ہوا آنکھوں کو تیری رو رہی ہیں زار زار

کیا ہوا دل کو ترے کیوں اس قدر کھاتا ہے غم

ترجمہ: تو پھر تیری آنکھوں کو کیا ہوا ہے کہ اگر تو ان کو رکنے کے لیے کہتا ہے تو یہ

اور زیادہ آنسو بہاتی ہیں اور تیرے دل کو کیا ہوا ہے کہ تو اس کو افاقہ کرنے کو کہتا

ہے تو مزید پریشان ہوتا ہے۔

لفظی تشریح

فا شرط محذوف کا جواب ہے۔ اس فا کا نام فصاحت (تغیر یہ) ہے یعنی اگر تیرے رونے کے یہ دونوں سبب نہیں ہیں (تو پھر تیری آنکھوں اور دل کو کیا ہے؟)

یہاں دونوں جگہ ما استفہامیہ ہے اور مبتدا ہونے کے باعث محل رفع میں ہے۔
دونوں (مصرعوں) میں جار مجرور کا متعلق محذوف اور خبر ہونے کے باعث محل رفع میں ہے اس کی تقدیر یوں ہے۔ اے مخاطب! تیری آنکھوں کو کیا ہوا ہے۔ جب تو ان کو کہتا ہے کہ رونے سے باز آ جاؤ تو یہ آنسو بہاتی ہیں اور تیرے دل کو کیا حادثہ پیش آیا ہے کہ جب تو اس کو کہتا ہے کہ افاقہ کر اور (جسم میں تسلی و اطمینان کے ساتھ) حاضر رہ تو یہ مزید حیران و پریشان ہو جاتا ہے۔
حنیفی نے اپنی شرح قصیدہ میں فرمایا ہے: کُفًّا ادغام کے ساتھ اور اکففا بغیر ادغام دونوں جائز ہے۔ یہ ان کا اپنا ذاتی خیال ہے۔ حالانکہ صرفیوں نے کتب صرف میں ایسے ادغام کو واجب قرار دیا ہے۔ اور عصام الدین رحمۃ اللہ نے اپنی قصیدہ کی شرح میں فرمایا کہ یہاں پر فکٹ ادغام (ادغام نہ کرنا) ضرورت کے ماتحت ہے۔ ابو شامہ نے اپنی شرح میں فرمایا ہے کہ یہاں فکٹ ادغام خلاف قیاس ہے۔

کہا گیا ہے کہ آنکھ کی گنتی (دونوں آنکھیں کہتا) صرف صورت کے اعتبار سے ہے البتہ معنی مطلوب میں ایک ہی مراد ہے۔ اسی وجہ سے کبھی ایک چیز کو دو چیزیں خیال کیا جاتا ہے تو وحدت حقیقی میں تعدد صوری کو برا نہیں کہا جاسکتا ہے جیسا کہ بعض صوفیاء کا مذہب ہے جو وجودیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

پس لفظ اکففا حقیقت کے اعتبار سے مفرد ہے اگرچہ صورت تشنیہ کی ہے۔ اور یہ بحث محض تکلف ہے جیسے کہ تم دیکھ رہے ہو اور کہا گیا ہے کہ فکٹ ادغام مفرد خیال

کرتے ہوئے کہا گیا۔ اس لیے فصاحت کو مغل نہیں ہے جیسے کہ کسی کے قول الحمد للہ
 العلی الاجل میں مغل ہے۔ پھر کہا۔ اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ یہ اس بات کا احساس
 دلاتا ہے کہ قصیدہ گو نے یہ شعر زبان حیرت سے کہا ہے اور سبقت لسانی پر عیب چینی نہیں
 کی جاتی۔ طرز بیان میں اس قسم کی چیزیں بلغار کی ظرافت شمار ہوتی ہیں۔

اگر تم انکار کرتے ہو کہ یہ رونا عشق و محبت کے آثار میں سے نہیں بلکہ دیگر اسباب کی بنا پر
 ہے تو پھر تم اپنی آنکھوں اور دل پر اختیار کیوں نہیں رکھتے کیونکہ تم آہ و فغاں ترک کرنے کا
 ارادہ کرتے ہو تو آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور جب تم غم سے دل کو نجات کی سوچتے ہو تو یہ مزید
 حیران و سرگرداں ہوتا ہے۔ اس قسم کی گریہ زاری سوائے محبت کے اور کسی وجہ سے نہیں ہو سکتی
 اور اس قسم کی وارفتگی سوائے (محبوب کے) بعد یا قرب کے نہیں ہوتی۔

پھر شاعر نے صیغہ خطاب سے صیغہ غائب کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہا :

أَيْحَسَبُ الصَّبُّ أَنَّ الْحُبَّ مُنْكَتَمٌ
 مَا بَيْنَ مَنْسَجِمٍ مِّنْهُ وَمُضْطَرِمٍ

(۴)

اے تو پنداری کہ عشق عاشقاں پہاں شو
 باوجود آتش دل سوز و آب و چشم نم

ہے عجب تیرا کہاں چھپتا نہیں ہے راز عشق
 اس کو افشا کر رہے ہیں سوز دل اور چشم نم

عشق

سینے و دل

(۱۰)

ترجمہ: کیا عاشق خیال کرتا ہے کہ محبت چھپنے والی شے ہے۔
 درمیان جوش سے بہنے والے (آنسو) اور زور سے آتش عشق میں سلگنے
 والے (دل) کے۔

لفظی تشریح

شعر حمزہ استفہام برائے تعجب یا انکار یا توبیخ کے ساتھ شروع کیا گیا ہے مفہوم یہ
 ہے کہ یوں گمان کرنا مناسب نہیں ہے۔ یَحْسِبُ سین پر زبر اور زیر دونوں کے ساتھ
 پڑھا جاتا ہے۔ الصب: عاشق۔ اصل میں اس کا معنی انڈیلنا ہے۔ عاشق کے معنی پر اس
 کا اطلاق اس لیے غالب ہے کہ وہ بھی زیادہ تر آہ و فغاں اور اکثر خون کے آنسو روتا ہے۔
 ما زائد ہے۔ بین۔ یہ منکتم کی طرف ہے۔ الْاَفْسِجَامِ۔ پانی کا شدت
 کے ساتھ بہنا۔ الْاَضْطِرَامُّ: پوری قوت کے ساتھ (محبوب کے خیالات میں مشغول
 ہونا۔ اس کی لفظی صورت یوں ہوگی۔ بین دمع منسجم و قلب
 مضطرم۔

منہ میں ضمیر الصب کی طرف راجع ہے۔ اس کو بلا شباع پڑھیں گے مضطرم
 کے بعد بھی منہ ہونا چاہیے تھا، لیکن وہ حذف کیا گیا، کیونکہ پہلا منہ دوسرے (محذوف) پر
 دلالت کر رہا ہے۔

معنوی تشریح

محب کو یہ گمان کرنا نامناسب ہے کہ اس کی محبت لوگوں سے مخفی رہے گی جب کہ

وہ دل کی بے قراری اور آنکھوں کی اشکباری سے خوب ظاہر ہو رہی ہے۔ بے شک یہ دونوں (آنکھ اور دل) محب کی محبت پر گواہ ہیں اور اس بات کے بھی مخبر ہیں کہ یہ جزع فزع کب سے ہے پس محبت کے انخوار کا گمان ان دونوں نے باطل کر دیا۔ شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: **وَاللّٰهُ مُخْرِجُ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ**۔ پھر شاعر نے اس کے محب ہونے پر استدلال کیا اور مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

⑤ **لَوْلَا الْهَوٰی لَمْ تُرِقْ دُمْعًا عَلٰی طَلَلٍ
وَلَا اَرَقْتَ لِذِكْرِ الْبَاۤءِ وَالْعَلَمِ**

گرنہ بودے عشق اشکت بر طلل کئے رنجی
کئے بدے بے خواب چشمت از غم بان و علم

یوں نہ ویرانوں پہ روتا گرنہ ہوتا سوزِ عشق

مضطرب کرتے نہ تجھ کو قصہ بان و علم

ترجمہ: اگر محبت نہ ہوتی تو تم ٹیلوں پر آنسو نہ بہاتے۔

اور نہ ہی بان کے درخت اور علم کے پہاڑ کو یاد کر کے راتوں کو جاگتے۔

لفظی تشریح

الْهَوٰی، ہوی کا مصدر ہے محبت کرنا۔ الْاَرَاقَةُ، بہانا، اندینا۔ الطَّلَل، کچی اینٹوں اور پتھروں وغیرہ کے مٹے ہوئے نشان جہاں پہلے گھر بنایا گیا ہو۔ اَرَقَ، رات کو جاگنا، شب بیداری کرنا۔ الْبَاۤءِ، ایک قسم کا درخت ہے۔ قَدِّ قَامَتِ کی طوالت ڈیل ڈول کی

خوشنوائی اور پاکیزہ خوشبو کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔

العلم اس سے مقصود یا تو علامت ہے یا پہاڑ۔ اس پر (ال) الف لام یا جنس کا ہے یا عہد کا۔ الف لام عہدی ہو تو مطلب ہوگا: وہ علامات یا پہاڑ جو ان کی منازل کے پاس تھے۔

اسی طرح علی طلل میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے (تقدیر یہ ہے) علی طللم اور ظاہر ہی ہے کہ مضاف کے مقدر ماننے کی وجہ تنوین ہو یعنی علی تذکر طلل اگر یہ صورت نہ مانیں تو پھر منزل محبوب تک رسائی اور مطلوب کے نشان پر آگاہی کا کوئی راستہ نہیں۔

کلمہ ”لا“ یا تو نفی پر عطف کرنے کے لیے زائد کیا گیا ہے۔ اس صورت میں تاویل یہ ہوگی۔ لہ ترق و لا اذقت کیونکہ حرف لم ماضی پر داخل نہیں ہوتا۔ اور یا نافیہ استعمال کیا گیا ہے۔ باوجود اس کے کہ ”لا“ ماضی پر بغیر تکرار کے داخل نہیں ہوتا۔ تاویل گزر گئی ہے۔

معنوی تشریح

قرب کی رسائی کے بغیر حصولِ محبت پر استدلال کیا جا رہا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اگر محبت کا بادشاہ تیرے مدینہ قلب پر حکمران نہ ہوتا کہ اس کی خواہش پر تیرا معاملہ موقوف ہے (جو کچھ تیرا دل کہتا ہے وہی تو کرتا ہے) تو پھر تم کسی خبر کو سن کر یا کسی نشان کو دیکھ کر آنسو نہ بہاتے اور نہ ہی کسی پہاڑ یا درخت کی یاد میں رات بیداری میں گزار دیتے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ تمہارا آنسو بحرِ محبت کا قطرہ ہے اور تمہاری شب بیداری، آتشِ عشق (کی سوزش) ہی ہے۔ اس میں اس شعر کی طرف اشارہ ہے۔

وما حب الـديار شغفن قلبى

ولكن حب من سكن الـديار

(شہروں کی محبت نے میرے دل کو مشغول نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کی محبت

نے مشغول کیا ہے) جو ان شہروں میں رہتے ہیں۔

محبت ظاہر ہونے کے بعد بھی عاشق کے انکار سے شاعر متعجب ہوئے اور فرمایا:

فكيف تُنكر حُباً بعد ما شهدت

(۶)

به عليك عدول الدَّمْعِ والسَّخَمِ

جمع عدول مصدرى غادول

چوں کئی انکار عشقش چوں گواہی میدہند

برنگوا شک چشم دیگر زردی زوئے سقم

عشق سے انکار کرنا تیرا ممکن ہی نہیں،

میں گواہ محنت صورت تری اور چشمِ غم

ترجمہ: تم محبت کا انکار کیسے کرتے ہو بعد اس کے کہ تیرے خلاف آنسو اور بیماری عشق نے گواہی دیدی ہے۔

لفظی تشریح: استفہام انکاری تو بیخ کے لیے یا استبعاد (کسی بات کو محال سمجھنا) اور

تعجب کے لیے ہے۔ فاء نصیحتہ (تفسیر) کی ہے۔ شرط محذوف کے جواب میں واقع

ہوئی۔ وہ اس طرح ہے جب دلائل مطلوب پر دلالت کر رہے ہیں جو کہ محبوب کی محبت

ہے تو پھر انکار ہے؟

حباً پر تنوین تعظیم کے لیے ہے۔ ما مصدریہ ہے۔ بہ میں ضمیر محبت کی طرف راجع ہے

آنسو اور بیماری کو عدول کہنا۔ ایسا ہی جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان فقد ضعت قلوبکما

کہا گیا ہے کہ عدول سے مراد دونوں آنکھوں کے آنسو بمعہ بیماری اور مختلف قسم کے آنسو اور بیماری کی قسمیں مراد ہیں۔ یہاں پر اضافت بیان یہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسے آنسو اور بیماری جو محبت اور درد سے پیدا ہوتے ہیں۔

وَأَثَبَتِ الْوَجْدَ مَخْطًى عِبْرَةً وَضَنًى
مِثْلَ الْبَهَارِ عَلَى خَدَّيْكَ وَالْعَنَمُ

④

عشق - آنسو - غری
چوں بہار - رخسار

عشق ثابت کر دہر و خط اشک و لاغری
چوں بہار روئے یار و سرخی شاخِ عنم
خطِ اشک اور لاغری نے عشق ثابت کر دیا
زرد رخساروں پہ گویا سرخی شاخِ عنم

ترجمہ: غم نے کمزوری اور آنسو کے دو خط (نشان) تیرے دونوں رخساروں پر مثل بہار اور عنم کے نقش کر دیئے ہیں۔

لفظی تشریح

اثبت کا عطف شہادت پر ہے۔ الوجد: محبت کے سبب غم اور دارالحکم کے کاتب کے معنوں میں بھی استعمال ہے۔ الضنا کمزوری ضعیف۔ عام طور پر چہرے کی زردی کے ساتھ لازم ہے۔ البہار: باپزیر کے ساتھ۔ زرد گلاب کے پھول کی ایک قسم ہے۔ العنم: ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں سرخ اور نرم و نازک ہوتی ہیں انگلیوں کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ ضنا یہ دُخی کے وزن پر ہے۔ اس کا عطف

عَبْرۃ پر ہے جو کہ فطوۃ کے وزن پر ہے ۔

یعنی تیرے دونوں رخسار جو کہ بمنزلہ دو پتوں کے ہیں اس پر غم نے ایک نشان مثل عنم کے خون آلود آنسو کا اور ایک نشان مثل زرد گلاب کے پھول کے کمزوری کا گاڑ دیا۔ اس شعر میں نشر مشوش ہے (مرتب نہیں ہے) یعنی عبرہ کا تعلق عنم سے اور ضنا کا تعلق بہار سے ہے۔

کہا گیا ہے کہ خطین سے مراد دونوں رخساروں پر دونوں آنکھوں کے آنسو ہیں اور ضنا کا عطف تخطی پر ہے۔ اور مثل البہار والعنم تخطی کی صفت ہے لیکن اس صورت میں صفت اور موصوف کے درمیان اجنبی کے ذریعے سے فاصلہ ہو جاتا ہے جو کہ ضنا ہے ۔ اولیٰ یہ ہے کہ ضن کا تخطی پر عطف کیا جاتے اور مثل البہار والعنم کو معطوف معطوف علیہ کے مجموعہ کی صفت بنا دیا جاتے ۔

معنوی تشریح

دونوں شعروں کا معنی یہ ہے کہ تم ایسے دو عادل گواہوں کی گواہی کے بعد جن کے متعلق تم جرح کرنے پر قادر نہیں ہو اور ایسے قاضی کے فیصلے کے بعد جس کا حکم گواہوں کی موجودگی کے سبب توڑا نہیں جاسکتا، کیسے محبت کا انکار کر سکتے ہو۔ اور (دکھ اور غم کے) قاضی نے دونوں رخساروں کی زردی پر نشورِ محبت دو سُرخ رنگ کے خطوط سے تحریر کر دیا یا ظہور اثر کے سبب قضیہ محبت کی دستاویز تیرے رخسار کے دونوں اوراق پر سُرخ اور زرد رنگ کے خط میں رقم کر دی۔ پس جو کوئی تمہیں دیکھتا ہے۔ تیرے چہرے سے نمودار ہونے والی محبت کی نشانی پڑھتا ہے اور تیرے رخسار پر واضح علامت کا مطالعہ کرتا ہے۔ پس رنگت کے انحراف سے انکار بالکل کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے سرخی اور زردی کو چہرے کی طرف منسوب کیا۔ اس لیے کہ وہ ہی، حیرانگی، بے قراری اور شب بیداری کے سبب دل کے حالات عارض ہونے کا سبب قریب ہے اور مرض محبت، آنسوؤں کی روانی و انقطاع، چہرے کی سرخی اور زردی بلا اختیار ہے۔

اول اور بالذات محبت غم کا سبب ہے۔ اس کے بعد ثانیاً بالعرض ان احوال کا سبب ہے جو محبت کے بعد لازم ہوتے ہیں۔ اور جب بیماری کا معاملہ چہرے کو زرد کرنے پر اور آنسوؤں کا معاملہ سرخی کے ساتھ رنگنے پر ختم ہوا، تو علامہ نے ان کو عدالت سے موصوف کیا، کیونکہ ان کو باطل کرنا یا مستہم کرنا کسی کی مجال نہیں ہے۔ پس ضرور ہے کہ ظاہر اور باطن عشق اور محبت سے متاثر ہوئے ہیں اور محبت نے اپنی ذات کو محبت میں فنا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ رازوں کو خوب جانتا ہے۔

جب مخاطب کا محب ہونا ظاہر ہو گیا۔ اور تحقیقاً وہی متکلم تھا تو وہ غائب سے متکلم کی طرف لوٹ آیا اور محبت کا اعتراف کر کے کہا:

⑤ نَعَمْ سِرِّي طَيْفٌ مِّنْ أَهْوَىٰ فَارَّقَنِي
وَالْحُبُّ يَعْتَزُّ بِالذَّاتِ بِالْأَوَّلِ

چوں خیالِ دلبرم آمد مرا بے خواب کرد
عشق آرد در میانِ غمی رنج و الم
ہاں خیالِ یار نے مجھ کو جگیا رات بھر
لذتوں کو کر دیا ہے عشق نے رنج و الم

ترجمہ: جی ہاں، مجھے اپنے محبوب کا خواب آیا جس نے میری نیند کو اچاٹ کر دیا محبت دکھ اور درد دے کر آرام کو زائل کر دیتی ہے۔

مسنوی تشریح

یہ اس امر کی تصدیق ہے جو حالات کے قرائن، گواہی کے ثبوت اور قاضی کی محبت کے بارے میں فیصلے سے استدلال کے ساتھ ثابت کیا گیا تھا۔ یعنی تو نے میرے خلاف محبت کا دعویٰ کیا۔ اور اس کو صحیح ثابت کیا۔ اس دعویٰ کے درست ہونے کو کمال حاصل ہے۔ بے شک میرے محبوب کے خیال نے مجھے رات کو بیدار رکھا۔ اور میرے مطلوب کے فراق نے مجھے سخت تکلیف دی یعنی مجھے رات کو جگا دیا۔ حالانکہ میں اس کے حال سے غافل ہو کر نیند کی لذت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ محبت اپنے محبوب کے دکھ کے سبب لذات سے منع کرتی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ محبت محبوب اور لذات دونوں کے درمیان خلل انداز ہوتی ہے۔

والحب يعترض.... الخ یہ جملہ حالیہ ہے یا جملہ معترضہ، لذت پسندیدہ چیز کے حصول کو کہتے ہیں۔ اور الم اس کا الٹ ہے۔ محبت مولا کے طریقہ میں مناسب یہ ہے کہ لذت کی تفسیر محبوب کے خیال کے ساتھ کی جائے۔ اور الم کی تفسیر یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو محبوب کے اسوا محب کے دل میں کھٹکے۔ پس معنی یہ ہوتے کہ مجھے لیلۃ القدر میں وصال کا خیال آیا۔ اور مجھے غفلت کی نیند سے بیدار کر دیا۔ مجھے ارباب کمال کی طرح اپنے ذکر اور فکر میں مشغول کر دیا۔ ظاہری لذتیں، باطنی درد و آلام میں تبدیل ہوئیں۔ اور محبت میں دکھ درد مسنوی لحاظ سے لذتیں ہیں پس ان کے لیے کتنی سعادت کا مقام ہے۔

پھر شاعر نے زبان حال سے ملامت کرنے والے کو مخصوص نذا کے ساتھ پکارا اور

مخاطب کرتے ہوئے کہا:

⑨ يَا لَئِيْ فِي الْهُوٰى الْعُذْرِىِّ مَعْذِرَةٌ
مِّنِّيْ إِلَيْكَ وَلَوْ أَنْصَفْتُ لَحُتَمٌ

اے کہ در عشق ملامت سیکنی معذور دار
گر ترا انصاف باشد عذرا رہی از کرم

ناصحا تو عشق میں کر معذرت میری قبول
ہے اگر انصاف تجھ میں کر نہ مجھ پر یہ ستم

ترجمہ: بنی عذرا کی طرح محبت کرنے پر اسے مجھے ملامت کرنے والے! میری
طرف سے معذرت قبول کر۔ اور اگر تو انصاف کرتا تو مجھے ملامت نہ کرتا۔

لفظی تشریح

العذری: عین کلمہ پر پیش کے ساتھ بنی عذرا قبیلہ کی طرف منسوب ہے جو عرب کے
علاقہ یمن میں آباد ہے جب وہ لوگ عشق کرتے، تو عشق میں مرجاتے، کیونکہ ان کی عورتیں
خوب صورت پاکباز اور حیا دار ہوتیں تھیں۔ اور ان کے نوجوان محبت میں جلدی گرفتار ہونے
والے کم صبر والے اور زیادہ حیا والے ہوتے تھے۔

اور کہا گیا ہے کہ ہوی العذری سے مراد وہ حد سے بڑھنے والا ہے۔ جو ہر ایک
کے نزدیک مقبول العذر ہو۔

معذرةٌ، اَقْبَلُ فعل مقدر کا مفعول بہ، یا اَعِذْ ذِیَّ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے۔ اور

مِثْلِ مَعْدَرَةٍ کے متعلق ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ کسی محذوف کے متعلق ہے۔ الیک
یہ حال واقع ہو رہا ہے۔ یادوں (معدرة و۔ الیک) حال واقع ہو رہے ہیں
یعنی اس حال میں کہ معذرت میری طرف سے صادر ہو رہی ہے۔ جو کہ تیری طرف متوجہ
ہے یا تیری طرف پہنچائی گئی ہے۔

معنوی تشریح

معنی یہ ہے کہ میں تیری خدمت میں عذر پیش کرتا ہوں، کیونکہ میں مذکورہ محبت میں
بتلا ہوں۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے اور اگر تو انصاف کرے تو محبت کے بارے میں مجھے
ملامت نہ کرے۔ اور ملامت کو ترک کر دے، کیونکہ تو جانتا ہے کہ یہ چیز اختیار نہیں
بلکہ عشق اضطراری ہوتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ معدرة سے مَحْضَتِی النَّصْحِ
کی طرف اشارہ ہے۔ اور والحب يعترض اللذات بالالحم بھی ہو سکتا ہے۔
اس کی تفصیل یہ ہے۔ اے مجھے ملامت کرنے والے! اس حال میں کہ حد سے
زیادہ مخمور محبت میری معذرت ہے۔ لہذا تو مجھے ملامت کر کے مجھ پر ظلم نہ کر بے شک
محبت نے میرا گوشت پگھلا دیا ہے۔ میرا خون بہا دیا ہے۔ اور میری آنکھوں سے آنسو
زائل کر دیے ہیں۔ میرے چہرے کی رنگت کو زرد رنگ میں رنگ دیا ہے۔ میرے قرار
کو لوٹ لیا ہے۔ میرے اختیار کو میری الفت نے چھین لیا ہے۔ ملامت تو اس
وقت مناسب معلوم ہوتی ہے جب کوئی کام اپنے اختیار سے کوئی آدمی کرے لیکن جب
ایک کام جبری اور فطری طور پر ہو تو اس میں کوئی عیب نہیں۔

پس معذرت کا حال یہ ہے کہ میری محبت میرا دشمن ہے اور عذری کی محبت میرا عذر

مولانا عصام الدین نے کہا ہے کہ لفظ معذرة عذری کی نسبت سے تیز ہے
اور صنی الیک کے متعلق ہے۔ یہ اسم فعل معنی ابعدا ہے۔

⑩ عَذُّكَ حَالِي لَا سِرِّي بِمُسْتَتِرٍ
عَنِ الْوُشَاةِ وَلَا دَائِي بِمُنْحَسِمٍ

حال من وز تو گزشتہ سر من از دشمنان
نیست پنہاں درد من زائل نہ گشتہ از دلم

اب تو واقف ہو چکے اغیار بھی تیرے سوا
درد میرا ہو نہیں سکتا کسی صورت سے کم

ترجمہ: میرا حال تجھ تک پہنچ گیا، میرا کوئی راز چغلیخوروں سے پوشیدہ ہے
اور نہ ہی میری کوئی بیماری ختم ہونے والی ہے۔
لفظی تشریح

عَدَى عَنْهُ تَجَاوَز کرنے کو کہتے ہیں۔ سَوَى إِلَيْهِ سَوَايَةَ ہر تقدیر پر یہاں
ایک محذوف حرف جر کا ہونا ضروری ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ الی حرف جار مقدر کیا
جائے تاکہ اس پر بددعا بن جائے۔ اس حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے
کہ جو آدمی اپنے بھائی کو کسی گناہ پر عار دلاتا ہے۔ تو وہ اس وقت تک نہیں مبرا۔
جب تک کہ اللہ تعالیٰ اسے گناہ میں مبتلا نہ کر دے۔

الْوُشَاةُ: وَاِش کی جمع ہے یعنی وہ جھوٹے جو میرے اور میرے محبوب کے

درمیان فساد ڈالنے کی کوشش کرنے والے ہیں۔

الْاِنْسِجَامُ : انقطاع کو کہتے ہیں۔

معنوی تشریح

چاہیے کہ تیرا حال میرے حال جیسا ہو جاتے۔ تاکہ تو بھی میرا وبال اور میرے
قلب و جگر کی سوزش کو چکھے۔ وہ یہ کہ میرا راز چغل خوروں اور ملامت کرنے
والوں سے مخفی نہیں۔ تاکہ میں دشمنوں کے طعنے اور ملامت سے خلاصی حاصل کروں
اور میرا مرض وصال کے ساتھ بھی ختم ہونے والا نہیں کہ میں سلامتی کو حاصل کرنے
میں کامیاب ہو جاؤں۔ کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یوں ہے کہ میرا مال تجھ سے تجاوز
کر کے چغل خوروں تک پہنچا اور مہار ضیین پر میرا راز فاش ہو گیا، دوستوں اور
دشمنوں تک پھیل گیا۔ یہ بیماری ختم نہیں ہوتی۔ جب کہ دوستوں کے پاس اس کا
کوئی علاج بھی نہیں۔ جب تو نے اس مقام پر میرا حال جان لیا۔ تو انصاف کر
اور ملامت کو چھوڑ دے۔

ممکن ہے کہ یہاں پر عن کو مقدر کیا جاتے جو اسکے حال میں مبتلا نہ کرنے کی اس
کے لیے دوا ہے۔ اور مرتبہ کمال تک پہنچنے سے محرومی کی اس کے لیے بددعا ہے۔

دونوں جگہ پر حرف (لا) نفی جس کے لیے ہے۔ یہاں پر (لا)

نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک لا کا معنی پر داخل ہونا جانتے نہیں ہے۔

شاعر نے جب ملامت کرنے والے کی ملامت میں مبالغے کو دیکھا اور ظاہر

ہو گیا کہ اس کا زخمی، سلامتی میں منحصر ہے اور اس نے اس پر ظلم کرنے میں مبالغہ

اور اعتراف اس بات کا ہے جو اس کی عدم موجودگی میں اس پر الزام دھرایا جا رہا ہے۔

پھر جب اُس نے یقین کر لیا کہ اس کا عذر نفع مند نہیں ہے اور اس کی تدلیس فائدہ مند نہیں ہے تو اس نے انصاف کیا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ قصور ہر حال میں اس کی اپنی جانب سے ہے تو شاعر نے اس مقام پر کہا۔

① ۱۱ مَحْضَتْنِي النَّصِيحَ لَكِنْ لَسْتُ أَسْمَعُهُ
إِنَّ الْمُحِبَّ عَنِ الْعُذَالِ فِي صَمَمٍ

تو نصیحت سیکھنی نیکو و من می شنوم
عاشقان باشند دایم از ملامت در صمم

تھی نصیحت خوب لیکن اس کو سنتا کس طرح
ناصر عاشق کے حق میں ہے، سماعت کا عدم

ترجمہ: اس نے تو مجھے خلوص دل سے نصیحت کی تھی لیکن میں نے اسکی نصیحت نہیں سنی
(اور نہ ہی سنوں گا) بے شک محبت کرنے والا ملامت گردوں سے بہرہ ہوتا ہے۔
لفظی تشریح:-

النَّصِيحَةُ: دوسرے کے لیے بھلائی کا ارادہ کرنا۔

المَحْضُ: خلوص اور صفائی قلب: یہاں پر اس سے عدمِ سماع مراد ہے۔

الصَّمَمُ: بہرہ پن: یہاں اس سے مراد عدمِ توجہ اور عدمِ قبول ہے اور جواب دینا۔

وَالْعُذَالُ: جمع عاذل کی: ملامت کے ساتھ نصیحت کرنے والے۔

معنوی تشریح:

اے مخاطب! تو نے اپنی نصیحت کو میرے لیے خالص کیا۔ اور

تو نے مجھے محبت کے سلسلہ میں ملامت کرنے میں اپنی نصیحت کو اغراض فاسدہ سے پاک و صاف کیا۔ یہ ملامت محبت کے اسباب کی وجہ سے تھی۔ جیسے ضروری باتوں کی طرف توجہ کرنا۔ ان پر آگاہی حاصل کرنا، ان کی خوبیوں کے متعلق سوچنا۔ اور اس محبت میں والہانہ طور پر شیدا ہونا، لیکن اے میرے مخاطب! (ان تمام چیزوں کے باوجود) میں تیری نصیحت کو قبول نہیں کروں گا، کیونکہ میں عشق کا قیدی ہوں اور تو عقل کا امین ہے۔ اور عقل کا حکم عشق کی سلطنت میں جاری نہیں ہو سکتا۔ عقل تعمیر کرتی ہے۔ اور عشق ان تعمیرات کو منہدم کرتا ہے۔ عقل تجارت میں کام آتی ہے اور عشق جنگل میں لے جاتا ہے۔

اس شعر میں ایک حدیث صحیح کی طرف تلمیح ہے جو حضور نے ارشاد فرمایا: حُبُّكَ الشَّيْءُ يُعْمَى وَيُصِّمُ کسی شے کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔ اس حدیث کو امام احمد، ابو داؤد اور بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔

ملامت کرنے والوں کی بات کو نہ سنا ایک ایسی حالت ہے۔ جو تمام محبت کرنے والوں کو عام ہے۔ یہ عام حالت ذکر کرنے کے بعد شاعر نے اپنی رسوا کن حالت میں نصیحت قبول نہ کرنے کا ذکر کیا جو اس کے ساتھ ہی خاص ہے۔

⑫ اِنِّیْ اَتَلَمَّتْ نَصِيْحَ الشَّيْبِ فِي عَدَلٍ
وَالشَّيْبُ اَبْعَدُ فِي نَصِيْحٍ عَنِ التَّلَمِّمِ

انسان کی نصیحت

شیب پندم داد من بروم گمان بد برو
گر چه شیب اندر نصیحت دور باشد از تہم

تھی ضعیفی کی نصیحت پھر بھی دل بدظن ہوا
گو نصیحت میں ضعیفی ہے بہت دور از تہم
ترجمہ: میں نے اپنی ملامت کے سلسلے میں بڑھاپے کی نصیحت پر تہمت لگائی۔
حالانکہ بڑھاپا نصیحت کرنے میں تہمت سے کہیں دور ہے۔

لفظی تشریح

نصیح بمعنی ناصح ہے۔ اور یہاں پر اضافت بیان یہ ہے۔ العذل بفتح ذال ہو تو
اسم مصدر ہے۔ اور العذل بالسکون ہو تو مصدر ہے۔ عصام نے کہا ہے کہ دونوں صوتوں
میں مصدر ہے۔ والشیب الخ جملہ اقلیمت کے مفعول کا حال واقع ہو رہا ہے جو کہ
الشیب ہے۔

معنوی تشریح

نصیحت الشیب سے شاعر کی مراد یہاں پر یہ ہے کہ وہ (بڑھاپا) بہ زبان حال بوڑھے سے
کہہ رہا ہے کہ وہ (بوڑھا) (دنیا سے) کوچ کرنے کے قریب ہے۔ اب بدکاریوں سے منتقلی
اور توبہ کا وقت آگیا ہے۔ عشق مجازی کو چھوڑنا ضروری ہو گیا اور عشق حقیقی کو اپنانا لازم ہوا۔
اور حالات کی عدم اصلاح اور تفسیع اوقات میں جو نقصان ہوا اس کا تدارک کرے۔

اسی وجہ سے ابو یزید بسطامی قدس سرہ العزیز نے جب آئینہ دیکھا اور اس میں
غور کیا تو چہرہ انور پر ڈارھی شریف میں سفیدی نظر آئی۔ فرمایا: بڑھاپا ظاہر ہو گیا وہ کوئی عیب
نہیں لے گیا (گناہ ختم نہیں ہوئے) اور میں نہیں جانتا کہ آئندہ کیا ہوگا۔

جب عاشق کا یہ حال ہے کہ وہ بڑھاپے کی نصیحت بھی قبول نہیں کرتا جو کہ عیب
اور تہمت سے سراسر خالی ہے تو ملامت کرنے والوں کی بات کو بلا حیل و حجت بدجہل و

قبول نہیں کرے کامیاب کیا ہے کہ اتہام شیب سے اس کا وقت سے قبل آنے پر محمول ہے تاکہ بڑھاپے کے زمانے میں جو ضروری چیزیں ہیں ان کو مستبعد نہ گردانے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ادبائش لوگ محنتی لوگوں کی بہ نسبت جلدی بوڑھے ہونے والے ہیں۔ عربوں کا محاورہ ہے: الشیب نور الہوم۔

اس شعر کا معنی یہ ہے کہ میں نے ایسے ناصح پر تہمت لگائی جو ہر تہمت سے بری اور ہر ناصح سے سچا ہے اور وہ بڑھاپا ہے۔ وہ دل کے ٹوٹنے اور جسم کے گرنے (موت) پر دلیل ہے۔ پس سعادت مند وہ ہے جو اس کے وعظ سے نصیحت حاصل کرے۔

کہا گیا ہے کہ ایک آدمی نے اپنے سر میں بڑھاپے کو دیکھا تو اس نے اپنی عورتوں کو اکٹھا کیا۔ کہا: اے میرے گھر والو! میرا بعض حصہ مر گیا۔ اور یہ شعر کہا:

إِذَا مَا مَاتَ بَعْضُكَ فَاِنَّكَ بَعْضُ

فَبَعْضُ الشَّيْءِ مِنْ شَيْءٍ قَرِيبٍ

ترجمہ: جب تیرا بعض حصہ مر گیا تو اب تو بعض ہے کسی چیز کا بعض

کسی شے (موت) کے قریب ہے۔

پھر شاعر نے بڑھاپا وقوع پذیر ہونے کے بعد اس کی تہمت کو علت بناتے ہوئے کہا:

فَإِنَّ أَمَارَتِي بِالسُّوءِ مَا انْعَظَتُ

مِنْ جَهْلٍهَا بِنَذِيرِ الشَّيْبِ وَالْهَرَمِ

نفس فرماں دہ بہ بد ہامیہ کند و نیم خراب

وز جہالت پسند نہ پذیرد ز پیری و ہرم

نفس امارہ نے نادانی سے کچھ پروا نہ کی
یوں تو پیری کی نصیحت تھی نہایت محترم
ترجمہ: بے شک مجھے برائی کی طرف حکم دینے والے (نفس امارہ) نے اپنی جہالت کے
سبب پیری اور عمری کے ڈرنے سے کوئی نصیحت حاصل نہ کی۔

لفظی اور معنوی تشریح

فا اس جگہ اِنَّهٗمُتَّ بِعُطْف کے لیے شیب کو فائدہ دے رہی ہے یعنی جب میں
نے بڑھاپے جیسے ناصح پر ہمت لگائی تو یہ بات جہالت اور ڈرنے والے کی نصیحت سے
عبرت حاصل نہ کرنے کا سبب بنی۔ حالانکہ موت کے پہنچنے کی خبر دینے والا ہے اور وہ مکمل
پیری اور عمری ہے۔ یہاں نذیر معنی مُنذر ہے۔

یہاں اضافت، صفت کو موصوف کی طرف مضاف کرنے کی قسم میں سے ہے۔
اللہم۔ بڑھاپے کی انتہا۔ المنذر موت کی قربت سے خوفزدہ کرنے والا جو تمام اطاعت
اور توبہ کو فوت کرنے والی ہے۔ و من جہل: یہ عدم اتعاط کی علت ہے۔ کہا گیا ہے
کہ نذیر معنی انذار جو اتعاط یا جہل سے متعلق ہے۔

جاننا چاہیے کہ نفس یعنی قوت حیوانیہ جو کہ قوتِ مدرکہ اور قوتِ محرکہ پر مشتمل ہے جب
وہ قوتِ عاقلہ کی مطیع نہ ہو تو وہ بمنزلہ چوپائے کے ہے جو کہ قوتِ عاقلہ کی خواہش اور غضب
کے مطابق نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی قوتِ عاقلہ اس سے خدمت لے سکے، تو ایسی صورت حال
میں وہ قوتِ نفس امارہ ہوگی اور قوتِ عاقلہ اضطرار ہی طور پر چار و ناچار تابع فرمان ہوتی
ہے۔

ہاں! جب قوتِ عاقلہ اس کو اپنا تابع بنالے اور اس کو ان مختلف اسباب سے

روکے تو اگر وہ اس کی خدمت میں کمر بستہ ہو جائے۔ اس کی اطاعت پر اس طرح کوشش سے عمل کرے کہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرے۔ اس کے روکنے سے باز رہے تو اس وقت عاقلہ نفس مطمئنہ ہوگی۔

اگر قوتِ حیوانیہ کبھی تو عاقلہ کی اطاعت کرے اور کبھی نافرمانی، تو جب وہ نافرمانی کرے تو وہ اس کی خواہش کی اتباع کرتی ہے۔ پھر نادام ہوتی ہے تو اپنے آپ کو ملامت کرتی ہے۔ وہ نفسِ لوامہ ہوگا۔ قصہ مختصر یہ کہ امارہ نافرمانی کرنے والے کو مطمئنہ تابع فرمان کو اور لوامہ ملے جلے خیالات کا ارادہ رکھنے والے نفس کو کہیں گے۔
پھر اس شعر کو سابقہ شعر ما اتعظت پر عطف کیا۔

⑫ وَلَا أَعْدَتُ مِنَ الْفِعْلِ الْجَمِيلِ قَرَى
ضَيْفِ الْحَرِّ بِرَأْسِي غَيْرَ مُحْتَشِمٍ

ہم نہ کر دو کارِ نسیب کو بہرِ مہمانی او
بر سرِ آمدِ فرو داز من نگشتہ محتشم

نیکوئوں سے میں نے اس مہمان کی خاطر نہ کی
اُن پہنچی جب ضعیفی سر پہ میرے ایک دم

ترجمہ: اور نفس نے اس غیر محتشم مہمان کی میزبانی کے طور پر کسی اتہام خاص کی تیاری نہیں جو میرے سر پہ اترا ہے۔ (یعنی بڑھاپا)

لفظی تشریح: فعل جمیل ہر وہ فعل ہے جس کو شرع یا طبع مستحسن گردانے۔

قَسْرَی۔ زیر سے میزبانی۔ یہاں اس سے مراد توبہ اور دیگر نیک اعمال ہیں۔ اَلْاَلَمَامُ
 اترنا۔ الاحشام۔ بہ سبب احترام کے سترنا۔ نفی احتشام کی قید بزرگوں کے نزدیک قرأت
 کی آسانی پیدا کرنے کے لیے ہے۔ سر کی تخصیص اس لیے کی کہ وہی پہلا مقام ہے جہاں
 بڑھاپا ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ بڑھاپا اس کے سر پر بحالت غفلت آیا ہے۔ کہا
 گیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ بڑھاپا نفس کے نزدیک غیر محتشم ہے، کیونکہ وہ اس کو ناپسند
 کرتا ہے۔ وَلَا اَعَدَتْ بِرَسَبِلِ عَطْفِ الْخَاصِ عَلٰی الْعَامِ اَتَعْظَتْ بِرِ
 عَطْفِ ہے، کیونکہ اتعاط زواجہ سے اجتناب اور اوامر پر عمل کرنے سے ہوتا ہے۔ یہ بھی
 ممکن ہے کہ اتعاط سے اجتناب اور اعداد سے خوبیوں کو اپنانا مراد ہو۔

معنوی تشریح

پہلے شعر سے اپنے نفس کی طرف اشارہ ہے کہ وہ قوت عاقلہ کے منع کرنے کے باوجود
 (برائیوں سے) باز نہیں آیا۔ دوسرے شعر سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ نفس نے قوت
 کاملہ (عاقلہ) کے حکم کی تعمیل نہیں کی جس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ (نفس) نافرمانی میں حد کو
 پہنچ گیا اور سرکشی کا حکم کرنے میں بھی انتہا کر دی۔
 غیب، الْحَدَّ کی ضمیر سے بوجہ حال واقع ہونے کے منصوب ہے۔ معنی یہ ہوا کہ
 نفس امارہ نے برائیوں سے اجتناب نہیں کیا اور طاعات پر عمل نہیں کیا۔ یہاں تک کہ
 اس نے معزز مہمان کی مہمان نوازی نہیں کی۔ اس سے مراد وہ مختلف قسموں کے
 خیالات بھی ہو سکتے ہیں جو بغیر احتشام کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ مہمان کی عزت افزائی
 عقلاً و نقلاً ضروری ہے۔ بالخصوص جب بڑھاپا آجائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تیرے پاس (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے

عزت والے مہمانوں کا قصہ نہیں پہنچا۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے (ضرور) چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ نیز فرمایا: بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی عزت و تکریم میں داخل ہے۔

①۵ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنِّي مَأْوَقِرٌ
كَتَمْتُ سِرًّا بَدَا لِي مِنْهُ بِالْكَتَمِ

گر بدانتہم کہ مہماں رانمیدارم عزیز
کردمی تغیر اسفیدی مویم از کتم

کاش میں پہچانتا توقیر اس مہمان کی
پس چھپا لیتا سفیدی سر کی از رنگ کتم

ترجمہ: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں اس کی توقیر نہیں کروں گا۔ تو جو راز اس کی وجہ سے نمودار ہوا ہے میں اس کو خضاب سے چھپا لیتا۔

لفظی تشریح

الکتم ایک نہایت سنجے و سہیا مہندی سے ملا کر خضاب لگایا جاتا ہے۔ السیر اس سے مراد بڑھا پے کا غفلت سے ڈرانا اس کا موت کے قریب ہونے پر تنبیہ کرنا ہے۔

معنوی تشریح

مطلب یہ ہے کہ اس (بڑھا پے) کا ظہور میرے علاوہ کسی اور کے پاس ہوتا تو میں اس

کے رازوں اور بھیدوں کو خضاب سے چھپا لیتا جو کہ میرے سر اور کھوپری پر نمودار ہوتے ہیں۔
 تاکہ میں رسوائی اور زبان حال کی نصیحت کے عدم سماع کی طرف منسوب نہ کیا جاتا، کیونکہ زبان
 حال باتوں سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔

①۶ مَنْ لِي بِرَدِّ جَمَاحٍ مِنْ غَوَايَتِهَا
 كَمَا يُرَدُّ جَمَاحُ الْخَيْلِ بِاللُّجْمِ

نفس سرکش راز بے راہی کہ می آورد براہ
 چوں لگامے اسب سرکش آورد از راہ ہم

کون ہے جو نفس سرکش کو مرے یوں پھیرے
 روکتے ہیں جیسے گھوڑوں کو لگاموں سے ہم

ترجمہ: کون ہے میرے لیے جو اس (نفس) کو سرکشی سے روکے جس طرح گھوڑے
 کی سرکشی کو لگام سے روکا جاتا ہے۔

لفظی تشریح

الجماح، جیم پر زیر۔ جموح کی جمع ہے۔ اخلاق ذمیدہ کو بُرے چوپائیوں سے تشبیہ دی
 گئی ہے۔ کیا ہے کہ الجماح مصدر ہے۔ الرد۔ نفس کو اس کی سرکشی سے دور کرنا۔ من
 غوایاتہا جماح کی صفت ہے یعنی ایسی سرکشی جو اس کی گمراہی اور لاعلمی کی وجہ سے پیدا
 ہوتی۔ اس شعر میں استفہام برائے تضرع، استعانت بالغیر اور استعطاف برائے
 نفس خود ہے۔

معنوی تشریح

کون ہے جو مجھے مکار اور غدار نفس امارہ کے سبب واقع ہونے والے صفات اور بُرے اخلاق کے تبدیل ہونے اور احوال جمیدہ اور مقامات جلیدہ کی تحصیل کی ضمانت دے جیسا کہ غیر مہذب گھوڑوں کی ناپسندیدہ حرکات لگام سے تبدیل ہو جاتی ہیں۔ موعظ حسنہ کو لگام سے تشبیہ دی گئی ہے۔ عصام الدین نے فرمایا: نفس کو فرس سے تشبیہ دینا لسان شرع سے مانور ہے۔ "نَفْسُكَ مَطِيئَتُكَ فَارْفُوقُهَا تِيرَانُ نَفْسٍ تِيرِي سَوَارِہِی" پس اس کے ساتھ نرمی اختیار کر۔ کہا گیا ہے (لگام سے) مقصود مرشد کامل ہے۔ جو عالم باعمل ہوتا ہے۔ پھر شاعر نے اپنے عیب کو محسوس کرتے ہوئے یوں کہا :

(۱۷) فَلَا تَرْمِ بِالْمَعَاصِي كَسْرِ شَهْوَتِهَا
إِنَّ الطَّعَامَ يُقْوِي شَهْوَةَ النَّهْمِ

پس مجھ پر غصیل عصیاں کسر شہوتہا سے نفس
زانکہ قوت میدہ شہوت طعام اندر شکم

نفس کی خواہش گناہوں سے نہیں ہوتی ہے فور
جس طرح جوع البقر میں پر نہیں ہوتا شکم

ترجمہ: پس تو (نفس کی) خواہش توڑنے کے لیے معاصی (کے ارتکاب) کا قصد نہ کر۔ بے شک کھانا بسیار خوری کی خواہش اور بچتہ کرتا ہے۔

لفظی تشریح: النهمة ہمارے زیر کے ساتھ۔ اور زیر کے ساتھ بھی ہے۔ کھانے

کی خواہش میں افراط۔ بطور عفت واقع ہوا ہے۔

معنوی تشریح

جب تو گناہ سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے سرکشی کو روکنے کا ارادہ کرے تو پھر مناہی کے ساتھ نفس کی خواہش کو توڑنا اور لہو و لعب کے ساز و سامان کے ساتھ اس کی شہوت کو جڑ سے اکھیڑنے کی تدبیر نہ کر۔ یعنی یہ گمان نہ کر کہ جب تو اس کو اس کے مقاصد کے ساتھ پُر کر دے گا تو یہ مضرات سے باز آ جائے گا۔ (ایسا ہرگز نہیں ہے) بے شک طلب مطلوبہ شئی کے پانے سے زیادہ ہوتی ہے اور طبیعت حسب مقتضا حاصل کر لینے سے قوت پکڑتی ہے۔ جیسے کوئی معدہ ناریہ یا جوع البقر میں مبتلا ہو۔ اس کی قوت مرضیہ چوپائیوں کی طرح کھانے سے بڑھتی ہے۔ مریض استسقاء کی پیاس مسلسل پانی پینے سے زیادہ ہوتی ہے۔ پس معاصی اس کی خواہش کو بڑھائیں گے۔ گھٹائیں گے نہیں بلکہ اس کو (مزید) خراب کریں گے۔ اس کی اصلاح نہیں کریں۔ روحانی طبیبوں کے درمیاں یہ بات مشہور ہے کہ نفس کا علاج تخلیہ اور تجلیت سے ہوتا ہے۔ جیسا جسمانی طبیبوں کے ہاں یہ بات عام ہے کہ دوائی کا استعمال تقویت کے لیے ہوتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ نفس کے لیے سوائے پرہیز کے کوئی دوائی نہیں۔ موقوفات کی محبت میں اس کے لیے ابتلا ہے اور شاعر کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے۔

وَالنَّفْسُ كَالطِّفْلِ إِنْ تَهْمَلَهُ شَبَّ عَلَى
حُبِّ الرِّضَاعِ وَإِنْ تَقْطِمْهُ يَنْفَطِمِ

نفس چوں طفل است گر شیرش دہی دائم خورد
ورنہ شیرش باز داری او نہ خواهد، سیح دم

نفس کی ہیں عادتیں مانند طفل شیرخوار
دودھ پیتا جاتے گا جب تک چھڑائیں گے نہ ہم

ترجمہ : نفس بچے کی مانند ہے۔ تو اگر اس کو مہلت دے تو یہ دودھ پینے کی
عادت پر ہی جوان ہو جائے گا۔ اور اگر اس کا دودھ چھڑا دے تو خود بخود چھوڑ
دے گا۔

لفظی تشریح

شب الصبی : بچہ جوانی کو پہنچ گیا۔ الرضاع : راہ پر کسرہ اور فتحہ دونوں ہیں۔

معنوی تشریح

نفس، دودھ پیتے بچے کی مانند ہے، کیونکہ نفس مضرت رساں مرغوبات میں مصروف
ہے اور ان پر عمل پیرا ہوتے وقت اس کی طبع میں اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی، کیونکہ یہ دودھ
پیتے بچے کی مانند ہے۔ بعینہ اسی طرح اگر تو بچے کو دودھ پینے کی عادت پر چھوڑ دے تو وہ
مطابق طبیعت اسی عادت پر نشوونما پاتے گا۔ پھر وہ غیر ضروری حالات و اوقات میں بھی
دودھ پینے پر بند ہو گا۔ (جس سے) اس کا مزاج اخلاطِ رویہ سے اس وقت فاسد ہو
جائے گا۔ اور اگر تو پھر بہ لطائف الحیل پستان سے نفرت دلانے اور محبت و شفقت
سے کھانوں کی لذت سے مانوس کرنے سے اس کا دودھ چھڑا دے گا، تو وہ چھوڑ دے
گا۔ اور بھلائی کی لڑی میں شامل ہو جائے گا۔

جس نے کہا، خوب کہا۔ (اس نفس کو) اگر تو رغبت دلائے گا تو یہ رغبت کرنے
ہے۔ اور اگر تو اس کو قلیل کی طرف لوٹائے گا تو (یہ اسی پر) قانع ہو جائے گا۔

فرمایا:

(۱۹) فَاصْرِفْ هَوَاهَا وَحَازِرْ أَنْ تَوَلِّيَهُ
إِنَّ الْهَوَىٰ مَا تَوَلَّى يَصِّمْ أَوْ يَصِمْ

بازگیرش از ہوا بر خود ہوا حاکم مکن
چو ہوا حاکم شود دینت پسد یا گشت کم!

خواہشوں کو روک ہرگز نفس کا تابع نہ ہو
تو نہ کر دے ختم یا پھر عیب والا کم سے کم

ترجمہ: پس روک لے اس نفس کی خواہش کو۔ اور احتیاط کر، کہیں یہ تجھ پر غالب
نہ ہو جائے، کیونکہ جب نفسانی خواہشات غالب ہو جاتی ہیں تو یہ یا تو ہلاک کر دیتی
ہیں یا عیب ناک بنا دیتی ہیں۔

لفظی تشریح

الصوف: روکنا۔ کہا گیا ہے کہ کسی شے کو اس کے غیر سے روک لینا۔ الہوی۔ ہدایت کو
انگینت کے علاوہ نفس کا ایسی چیز کی طرف میلان ہونا جس کو وہ لذیذ سمجھتا ہے۔ حاذر
إِحْذَرُ کا مبالغہ ہے، کیونکہ باب مفاعلہ جب تغلیب کے لیے نہ ہو تو وہ مبالغہ کے لیے
ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے۔ اس کا معنی ہے: إِحْذَرُ إِحْذَرُ یعنی بار بار
وَلَاہ کسی کو دالی بنانا۔ ولایت کا قلاوہ پہنچانا۔ قوٹی الاعمر۔ قلاوہ پہن لینا۔ اور اس معام

کو لازم کر لینا۔ کسی کام پر والی بن جانا۔ ما: شرطیہ زمانہ یہ ہے یا عمومیہ بعض نے کہا ہے کہ موصولہ ہے۔ عصام نے اسی کو پختہ کہا ہے۔ اصنی الصيد: شکار کو اسی جگہ قتل کر دینا جہاں وہ گرا ہو۔ وصم: عیب دار بنانا۔ یصو اور یصم کے درمیان تہنیں خطی ہے۔ اور یہ صنعت بدیعہ ہے۔

معنوی تشریح

جب تمہیں معلوم ہے کہ نفس بڑے بڑے مفاسد کا تابع ہے (اس کے باوجود) وہ عظیم چیزوں (نصیحتوں) کے سبب ان مفاسد کے قطع کرنے کے قابل ہے۔ (تو اس وجہ سے) اس کو اپنی خواہش سے باز رکھ اور اس کو اپنی چاہت سے متغیر کر۔ اور اس بات سے ہر طرح بچنے کی کوشش کر کہ تو ہوئی کو اپنے دل کے قلعہ اور عقل کی مملکت پر امیر مقرر کرے۔ بے شک وہ گمراہی اور خیانت کا سبب ہے، حکومت اور امارت کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور ہوئی (ہوس) جب والی بن کر مولیٰ کی مخالفت کرتی ہے تو انسان کو فوراً بدامیدوں کے سبب ہلاک کر دیتی ہے یا بد اعمالی کے باعث اس کو گمراہی میں خراب کر دیتی ہے۔

یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ماخوذ ہیں: وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ..... الخ

اور ہوئی کا اتباع نہ کر (نہیں تو) وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر دے گی۔ بے شک جو اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ ان کے لیے سخت عذاب ہے، کیونکہ وہ روز قیامت کو بھول گئے۔ یوم قیامت کے بیان سے مراد اس کی حقیقت پر عدم اعتقاد لیا گیا ہے۔ پس یہ ضلالت اضافی ہے۔

جب علامہ بوصیری اس بیان سے فارغ ہوتے کہ نفس میں تربیت حاصل کرنے کی

قیسیت ہے تو تخلیک کا بیان شروع کیا جو جلوت پر مقدم ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ نفس کی ریاضت سے مقصد، اس کو اپنی ہوس سے روکنا اور اپنے مولیٰ کی اطاعت پر مجبور کرنا ہے، اول زہد ہے اور ثانی عبادت ہے اور اسی وجہ سے فرمایا :

(۲۰) وَرَاعَهَا وَهِيَ فِي الْأَعْمَالِ سَائِمَةٌ
وَإِنْ هِيَ اسْتَحَلَّتِ الْمُرْعَىٰ فَلَا تَسِيمُ

نفس را مقہور کن چوں در عمل جولان کنی
ور بچیزے انس گیر و بازدارش از ستم

باز رکھ حسن عمل کو لذت تشہیر سے
اس چراگاہ ہوس سے دُور رکھ اپنا قدم

ترجمہ : اور تو اس کی (نفس کی) نگرانی کر اس حال میں کہ وہ اعمال کو چرنے میں مشغول ہے (لیکن) اگر وہ چراگاہ کو میٹھا گمان کرے تو پھر تم اس کو چراگاہ کی طرف نہ نکالو۔

لفظی تشریح

المراعات، نگرانی کرنا۔ سامت الماشیة، چوپائے کو اس وقت کہتے ہیں جب وہ چرنے لگے۔ الاسامہ، چوپائے کو چراگاہ کی طرف نہ نکالنا۔ استحلی، میٹھا شمار کرنا۔

علامہ بو صیری نے اعمال سے مراد اعمال صالحہ لیے ہیں۔ برے اعمال چونکہ نفع سے

خالی ہوتے ہیں۔ اس لیے گویا وہ اعمال ہیں ہی نہیں۔ السومر: اس کا لغوی معنی تو چرنا ہے۔
اعمال میں چرنے سے علامہ نے اس میں مشغول ہونا مراد لیا ہے۔ المرعى: اس سے مراد
نوافل ہیں۔ واجبات اور مستحبات نہیں، کیونکہ یہ دونوں استحلالہ کے سبب ترک کا باعث
نہیں بنتے۔

معنوی تشریح

نفس کی دیکھ بھال اور نگہ رانی کر جب کہ وہ اعمالِ صالحہ میں مشغول ہو قطع نظر اس سے
کہ وہ باقی میں مشغول ہے یا کہ نہیں۔ اس کو جھڑک جب وہ خلوص نیت اور حضور قلب کے
بغیر جو کہ عادتِ انسانیہ ہے۔ نوافل میں مصروف ہو، کیونکہ عبادت غیر عادت ہے۔ اسی
وجہ سے کہا گیا ہے کہ ارادہ ترکِ عادت ہے۔

کہا گیا ہے کہ معنی یہ ہے، عبادت کے دوران اپنے نفس کا خیال رکھتا کہ اس کے
ارکان، شرائط، سنن اور آداب کے ترک سے محض عادت کے قائم مقام نہ ہو جائے یا
عبادت عجب، ریا، غرور، تکبر اور حصول دنیا کے مانند خارجی یا داخلی مفادات کے
سبب فاسد نہ ہو جائے اگر نفس ظاہری عبادت پر قناعت کر جائے اور عبادت کی
معنوی اور صوری مفادات کی پرواہ نہ کرے تو اس کو بہتری کی طرف لا، کیونکہ وہ عبادت
نہیں ہے بلکہ محض عادت ہے۔ یہ معنی صاحبِ معادن کے قول کے مطابق ہے۔

اور ممکن ہے کہ اس شعر کو ایک ایسے عارف کے لیے خطاب بنایا جائے جو معارف
کو سمجھتا ہے تو کہا جائے گا۔ (اے عارف!) نیک عمل کر۔ اور اپنے عمل میں انتظار نہ
کر تا کہ تو بادشاہِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) تک پہنچ جائے۔ اگر نفس اعمال کی زینت سے
مزین ہونے کے سبب غرور کرے اور احوال کے زیور کے ساتھ آراستہ ہونے کے

سبب (خود پسندی کرنے لگے ہو تو اس کو جھڑک دو، کیونکہ انہی اعمال اور احوال کے حصول کے بعد، وصولِ کمال ہوتا ہے۔ اور یہی وصال کی حقیقت ہے اللہ تعالیٰ ہم کو بھی یہ مقام عطا فرمائے جو کہ حفاظت کرنے والا بلند و بالا ہے۔

② کَمْ حَسَنْتَ لَذَّةَ لِّلْمَرْءِ قَاتِلَةً
مِّنْ حَيْثُ لَمْ يَدِرْ أَنَّ السَّمَّ فِي الدِّمِّ

لذتے کاں بامضرت باشد آراید بخلق
اں چناں کو در نیابد ایں کہ زہر اندر دم
لذتیں پسکنی غذا کی زہر قاتل تھیں مگر!
کھانے والے نے نہ جانا اس میں پوشیدہ ہے سم

ترجمہ: کتنی ہی ایسی حسین لذتیں ہیں جو انسان کو یوں قتل کر دیتی ہیں کہ وہ نہیں جانتا کہ اس مرغن (پرتکلف) کھانے میں زہر ہے۔

لفظی تشریح

یہ شعر فلا تَسِمْ کی علت بیان کر رہا ہے۔ کم خبر یہ ہے یہ منصوب المحل بطور مصدر یا بطور ظرف ہے۔

اور یہ فعل حَسَنْتَ کے متعلق ہے۔ یا علی سبیل التنازع لذاتہ کے متعلق ہے یا قاتلہ کے متعلق ہے۔ حیث، اصل میں تو مکان کے معنوں میں ہے۔ استعارۃً یہاں پر معنی جہت استعمال ہوا ہے۔ وَالسِّمِّ سین پر تین حرکات ہیں،

لیکن مناسبت کے لیے یہاں پر فتح کی روایت ہے۔ حسنت کا معنی یہ ہے؛ کسی شئی کو خوب صورت بنانا۔ اور حسن کی طرف منسوب کرنا۔ **لِلْمَرْءِ** یہ لفظ قاتلہ کا مفعول ہے۔ اس لام (حرف جار) متعدی بنانے کے لیے ہے۔

معنوی تشریح

نفس امارہ، غدار، مکار اور دھوکے باز ہے۔ کئی بار اس نے انسان کو دھوکہ دیا۔ وہ چیزیں انسان کی نظر میں حسین معلوم ہوتیں جنہوں نے اس کی فطرت کو خراب کر دیا۔ بس وہ اس طرح نفس کی بہودہ باتوں سے دھوکہ کھا گیا اور اس کی چابک دستی سے ان ہلاکت کی چیزوں کو اچھا گمان کیا۔ پس وہ مقابلہ میں ہار گیا اور اس کے زیر کو تباہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

پس اس نے اپنی بہتری کو نہ سمجھا اور ناگہاں اپنی ہلاکت میں جا گرا۔
اس شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف بھی اشارہ ہے: **وَهُمْ يَحْسِبُونَ**
اَنَّهُمْ يَحْسِنُونَ صَنْعًا۔ (وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں، اس شعر میں ایک لطیفہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ لفظ **السم**، **الدسم** میں مذکور ہے۔ جیسا کہ کسی کہنے والے کے اس قول میں ہے: **السفر قطعة السقر**۔ یعنی سفر میں ایک نقطہ زیادہ کر کے سقر بنا دیا۔ یا فایر قاف بحساب جمل زیادہ کیا۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ سفر جہنم کے عذاب کی ایک قسم ہے۔ بے شک منجد اس کے عذاب کی تمام اقسام کے ایک قسم صمود ہے۔ وہ آگ کا ایک عظیم رسہ ہے۔ بشمول عذاب کی بقیہ اقسام کے جہنمی کو اس پر چڑھنے اور اترنے کی تکلیف دی جائے گی۔

یہ معانی ظاہر کرتے ہیں کہ شاعر کا تسک اس قسم کا فائدہ نہیں دیتا۔ اگرچہ یہ تھوڑا مبالغہ

کافائدہ دینا ہے جو کہ بحسب عادت خارج کے غیر مطابق ہے۔ اس کی مثال یہ ہے :
 العیادۃ افضل من العبادۃ (بیمار پر سی عبادت سے بہتر ہے۔) واللہ اعلم۔
 پھر شاعر نے بیان کیا کہ جس طرح نفس عبادات میں توجہ کرتا ہے اسی طرح ایسے
 مباحات میں بھی توجہ اور میلان کرتا ہے جن سے سالک کو (مخصوص) حالات میں چھٹکارا
 نہیں ہے، تو اس نے کہا:

(۲۲) وَأَخْشَى الدَّسَائِسَ مِنْ جُوعٍ وَمِنْ شَبَعٍ
 فَرَبِّ مَخْصَصَةٍ شَرٌّ مِنَ الثُّخَمِ

تو ترس از حیلہ ہائے نفس چوں جوع و شبع
 گاہ باشد گشنگی بدتر ز سیری و تخم

مکر سے کر خوف ان کے شکم سیری ہو کہ بھوک
 آفتیں خالی شکم کی کچھ نہیں سیری سے کم

ترجمہ: تم بھوک اور سیرشکی کی دسیسہ کاریوں سے ڈرو بسا اوقات فاقہ،
 سیرشکی سے بدتر ہوتا ہے۔

معنوی تشریح

یعنی بھوک اور سیرشکی سے حاصل ہونے والے خبیث مکروں اور حقیر ذالالتوں سے
 بچ شب بیداری اور نیند، خاموشی اور گفتگو، میل جول اور گوشہ تنہائی، فقر اور غنی، کنوار پن اور
 شادی، بھی ان ہی دونوں (بھوک اور سیرشکی) کے معنی میں ہے۔ ان میں سے ہر ایک

میں منافع بھی ہیں اور نقصانات بھی۔ پس اکل و شرب میں زیادتی دنیا میں مصائب کا سبب بنتی ہے۔ اور آخرت میں عتاب کا۔ بے شک یہ ساری چیزیں جسد انسانی کی سیرابی کے لیے کوشاں ہیں جو کہ سالک کی روح کی سواری ہے۔ اور نفس کو ہلاکتوں میں گرانے اور اس کو جکڑنے کی طرف لے جاتی ہے اور انہی سے ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں، جو سستی، تضحیح عمر اور دل کی سختی، غفلت اور بہ سبب دراز می امید اس کی موت کے مقتضی ہوتے ہیں۔ کم خوری و کم نوشی حدت مزاج کا سبب بنتے ہیں اکتاہٹ اور تھکاوٹ تحصیل کمال میں ہے۔ پس تم پر لازم ہے کہ غذا میں میانہ روی رکھو، کیونکہ اطراف (افراط و تفریط) گھٹیا ہیں اور درمیانہ پن میں فضائل ہیں۔ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ماخوذ ہے، کَلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا (کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو) جس نے یہ بات کہی بہت خوب کہی کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صوری اور معنوی طب جمع کر دی ہے۔

شاعر نے اس شعر میں فرمایا کہ بسا اوقات سخت بھوک تخم سے بدتر ہوتی ہے۔ تخم تخصیہ کی جمع ہے۔ تخم کہتے ہیں۔ طعام کا معدہ میں ہضم نہ ہونا، معدہ میں متعفن ہو جانا اور تکلیف دینا، مطلب یہ ہے کہ حد سے زیادہ پیٹ بھرنا۔ عرب اور دانا لوگ قلیل خورد و نوش پر مدح کرتے ہیں اور کثرت پر مذمت۔ دوسرا یہ کہ تھوڑا کھانا، قناعت، نفس پر کنٹرول اور خواہش کو ختم کرنے پر دلیل ہے۔ اور دل کی صفائی اور ذہن کی تیزی کا سبب ہے۔ بسیار خوری، حرص، شرارت، غلبہ شہوت اور ان کے علاوہ جن کا بیان ابھی گزر چکا ہے، پر دلیل ہے۔ بادی الرای میں تو اس بات کا وہم ہوتا ہے کہ بھوک میں کوئی خرابی یا برائی نہیں۔ پھر جب وقتِ نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں ایک نہیں کئی برائیاں ہیں۔ پس اس طرح وہم دور ہو گیا اور حقیقت حال واضح ہو کر نچتہ ہو گئی۔

رَبِّ تَعْلِيل کے لیے ہوتا ہے اور کبھی تکثیر کے لیے بھی ہوتا ہے۔ پھر شاعر نے توبہ پر اکساتے ہوئے اور رجوع پر براہِ گنہگار کرتے ہوئے کہا:

۲۳ وَاسْتَفْرِغِ الدَّمْعَ مِنْ عَيْنٍ قَدْ امْتَلَأَتْ
مِنَ الْمَحَارِمِ وَالزُّمْرِ حَمِيَّةَ النَّدَمِ

پس بہار از دیدگاں اشکت کہ چشمت پر شدہ
از محارم پس ملازم شو بدرگاہِ ندم !

ان گناہوں کو جو آنکھوں میں بسے ہیں دُور کر
ہو پیشیاں اور بہا اشکِ ندامت دم بدم

ترجمہ: پس فارغ کر آنسوؤں کو ایسی آنکھ سے جو بھر گئی ہے حرام چیزوں سے اور
ندامت کی پرہیز کو لازم رکھ۔

لفظی تشریح

استفراغ علم طب میں پُر شکمی کا علاج بھی ہے۔ الحمیۃ پرہیز، یعنی احتیاء
جو کہ ندامت اور بعض نے کہا ہے، حمیۃ الندم کا معنی یوں ہے ایسی پرہیز جو ندامت
سے حاصل ہو۔ والمحارم معصومۃ کی جمع معنی حرام ہے۔ حمیۃ الندم میں اضافت
بیانیہ ہے۔ آنکھ کا محارم سے امتلاء، کثرتِ منہا ہی کے ارتکاب اور شہوات اور کھیل کود کے
سامان کے ساتھ التذاذ سے کنایہ ہے۔

معنوی تشریح: اگر تیرا معنوی معدہ فاسد اور ردی اشیاء سے پُر ہو گیا ہے تو

تم امور منہیہ کے ارتکاب کے سبب ندامت کے ساتھ اپنی حسی آنکھ کے مدخل (معدہ) کو خالی کرو۔ پھر پرہیز کو لازم رکھو جو کہ ندامت ہے، کیونکہ توبہ کرنے میں یہی اصل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں اسی پر دار و مدار ہے۔ اسی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ندامت توبہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: حج عرفہ ہے۔ اگرچہ ان دونوں (توبہ، حج) کے اور ارکان بھی ہیں۔ اور یہ دونوں ندامت، عرفہ، ہر ایک (توبہ اور حج) کی حقیقت میں معتبر ہیں، کیونکہ ندامت جب آجاتی ہے تو توبہ کے باقی ارکان عموماً لازم ہو جاتے ہیں جیسے معصیت کا ختم ہو جانا، دوبارہ معصیت کی طرف عدم رجوع کا عزم کرنا، اور جو ان ارکان کے تابع ہوتے ہیں وہ بھی لازم ہوتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کے حقوق اور حقوق العباد کا ادا کرنا۔

اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مسلسل آنسوؤں کا بہنا گناہوں کو گراتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے۔ شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: فلیضحکوا قليلاً والیسا کو کشیراً۔ ترجمہ: پس چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول فیہما عینان تجویان کے متعلق کہا گیا ہے جس کی آنکھوں میں آج آنسو ہیں وہ بہیں گے۔ ارباب حال میں سے کسی نے کیا خوب کہا ہے

کیف تری لیلی بعین تری بھا

سواھا وما طہرتھا بالمداح

اور کسی اور نے کہا ہے

طہر العین بالمداح سبعا

من شہود السوی نزل کل علة

پھر شاعر نے مراتب مشاہدہ کی طرف پہنچانے والے مقام مجاہدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ۷

(۲۲) وَخَالَفَ النَّفْسَ وَالشَّيْطَانَ وَاعْصَمَا
وَإِنْ هُمَا مَحْضَاكَ النَّصِيحَ فَأَتِيهِم

برخلافِ نفس و شیطان باش فرمانش میر
ور نصیحت میکنندت قولِ شاںِ داں مستہم !

نفس و شیطان کا مخالف بن نہان ان کا کہا
ان کی اچھی بھی نصیحت جھوٹ سے کیا کچھ ہے کم

ترجمہ: (اے سالک!) تو نفس اور شیطان کی مخالفت کر۔ اور ان دونوں کی نافرمانی کر۔ اگر وہ تمہیں مخلصانہ نصیحت بھی کریں تو پھر بھی ان کو مستہم کر۔

معنوی تشریح

(اے سالک!) تحقیق تو نفس کی دافستگی اپنی خواہش پوری کرنے میں اور اس کی حرص اور مبالغہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں، پہچان چکا ہے۔ نفس کا ایک مددگار بھی ہے جو اس کے اپنے ارادے حاصل کرنے پر براہِ انگیزہ کرتا ہے۔ اور اس کے مقصودات کو اس کے لیے مزین کرتا ہے۔ وہ شیطان ہے جس کو توبہ نہ کرنے والے پر غلبہ حاصل ہے۔ پس یہ دونوں تمہیں جن باتوں کا حکم دیں یا جن سے منع کریں۔ تمہارے دشمن ہیں۔ تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو کہ تمہارے پہلو کے درمیان ہے۔ داخلی چوڑا ایک لاعلاج بیماری ہے

جس سے بچنا کسی صورت میں ممکن نہیں ہے، کیونکہ یہ دشمن محبوب ہے اور محبوب کا عیب مستور و محبوب ہوتا ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ کسی شئی کی محبت تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔ اور شعر ہے ۔

وعین الرضا عن كل عيب كلیلة

کہا ان عین السخط تبدی المساویا

رضا کی آنکھ ہر عیب سے تھکی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ناراضگی کی آنکھ برائیوں کو ظاہر کرتی ہے۔

چونکہ وہ حصول امید کے مقام تک پہنچنے کے لیے سواری ہے۔ اس لیے تیرے لیے قوت اور سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اس کی موافقت ممکن ہے (بصورت موافقت) وہ تمہیں ہلاک کر دے گا۔ اس کا موٹا پاتھیں کھالے گا۔ اور اس کی بھوک تمہیں رسوا کر دے گی۔ پس تم پر اعتدال لازم ہے تاکہ وہ (اعتدال) تمہیں وصال کی منزل تک پہنچائے۔ البتہ شیطان تو تمہارا ایسا دشمن ہے جس کے ساتھ کسی قسم کی صلح نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ تیری عداوت پر فطری طور پر پیدا کیا گیا ہے اور تیری گمراہی (تجھے گمراہ کرنے) کے درپے ہے پس اس سے محفوظ رہنے کے لیے آستینیں چڑھالے اور مخالفت کرنے میں کوشش کر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے پس اس کو دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو اپنے گروہ کو صرف اس لیے بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخی ہو جائیں بعض نے کہا ہے کہ شیطان کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگ، کیونکہ وہ اس کے ہٹانے اور دور کرنے پر قادر ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس کے ساتھ جنگ و جہاد کر۔ امام غزالیؒ نے فرمایا: ان دونوں چیزوں کو جمع کرو۔ پس اگر تم استعاذات اللہ تعالیٰ

کی پناہ مانگنے، کے ذریعہ کامیاب ہو جاؤ تو بہتر۔ اور اگر تم پر غالب آجاتے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد سے جہاد کرو۔

مقصد یہ کہ تو ان دونوں (نفس اور شیطان) کی مخالفت کر جب کہ وہ کسی بات کا حکم کریں، اور ان کی نافرمانی کر جب کہ یہ تمہیں کسی بات سے روکیں۔ اگر یہ دونوں بظاہر تمہیں پر خلوص نصیحت کریں تو ان کو عذر و خیانت، اور مکر و حیلہ کی طرف منسوب کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے شک نفس برائی کو طرف بہت زیادہ حکم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور غلط باتوں کا حکم دیتا ہے۔ میں یہاں پر دو لطیف حکایتیں سناتا ہوں۔ ان میں سے ایک مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ثنوی معنوی میں ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ ایک دفعہ صبح کے وقت سوتے ہوئے تھے، تو شیطان آیا اور حی علی الفلاح کہنے لگا۔ حضرت معاویہؓ نے اس طرح ظاہر ہو کر حکم کرنے میں اس کے مکر اور دھوکے کو بھانپ لیا۔ فرمایا: تم تو صرف گناہ کا ہی حکم دیتے ہو تو تم نے مجھے طاعت کا حکم کیسے دے دیا۔ اس نے بہت تعلیماں کیں لیکن آپ نے کوئی توجہ نہ دی اور عاقل کو ان تعلیموں کے ساتھ دھوکہ دینا بھی ناممکن ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا: تمہیں اس بات کا سبب ضرور ظاہر کرنا ہوگا۔ یہ بڑی اچنبھے کی بات ہے شیطان بولا: ہاں۔ ایک روز آپ نیند کے غلبہ کی وجہ سے صبح کی نماز حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ادا نہ کر سکے۔ آپ اس کے فوت ہونے پر بڑے نادم ہوئے۔ اور اس کی ادائیگی میں حسرت ظاہر کی، تو جس قدر آپ نے طاعات کی تمہیں اس سے کئی گنا آپ کے لیے ثواب عطا کیا گیا۔ اس لیے مجھے اندیشہ ہوا کہ دوبارہ آپ نماز سے رہ گئے تو دوبارہ آپ کو زیادہ ثواب حاصل ہوگا۔

دوسری حکایت کو امام غزالی نے منہاج العابدین میں ذکر کیا ہے، ہمیں ایک نیک آدمی کی خبر پہنچی جس کو احمد بن ارقم ملحق کہا جاتا ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے نفس نے جنگ کی طرف نکلنے کے لیے جھگڑا کیا۔ میں بڑا حیران ہوا اور سبحان اللہ! پڑھی کہ اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے کہ نفس برائی کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ نفس مجھے نیکی کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ (ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ دراصل یہ نفس تنہائی سے گھبرا گیا ہے اور لوگوں سے ملاقات کا خواہشمند ہے۔

تاکہ ان سے راحت حاصل کرے۔ لوگ اس کے بارے میں سنیں تو تعظیم و تکریم کے ساتھ اس کا استقبال کریں۔ میں نے (نفس سے) کہا۔ میں نہ تو تمھیں آبادی میں آماروں گا۔ اور نہ ہی کسی جان پہچان والے کے پاس آماروں گا۔ تو اس نے میری بات کو قبول کر لیا۔ میں نے اس کے ساتھ بدگمانی کی اور کہا اللہ تعالیٰ زیادہ سچا ہے۔ میں نے اسے کہا: میں غیر مسلح ہو کر دشمن کے ساتھ جنگ کروں گا اور سب سے پہلا قاتل بنوں گا، تو پھر بھی اس نے میری تمام بات کو قبول کر لیا۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی، اے میرے رب! مجھے (اس نفس کے بارے میں) آگاہ کرو۔ میں تیری تصدیق کرنے والا ہوں اور اس کی تکذیب۔ مجھے مکاشفہ ہوا گویا کہ وہ (نفس) کہہ رہا ہے۔ اے احمد! تم میری خواہشات سے باز رکھنے کے لیے ہر روز مجھے قتل کرتے ہو۔ اور کوئی بھی اس کو محسوس نہیں کرتا۔ (لیکن) اگر تم جنگ کرتے تو ایک ہی مرتبہ قتل ہو جاتے۔ میں بھی تمھارے ساتھ نجات پا جاتا۔ لوگ ایک دوسرے کو سنا تے اور کہتے کہ احمد شہید ہو گیا، تو میرا چرچا اور وقار ہوتا۔ (احمد بن ارقم نے) کہا۔ پھر میں بیٹھ گیا اور اس سال جہاد کی طرف نہ نکلا۔

نفس کے دھوکے اور مکر کی طرف غور کرو تمہیں معلوم ہوگا کہ نفس موت کے بعد بھی کام کرنے سے باز نہیں آتا۔ کسی نے بہت خوب کہا: اپنے نفس سے محتاط رہو اس کی سرکشی سے مامون نہ رہو۔ نفس کا شر شر شیطانوں سے زیادہ ہے۔

شاعر نے پھر سابقہ بات کی تاکید کی اور فرمایا:

(۲۵) وَلَا تُطِيعْ مِنْهُمَا خَصَمًا وَلَا حَكَمًا
فَأَنْتَ تَعْرِفُ كَيْدَ الْخَصِمِ وَالْحَكَمِ

ترک کن فرماں ایشاں خصم یا شد یا حکم
زاں کہ مہی دانی تو مکر خصم و ہم مکر حکم

تو نہ کر ان کی اطاعت ہوں یہ حاکم یا عدو
جانتا ہے خوب تو مکر عدو مکر حکم!

ترجمہ: بصورت حکم یا خصم ان دونوں (نفس اور شیطان) کی اطاعت نہ کر
کیونکہ تم خصم اور حکم کے مکر کو جانتے ہو۔

لفظی تشریح

منہما مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے۔ اور تثنیہ کی ضمیر نفس اور شیطان کی طرف راجع ہے۔ فاء علت بیان کرنے کے لیے ہے۔ ایک شعر میں بجائے فار کے داو ہے۔ بعض علماء کے قول کے مطابق الف لام عہد خارجی کے لیے ہے، لیکن اظہر یہ ہے کہ یہاں الف لام تنجیس کے لیے ہے۔ الخصم وہ ہے جو اپنے آپ کو

ان دونوں کی طرف سے ہونا ظاہر کرے۔

الحکم وہ ہے جو یہ بات پوشیدہ رکھے۔ اور ہلاکتوں میں گمانے کے لیے وہ دھوکا دیتا رہے۔

معنوی تشریح

جس بات کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ شیطان اور نفس کی طرف سے ہے جیسے ظاہری بدعتی لوگ یا چھپے ہوئے فاسق لوگ ہیں، تو ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کر۔ کیونکہ (حکمِ ختم میں سے) ہر ایک کی بات میں مکر اور تلبیس ہے اور ہر کام میں دھوکا اور تدلیس ہے۔ دشمن کے ساتھ محبت کرنے والا دشمن ہے اور دوست کو ناراض کرنے والا ابلیس ہے۔

تم میرے دشمن کے ساتھ پیار کرتے ہو پھر خیال کرتے ہو کہ میں تمہارا دوست ہوں یہ بات ناممکن ہے۔

شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: لَا تَطْعَمْنَهُمْ آثِمًا اَوْ كَفُورًا۔

یانبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔ (خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ جب عاقل صادق، ناصح فاسق کو دیکھے کہ وہ مناہی کے ساتھ متلون ہے اور لہو و لعب کے ساتھ مشتتبہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور توبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَنَا مُرَوِّنُ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنَسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَكُونُونَ الْكِتَابَ

أَفَلَا تَعْقِلُونَ (کیا تم لوگوں کو حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔
حالانکہ کتاب (قرآن) بھی پڑھتے ہو کیا تمہیں سمجھ نہیں آتی)

نیز فرمایا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ۔ کبر مقتا عند
اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون (اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات
کرتے ہو جو تم خود نہیں کرتے ہو بطور غصہ دلانے کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب
سے بڑی بات یہ ہے کہ تم ایسی بات کہو جو تم خود نہیں کرتے۔)

نیکی پر عمل نہ کرنے والے کا، نیکی کا حکم دینا، اگرچہ اچھی بات ہے لیکن ظاہری
کے مطابق گناہ ہے۔

(۳۶) اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ قَوْلٍ بِلَا عَمَلٍ
لَّقَدْ نَسَبْتُ بِهِ نَسْلًا لِّذِي عَقَمِ

میں کہتا ہوں اللہ سے استغفار کہ میں نے کلام بے عمل
بجھ مینخواہم ازاں زن گو بود صاحب عقم

مجھ کو قول بے عمل سے توبہ کرنی چاہیے
گویا بانجھ عورت سے امید نسل رکھتے ہیں ہم

ترجمہ: میں ایسی بات سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں جس پر عمل نہ ہو۔
اس طرح سے میں نے بانجھ کے ساتھ اپنا نسب ملایا۔

لفظی تشریح

النسل اولاد، العقم بوزن فَرَسٌ وُعْتُقٌ۔ اولاد کا نہ ہونا۔ بانچہ پن۔ شاعر کا خیال ہے کہ جس طرح بے اولاد شخص کی طرف بچے کو منسوب کرنا جھوٹ اور تہمت ہے۔ اسی طرح قول و عمل کی نسبت ایسے آدمی کی طرف کرنا جو ان کے اہل نہ ہو، بھی سراسر جھوٹ ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ حکم کنندہ کا حال ظاہری یہ ہے کہ وہ خود اس کو ماننے والا ہے۔ گویا کہ اس نے اپنی ذات کی طرف یہ منسوب کیا کہ وہ اس عمل سے متاثر ہے اور گویا کہ یہ حالت طریقہ کے مطابق اس کے لیے ثابت ہے۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ اس کے افعال، اقوال کے مخالف ہیں۔ تو اس نے جس بات کا دعویٰ کیا ہے اس میں جھوٹا ہوگا۔ پھر شاعر نے بیان کیا کہ بغیر عمل کے بات کہنا اور دوسرے کو حکم دینا اسی کی نشان دہی کرتا ہے۔ اور فرمایا،

أَمْرُكَ الْخَيْرُ لَكِنْ مَا انْتَمَرْتُ بِهِ
وَمَا اسْتَقَمْتُ فَمَا قَوْلِي لَكَ اسْتَقِم

(۲۷)

امرِ مردم من بہ خیرت خود نہ کردم ہیچ خیر
راستی درویدم نہ کردم پس چہ سود از گفتنم

کی نصیحت دوسروں کو اور میں خود بے عمل
بہ نصیحت کا اثر کیا بے عمل جب خود میں ہم

ترجمہ: میں نے تمہیں نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس پر عمل نہیں کیا۔ نہ ہی میں

خود سیدھے راستے پر ہوں تو تجھے میرا یہ کہنے کا کیا فائدہ کہ سیدھا راستہ اختیار کر۔

لفظی تشریح

پہلی دونوں جگہوں میں ما نافیہ ہے اور تیسری جگہ ما استفہامیہ ہے الخیاء
حرف جر نہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اکثر شارحین اسی بات کے قائل ہیں۔
اسی پر امام بیضاوی کا قول دلالت کرتا ہے: وامرئ ان اکون من المومنین
(مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنین سے ہوں)۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں یہاں پر اُن سے
حرف جار حذف کیا گیا ہے اور جائز ہے کہ یہ حذف اُن کے ساتھ عام ہو۔ اور یہ بھی
جائز ہے کہ یہ حذف اس کے علاوہ جائز ہو۔ جیسے تم کہو: امرتک الخیاء فعل
ما امرت به۔ (میں نے آپ کو نیکی کا حکم دیا۔ پس جو میں نے حکم دیا ہے، وہ کرو)۔
محل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امر فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے کبھی تو
براہ راست اور کبھی باء کے ساتھ۔ اس شعر میں دونوں استعمال موجود ہیں۔ غالباً انھوں
نے ظاہری استعمال کی طرف دیکھا ہے حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ممکن ہے
کہ کبھی تو باء کے ساتھ استعمال ہوتا ہو اور کبھی بغیر باء کے۔

معنوی تشریح

امر سے مراد امر اور نہی دونوں ہیں اور خیر سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا انجام اچھا ہو مستقل استقامت سے
مراد طاعت اور بندگی پر قائم رہنا۔ احکام کی تعمیل اور برائیوں سے اجتناب کرنا ہے۔
شاعر کہتا ہے کہ میرے اس قول کی کوئی حقیقت نہیں ہے جب کہ وہ محض صورت
ہی ہو۔ ایسی صورت میں کوئی اثر انگیزی اور بڑا نفع نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے کہا گیا
ہے، پہلے اپنے نفس کو نصیحت کرو اور وہ نصیحت قبول کرے تو پھر لوگوں کو نصیحت

کرو ورنہ حیا کرو کہا جائے گا کہ وہ ایسا طبیب ہے جو لوگوں کا علاج کرتا ہے حالانکہ وہ خود مریض ہے۔

(۲۸) وَلَا تَزَوَّدْتُ قَبْلَ الْمَوْتِ نَافِلَةً
وَلَمْ أَصِلْ سِوَى فَرَضٍ وَلَمْ أَصُم

تو شہر گزرنے کو دم بہر زادِ آخرت
وز نماز و روزہ جسے فرضے نیامد درم

زادِ راہِ آخرت اک نفل کا بھی تو نہیں
جز نماز فرض و روزہ کچھ نہیں رکھتے ہیں ہم

ترجمہ: موت سے قبل نہ تو میں نے نوافل کا زادِ راہ بنایا اور نہ ہی سوائے
فرضوں کے میں نے کوئی نماز پڑھی اور روزہ رکھا۔

لفظی تشریح

التزود طلبِ زاد اور اس کا آخری مرتبہ یہ ہے۔ مراد کی طرف توجہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا: وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ۔ (اپنے لیے زادِ راہ بناؤ بیشک
بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے)۔ اس میں اشارہ ہے کہ دنیا پل کی مانند ہے۔ لوگ اس پر سے
گزرنے والے ہیں اور اکثر بغیر وعظ و نصیحت ہیں۔ لہذا سالک مرید کے لیے مراد
سمک پہنچنے کے واسطے زادِ راہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ التنافلة لغت میں مطلق
زیادتی کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں وہ طاعات مراد ہیں جو فرائض اور سنن منکدہ پر

زائد ہوں، تو جس طرح سفر خرچ دنیاوی سفر میں قرب مقصد کی طرف وسیلہ ہے۔
 ایسے ہی نفلی عبادات سیر معنوی میں مقصد اصلی کے ساتھ محبت کرنے کا ذریعہ ہیں۔
 حدیث شریف ہے کہ بندہ نوافل کے سبب میرے قریب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس
 کے ساتھ محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس کے ساتھ محبت کرتا ہوں تو میں اس
 کی قوت سماعت اور قوت بصارت بن جاتا ہوں۔

معنوی تشریح

میں نے موت سے قبل نوافل میں سے کسی شئی کو اپنا زادِ راہ نہیں بنایا۔ اور نہ میں
 مراتب کمال تک پہنچنے کے لیے فوت ہونے سے قبل تیار ہوا۔ اپنی کم ہمتی کے
 موجب فرض نماز، روزے پر اقتصار کیا۔ اور جیسا کہ عبودیت ادا کرنے کا حق تھا وہ
 راتوں کو جاگ کر کثرتِ نوافل سے ادا نہ کر سکا۔

یہاں سے علامہ بوسیری تشبیب سے مدح حبیب کی طرف منتقل ہوئے اور
 وصل لطیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بغیر وصل عطف کے فرمایا،

ظَلَمْتُ سُنَّةَ مَنْ أَحْيَى الظُّلُمَ إِلَى
 أَنْ أَشْتُكَ قَدْ مَآءُ الضُّمْرِ مِنْ وَرَمِ
 مَنْ سَتَمَ كَرْدَمِ بَسْ بِرِ سُنَّتِ خَيْرِ الرِّسَالِ
 أَنْ كَرِ اَزْ اَحْيَا اَنْ شَبْ هَا اَنْ پَا اَنْ كَرِ رَمِ
 سُنَّتِ بِيْدَارِ شَبْ بِرِ كِيَا مِيْنِ نَسْتَمِ
 طَاعَتِ شَبْ كِي سَبَبِ تَحَا جَنْ كِي قَدَمِوْنِ بِرِ رَمِ

(۲۹)

ترجمہ: میں نے اس کی سنت کو ترک کیا جس نے راتوں کو زندہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کے قدم مبارک سو جن کے سبب تکلیف کی شکایت کرتے۔

لفظی تشریح

الظلم کسی شئی کو غیر محل میں رکھنا، اس سے مراد ہے کہ میں نے ترک کا قصد کیا۔ السنۃ پسندیدہ طریقہ۔ والظلام اس سے مراد رات ہے۔ بطریق لازم ذکر کر کے طزوم مراد لینا۔ الاحیاء کسی عبادت میں مشغول ہونے کی وجہ سے نیند کو ترک کرنا، کیونکہ نیند موت کی بہن ہے اور بیداری زندگی کی مانند ہے۔ ایقاظ اور احیاء برابر ہیں۔ نفس کو نیند سے بیدار رکھنا اسے زندہ کرنے کے مترادف ہے۔ حدیث شریف میں ہے: الحمد لله الذی احیانا بعد ما اماتنا (حمد ہے اس ذات باری تعالیٰ کی جس نے ہمیں موت کے بعد زندہ کیا)

قدین شریفین کی شکایت سے مراد ان کا عوارض بشریہ اور امور حسیہ کے سبب پیدا ہونے والے درد پر دلالت کرنا ہے۔ البتہ روح تو راحت معنویہ سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ اور وہ انسانی قدسی مقامات اور حالات سے مطمئن ہے۔ ظاہری اعضا کی نسبت باطنی احوال کا اعتبار ہے۔ اسی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غنی تو نگر می، کثرت مال سے نہیں بلکہ تو نگر می تو نفس کی تو نگر می ہے۔

الضوء: فتح اور ضمہ دونوں کے ساتھ۔ ینصوب بجذوف حرف جار ہے یعنی وہ تکلیف جو درم کے سبب سے ہوتی ہے۔

معنوی تشریح: میں نے ان کی سنت کو ترک کیا جنہوں نے اللہ کے ذکر،

اس کی مناجات اور مختلف قسم کی طاعات میں اس قدر راتوں کو زندہ کیا کہ ان کے قدیم شریفین پر درم ہو گیا، لیکن اپنے مولیٰ کی عبادت کو ترک نہیں کیا۔ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ آپ اس قدر اہتمام کرتے ہیں حالانکہ میں نے آپ کو ہر طرح سے بخش دیا ہے تو آپ ﷺ نے کہا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اس کو مسلم بخاری نے روایت کیا ہے۔

جب حضور ﷺ رحمۃ اللہ علیہ وآلہ وسلم رفعت کمال و علو مقام کے باوجود اس طور پر قیام فرماتے اور نماز پڑھتے جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے تو باقی مخلوق کو کیسے سزاوار ہو سکتا ہے کہ وہ چوپائوں کی مانند لمبی تان کر سوئے رہیں۔ کہا گیا ہے کہ عابد کے لیے اطاعت کرنے پر دو اجر ہیں پہلا اجر نیند اور آرام ترک کرنے کی وجہ سے اور دوسرا عبادت کے تحمل کی وجہ سے! اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اجر بہ مقدار مشقت حاصل ہوتا ہے۔

جب علامہ حضور ﷺ رحمۃ اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا ذکر کر چکے جو کہ عقبیٰ میں درجاتِ علیہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے تو حضور کی دنیا سے بے نیازی کے مقام اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تکالیف کے اختیار کرنے کی طرف اشارہ فرمایا

اور کہا ہے

(۳۰)

وَشَدَّ مِنْ سَغَبٍ أَحْشَاءَهُ وَطَوَى
تَحْتَ الْحِجَارَةِ كَشَحَامَتْرِفِ الْأَدَمِ

سنگ بستے بر شکم آں نازنین از شکنجی
صرف کردے در رہ حق جملہ دینار و درم

بھوک کی شدت کے باعث اور فاقوں کے سبب
 آپ نے پتھر سے باندھا ناز پروردہ شکم
 ترجمہ : اور جس نے بھوک کے باعث اپنے پیٹ کو باندھ دیا اور نازک جلد
 (مبارک) والی کمر پر پتھر لپیٹ دیئے۔

لفظی تشریح

شد کا احیا پر عطف ہے۔ من سببہ ہے۔ سَغَب بھوک۔ الحشا
 دل۔ اور جس کو پیٹ محیط ہو۔ حشا البطن آنتیں۔ طوی لپیٹا۔ کشح کمر۔ یہ طوی مفعول
 ہے۔ المتوف اسم مفعول ہے۔ نازک۔ الادمہ ادمتہ کی جمع ہے۔ جلد۔

معنوی تشریح

میں نے اس کا طریقہ چھوڑا جنہوں نے بھوک کے ساتھ اس قدر ریاضت کی کہ آپ
 کو اپنے اعضا میں سے پیٹ اور لپلیوں کے باندھنے کی حاجت ہوئی۔ اور آپ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے اپنی نرم و نازک کمر پر پتھر باندھا تاکہ آنتوں کے ہلکے پن پر پتھر کی ثقالت سے
 استعانت کریں اور پتھر کی برودت سے اعضا کی اندرونی حرارت سے آرام حاصل کریں
 باوجود اس کے کہ آپ سید الانبیاء و سید الاولیاء ہیں۔ آقا نے اپنے لیے غنی پر فقر
 کو ترجیح دی اور عقیقی کے راستہ پر چلنے کے لیے یہی اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،
 ان الانسان لیطغی ان رآہ استغنی۔

البتہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول مبارک (کاد الفقر ان یکون کفراً) اپنی
 قدرت کے باوجود آپ کے کمال مشقت اور اپنی مراد پر کسی کا زیر بار نہ ہونے کی طرف
 اشارہ ہے۔ اسی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب لوگوں

کی نسبت انبیاء کی آزمائش سخت ہوتی ہے۔ پھر ان سے کم صوفیا کی۔

بھوک کے سبب پیٹ پر پتھر باندھنے کا واقعہ خندق کھودنے کے وقت ہوا۔ اس روایت کو بخاری نے حضرت جابر اور مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ فرمایا: میں ایک روز حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ صحابہ کرام کے پاس بیٹھے باتیں کرتے ہوئے پایا۔ اور حضور نے اپنے پیٹ مبارک پر پٹی باندھی ہوئی تھی صحابہ کرام نے کہا یہ بھوک کے سبب ہے۔ اس کو محلی نے نقل کیا ہے۔

چونکہ پہلے شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور عبادت کی طرف اشارہ تھا۔ اور اس شعر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ریاضت اور روزے کی طرف اشارہ ہے۔ اس وجہ سے عوام میں سے ممکن ہے کہ کوئی سر پھرایہ وہم کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ریاضت اضطراری (بببب مجبوری کے) تھی اور خواص کے نزدیک اختیاری ریاضت معتبر ہوتی ہے۔ تو اس وہم کو دور کیا اور کہا ہے

③ رَاوَدَتْهُ الْجِبَالُ الشُّمُّ مِنْ ذَهَبٍ
عَنْ نَفْسِهِ فَأَرَاهَا أَيُّهَا شَمْسُ

کوہ از زر کرد خود را عرض تا گرد و ستبول
روے گردانید ازاں زر مصطفیٰ خیر ایشم

زر کے بن کر جب پہاڑ آئے کہ مائل ہوں حضور
کچھ توجہ تک نہ کی تھے آپ وہ عالی شم

ترجمہ: سونے کے بڑے بڑے پہاڑوں نے اپنے آپ کو پیش کیا، تو حضور نے ان کو دکھایا کہ کتنے بلند ہیں۔ (بنظر حقارت ٹھکرا دیا۔)

لفظی تشریح

المراوۃ۔ پیش کش کرنا۔ باب مفاعلہ جب مغالبہ کے لیے نہ ہو تو مقابلہ کے لیے ہوتا ہے۔ الشم۔ یہ اشم اور شمم کی جمع ہے۔ ارتفاع اور بلندی کو کہتے ہیں۔ یہ ذهب (سونے) کی صفت یا اس سے حال واقع ہو رہا ہے۔ ایسا شمم (بہت زیادہ بلندی۔ اراھا کا مفعول ثانی ہے۔ اصل میں امی ماتھا۔ ما اس میں برائے تاکید زیادہ ہے۔ امی۔ شمم کی طرف مضاف ہے۔ یہ (شمم) مصدر بمعنی وصف ہے یعنی بلندی انتہا کی تھی جیسے کہا جاتا ہے۔ صورت برجل امی رجل (میں ایک مرد کے پاس سے گزرا جو مرد تھا۔ یعنی مردانگی میں کامل تھا۔ پھر مقام کی مناسبت سے مضاف اور مضاف الیہ وصف کے معنوں میں استعمال کئے گئے۔

معنوی تشریح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اعراض فرما کر مولیٰ (اللہ تعالیٰ) کی طرف توجہ فرمائی۔ فقر کی تکالیف کو دولت پر ترجیح دی۔ یہاں تک کہ دنیا روں کے بلند سر و قد پہاڑوں نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مختلف اقسام کی زینت کے ساتھ بھی آراستہ ہوتے بحضور کی طرف حد درجہ کامیلان کیا کہ شائد حضور ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں گے جس سے حضور کی توجہ کے باعث ان کی شان بلند ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ما زاغ البصر وما طغی (نہ تو حضور کی نگاہ تھکی اور نہ ہی نافرمانی کی)۔ جلوۂ حق میں حضور اس قدر

منہم تھے کہ دنیاوی مال و منال کی طرف آنکھ کا اٹھنا تو کجا اس کا خیال بھی دل میں پیدا نہ ہوا اور جمال جہاں آفرین کے دیدار میں محویت کا یہ عالم ہے کہ پلک بھی نہیں چپکتی۔ مترجم) یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے بعد اس کے حکم کے مطابق ہوئی ہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا تَمْدَنَّ عَيْنُكَ إِلَى مَا مَتَعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ
زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ
وَابْقَى۔

(یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی توجہ ادھر نہ دیں جن کو ہم نے دنیاوی زندگی کی رونق سے متمتع کیا ہے۔ (دنیاوی آسائش) ان کے لیے آزمائش ہے۔ اور تمہارے رب کا دیا ہوا رزق بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی۔)

اس شعر میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ سے پوچھتا ہے کہ آیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ میں آپ کے لیے ان پہاڑوں کو سونا بنا دوں اور جہاں آپ جائیں وہ آپ کے ساتھ ساتھ چلے جائیں۔ حضورؐ نے تھوڑی دیر سر کو جھکایا اور فرمایا: اے جبرائیل! یہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو۔ اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو۔ اس کو وہ اکٹھا کرتا ہے جو عقل سے محروم ہو۔ حضرت جبرائیل نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو اسی نچتے بات پر ثابت قدم رکھے۔ حضرت جلال الدین محلی نے فرمایا ہے کہ اس کو شفاء اور اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

اسی روایت کے ضمن میں شاکر (شکر کرنے والا) غنی پر صابر فقیر کی فضیلت کی

شافی دلیل اور کافی بیان موجود ہے۔ عالی مرتبت سردار (ائمہ کرام) اور صوفیاء کے باصفا گروہ کا اس پر اجماع ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے اسرار سے نفع دے اور ان کے نقوش کا تابع بنائے۔

نیز شاعر نے ارباب کمال میں سے کسی کے اس قول کی طرف اشارہ کیا: ہمة الرجال تلهيهم الجبال مردوں کی ہمت پہاڑوں کو گرا دیتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف تلمیح بھی ہے۔ وراثة التي هو في بيتها عن نفسه۔

اس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادتِ فضیلت کی طرف عمدہ اشارہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا حضور کو پیش کر دی، کیونکہ سونا چاندی تمام لذات و شہوات کو حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی محاسبہ کے بطور اباحت پیش کیں، تو آپ نے رنج پھیر لیا۔ اور انتہائی ضرورت اور اس سبب سے عبادات مالیہ کے حصول کے باوجود اس کو قبول نہ کیا۔

حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کو ایک خاتون نے اپنا نفس علی وجہ الحرمت پیش کیا تو آپ کو بے چینی اور جو صلی کا سامنا کرنا پڑا کتنی عظیم ہمت ہے، کیسی بڑی نعمت اور عمدہ پاکدامنی

ہے۔ (۳۲) **وَكَذَّتْ زُهْدَةً فِيهَا ضُرُورَةٌ**

إِنَّ الضُّرُورَةَ لَا تَعْدُو عَلَى الْعَصَمِ

با ضرورت ہا کہ بودش میل بر دنیا نہ کرد
از ضرورت خستہ نہ بود آنکہ دور است از حرم

ایسی حاجت پر بھی تقویٰ کو کیا مضبوط تر
 یہ سچ ہے حاجت غالب آسکتی نہیں جب عہد عصم
 ترجمہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت نے آپ دنیا سے زہد کو
 ثابت کر دیا کہ ضرورت آپ کی عصمت پر غالب نہیں آسکتی۔

لفظی تشریح

الزهد نفس کا دنیا سے بے رغبتی کرنا اور خواہش سے منہ پھیرنا۔ الضورة، شدت
 حاجت اور یہی اضطرار ہے جو کہ اختیار کی ضد ہے۔ عدا، یعدو۔ غالب آنا اور زبردستی
 قابض ہونا۔ العصم، عصمت کی جمع ہے۔ وہ ایک ایسی روکنے والی قوت ہے جس کو اللہ تعالیٰ
 نے اپنے خاص بندوں میں ودیعت فرمایا ہے۔ یہ قوت ان کو منہیات سے تعریض اور مامورات
 سے اعراض کرنے سے روکتی ہے۔

معنوی تشریح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری فقر اور آپ کی موقوف حاجت نے آپ کے
 زہد، دین کی طرف رغبت اور ہوا میں چلنے والے سونے کے پہاڑوں کی طرف عدم توجہ کو
 ثابت کر دیا ہے۔ کہا کہ یہ امر خارق عادت ہے۔ اس کو کوئی اختیار نہیں کر سکتا سوائے اس کے
 کے جو عبادت کی حلاوت سے لطف اندوز ہوا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ انبیاء کے حق میں
 ترک کر دینا اور توجہ الی المولی اللہ تعالیٰ کی عصمت کے بغیر نہیں ہوتا۔ اور اولیاء علماء کے حق
 میں اس کی حفاظت کے بغیر ترک کر دینا اور توجہ الی المولی ناممکن ہے۔

پس جب فطری عصمت ان کو حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے ان
 کی بلند ہمت غالب ہوتی ہے تو ضرورت غالبہ ان کے قولے قلبیہ پر غالب نہیں ہو سکتی ہے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے قدسی ذوق میں سے عطا کرے اور ان کے انسانی تحفوں سے ہمیں نفع دے۔

(۳۲) وَكَيْفَ تَدْعُو إِلَى الدُّنْيَا ضَرُورَةً مِّنْ
لَّوْلَاهُ لَمْ تَخْرُجِ الدُّنْيَا مِنَ الْعَدَمِ
چوں تو اند خواند بر ذنیبا ضرورت زان کہ گر
ماندے دنیا گے بیرون گنشتے از عدم
کیا کرے مائل ضرورت ان کو دنیا کی طرف
گر نہ ہوتے آپ تو دنیا بھی ہوتی کا عدم

ترجمہ: اس ذات کو ضرورت دنیا کی طرف کیسے بلا سکتی ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو
دنیا عدم بننے نکالی جاتی۔ (وجود میں نہ آتی۔)

لفظی تشریح

محلی نے فرمایا ہے کہ تخرج فعل مجہول ہو کر استعمال ہو رہا ہے۔ اس میں ایک لطیف
نکتہ ہے جو کہ (عارفین سے) مخفی نہیں ہے۔ الدنیا ادنیٰ (اسم تفصیل) کی مونث ہے۔
بمعنی آخرت کی نسبت ہمارے زیادہ قریب بعض نے کہا ہے کہ دنات سے مشتق ہے
جس کا معنی کینگی ہے۔ اس لفظ کو مقام تعجب سے نہایت مناسبت ہے۔ دنیا دراصل
دار یا الحیوۃ کی صفت ہے۔ اور کبھی لفظ دنیا مال و جاہ کی اعراض کا سد و اغراض
و اسدہ کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ اور ان کے تابع مال کے سبب وبال کا باعث بننے
والی صورتوں پر بھی دنیا کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی اعتبار سے دنیا مذموم و کمینی ہے البتہ تعجب

اللہ تعالیٰ کی رضا میں صرف ہو تو پھر مستحسن اور پسندیدہ بھی ہوتی ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے نیک مال نیک آدمی کے لیے ہی اچھا ہے، لیکن اس کے باوجود اکابر کا ملین کے نزدیک دنیا کا ترک کرنا ہی بہتر ہے۔ اسی سبب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے طالب دنیا! (تو دنیا کو طلب کرتا ہے) تاکہ تو نیک ہو جائے۔ تیرا دنیا کو ترک کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ایک آدمی کی گود میں درہم ہوں، وہ ان کو خرچ کرتا ہو اور دوسرا (شہنا) اللہ کو یاد کرتا ہو، تو اللہ کو یاد کرنے والا بہتر ہے۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا۔

دنیا اور آخرت علی وجہ الکمال دونوں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ یہ دونوں سوکنیں۔ اور ترازو کے دونوں پلڑوں کی مانند ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنی دنیا کو پسند کیا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت کو پسند کیا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔ پس باقی رہنے والی چیزوں کو فانی ہونے والی چیزوں پر ترجیح دو۔

معنوی تشریح

ضرورت اختیاری و حاجت اضطراری اور فقر اس ذات مقدسہ کو کیسے کہنی دنیا اور اس کے فانی اور ردی مقاصد کے میلان کی طرف بلا سکتے ہیں کہ اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو دنیا عدم سے وجود میں نہ آتی اور نہ ہی کوئی موجود جہاں میں سوائے موجد (اللہ تعالیٰ) کے اپنا وجود پاتا۔

اس شعر سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ دنیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے اور وہ صرف حضور کے لیے اور آپ کے تابعین کے لیے ہی پیدا کی گئی ہے۔ (جب

یہ بات ہے تو وہ کیسے اس دنیا کے تابع ہو سکتے ہیں۔ یا اس کی خواہش میں مغلوب ہو سکتے ہیں بلکہ ان کی عالی ہمت اور گراں قدر خواہش تو یہ ہے کہ باقی رہنے والی نعمتوں کی طرف بھی توجہ نہ کی جائے۔ چہ جائیکہ لذات فانیہ کی طرف میلان ہو۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ دنیا اہل آخرت پر حرام ہے اور آخرت اہل دنیا پر حرام ہے۔ اور یہ دونوں اہل اللہ پر حرام ہیں۔

شعر میں اس حدیث کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی اور آپ نے عرش کے پائیوں پر یہ لکھا دیکھا تھا:

لا اله الا الله محمد رسول الله

تو آپ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ وہ آپ کو حضور کے وسیلہ سے بخش دے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب جب کہ تم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کیا ہے تو میں نے آپ کو بخش دیا ہے۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔ اس کو حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں موجود تمام چیزیں ان کے لیے پیدا فرمائیں۔ اور رات، دن اور چاند، سورج وغیرہ کو ان کے لیے مسخر فرمایا۔ البتہ مشہور حدیث قدسی ^{علیہ} لَوْلَاكَ لَمْ يَخْلُقِ الْاَفْلَاكُ (اے محبوب! اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک تو پیدا نہ کرتا) جو ہے اس کی اصل کوئی نہیں ہے لیکن اس کے معنی صحیح ہیں۔ اور ان میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

شرح: ہا یہ اعتراف ہے کہ ہر چیز درست ہے۔
اصل آیت ظہور ہے **لَوْلَا مَا خَلَقْتُ**
بھالہ طہران، خمد نص تبرک، ابو نعیم

(۳۲)

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكُونَيْنِ وَالْثَّقَلَيْنِ
وَالْفَرِيقَيْنِ مِنْ عَرَبٍ وَمِنْ عَجَمٍ

اے محمد سید کونین فخر النس و جاں
بہتر اہل دو عالم مہتر عرب و عجم !

ہیں محمد سید کونین شاہ جن و انس
اور شہنشاہ دو عالم مالک عرب و عجم

ترجمہ : حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت، جن و انس اور عرب و عجم
دونوں فریقوں کے سردار ہیں۔

لفظی تشریح

لفظ محمد میں کسرہ مروی ہے۔ بسبب صُن کے بدل ہونے کے۔ اور ابتدا
مخدوف کی خبر ہونے کے لحاظ سے رفع بھی مروی ہے۔ ابتدا مخدوف ہو ہے زیادہ
درست یہ ہے کہ لفظ محمد ابتدا ہے اور سید تا آخر اس کی خبر ہے۔ کونین
دنیا اور عقبی۔ یہاں مراد ان کے اہل ہیں۔ یعنی (دنیا اور آخرت والے) یا کونین سے مراد
عالم الغیب اور عالم الشہادۃ ہیں۔ کہا گیا ہے کہ سید الکونین میں اضافت فی کے
ساتھ ہے۔

الثقلین اور الفریقین کا عطف کونین پر تعمیم کے بعد تخصیص کے واسطے ہے
نیز اس بات کا جواب دینے کے لیے جس نے حضور کی رسالت کو جنوں کے علاوہ انسانوں
کے لیے اور عجم کے علاوہ عرب کے لیے ہی خاص کر دیا ہو۔ من پہلا بیان یہ ہے اور

دوسرا ضرورت کی وجہ سے زائد ہے۔ عرب اور عجم میں دو لغات ہیں۔ عَرَب و عَجَم اور عَرَب و عَجَم۔ اس شعر میں نہایت عمدہ اسلوب بیان ہے۔
 محمل اصل میں اسم مفعول برائے مبالغہ ہے۔ پھر یہ لفظ وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہو گیا۔ پس وصفیت کی خوشبو علمیت میں جھلکتی ہے۔
 معنوی تشریح

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے محامد و مناقب بے شمار ہیں اور جن کے شمار خواں بھی کثیر ہیں جب کہ انھوں نے حضور کے مراتب کو پہچانا۔ وہ کونین میں ہر موجود شئی کے سردار اور عالمین میں ہر ظہور پذیر ہونے والی شے سے افضل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دارین کو انہی کے سبب تخلیق فرمایا اور ان کو جنوں، انسانوں اور عرب و عجم میں سے ہر مکلف کے لیے رسول بنا کر بھیجا، بلکہ کہا گیا ہے کہ آپ ملائکہ کے بھی رسول ہیں بعض نے کہا ہے کہ آپ شجر و حجر، نباتات اور تمام مخلوقات اور سب حیوانات کے رسول ہیں۔ بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ آپ گذشتہ انبیاء کے بھی رسول ہیں۔ پس بالاتفاق حضور تمام کائنات سے علی الاطلاق افضل ہیں۔

(۳۵) نَبِئْنَا الْأَمْرَ النَّاهِي فَلَا أَحَدٌ
 أَبْرَفِي قَوْلٍ لَّامِنُهُ وَلَا نَعَمِ
 امر و ناہی سنجیب۔ اے رسولِ راست گو
 راست گو تر زو بہ بدر قول 'لا' و 'نعم'
 امر و ناہی کے پییر ہیں نہیں اُن کا جواب
 ہیں نہایت صاف گو وہ قول 'لا' ہو یا 'نعم'

ترجمہ : ہمارے پیارے نبی (نبی کا حکم کرنے والے ہیں اور برائی سے) روکنے والے ہیں۔ پس کوئی بھی نفی یا اثبات کہنے میں حضور سے زیادہ راست باز نہیں ہے۔
لفظی تشریح

النبی، مہو اللام ہے۔ اور عمرہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے، بروزن فعل معنی فاعل بھی ہے اور مفعول بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خبر دینے والے بھی ہیں (معنی فاعل) اور خبر دیتے گئے بھی ہیں (معنی مفعول) اور جمہور یا نئے مشد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ نبینا محمد کا مبدل منسوب ہے۔ کہا گیا ہے کہ لفظ نبی ثبوت سے ماخوذ ہے۔ اور اس کا معنی بلندی ہے۔ پس حضور بلند مرتبہ ہیں نبی ایک ایسا انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ مبعوث کرے اور اس کی طرف وحی کرے۔ قطع نظر اس سے کہ اس کو تبلیغ کا حکم دیا ہے یا نہیں۔ پس نبی رسول سے عام ہے۔ امر و ناہی سے حضور کے رسول ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ اَیْلَہُ، بہت زیادہ سچا۔ راست باز۔

معنوی تشریح

ہمارے آقا و مولا اور نبی و رسول ہی من جانب اللہ مامور ہو کر پسندیدہ عقائد اعلیٰ اعمال اور بہترین اخلاق کا حکم دینے والے اور ردی افعال اور کینے کاموں سے روکنے والے ہیں۔ اور حضور ناقصین کی تکمیل میں حاذق ہیں اور اپنی ہر خبر میں صادق ہیں کیونکہ آپ اپنی نفسانی خواہش کے باعث گفتگو نہیں فرماتے۔ بلکہ (زبان مبارک سے جو گفتگو صادر ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلی یا خفی وحی کے سبب ہوتی ہے۔ پس نفی و اثبات میں کوئی بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سچا نہیں اور نہ ہی وعدہ و وعید اور باقی تمام حالات میں حضور سے زیادہ کوئی حق کہنے والا ہے۔

هُوَ الْحَبِيبُ الَّذِي تَرْجَى شَفَاعَتَهُ
لِكُلِّ هَوَلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمٍ

اِن حبیبے کو بودامید گاہ مردماں
در شفاعت نزد سختیہاتے پچپیدہ ہم
وہ حبیب ایسے ہیں جن سے ہے شفاعت کی امید
ہوں گی نازل آفتیں پیش آئیں گے جب رنج و غم

ترجمہ: وہی ایک ایسا ذی شان محبوب ہے جس کی شفاعت کی امید کی جاتی
ہے۔ اچانک پیدا ہونے والے ہر خوف و مصیبت میں۔

لفظی تشریح

الحبیب بمعنی محبوب، مخلوق کی محبت، اپنے موافق کی طرف نفس کا میلان ہے
اور خالق کی محبت اپنے بندے کے لیے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کو سعادت کے
ساتھ قدرت دینا، اپنی عبادت پر توفیق دینا اور اس کے لائق اسباب کا مہیا کرنا
ہے، کیونکہ بندے پر اللہ کی رحمتوں کے خزانوں سے فیضان ہوتا ہے۔ شفاعتہ، غیر
کی مدد سے غیر سے فضل اور عفو طلب کرنا۔ الہول بمعنی خوف بمصدر ہے فاعل یا مفعول
کے معنوں میں مستعمل ہے۔ اقلتح کسی معاملے میں شدت کے ساتھ داخل ہونا۔

معنوی تشریح

وہ بلند شان والا آقا اور واضح برہان والا نبی، وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا حبیب ہے جس
کی شفاعت ثابت ہے۔ اور بڑے خوف میں ضرورت پوری ہونے کی امید کی جاتی ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کئی شفاعتیں ثابت ہیں۔ جیسا کہ معتمد احادیث میں وارد ہے۔ ان میں سے ایک شفاعت عظمیٰ ہے۔ وہ مقام محمود پر لوٹنے حمد کا اٹھانا ہے۔ جس کا ہر چھوٹا بڑا محتاج ہے۔ یہ شفاعت یہ ہے کہ عذاب میں مبتلا لوگوں کا عذاب موقوف کرانا یا اس میں تخفیف کرانا۔ ایک یہ ہے مستحقین عذاب لوگوں کے گناہوں سے درگزر کرنا۔ ایک یہ ہے کہ مومنین میں اللہ تعالیٰ جن کو چاہے ان کے درجات بلند کرنا۔

دَعَا إِلَى اللَّهِ فَالْمُسْتَسْكُونَ بِهِ
مُسْتَسْكُونَ بِحَبْلِ غَيْرِ مُنْقَصِمٍ
مرد را خواندی بحق و ہر کہ دروے دست زد
دست زد در حبل محکم کاں بریدہ نشندم
دعوت حق آپ کے دی اور کیا جس نے قبول
اس نے ایسی ڈور تھامی جو نہ ہوگی منقصم



فَاقَ النَّبِيِّينَ فِي خَلْقٍ وَفِي خَلْقٍ
وَلَمْ يُدْ أَنْوَهُ فِي عِلْمٍ وَلَا كَرَمٍ

بہتر پیغمبراں در خلق و در خلق آمدہ
کس چو او نامد نہ در علم و نہ در وصف کرم

سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے خلق میں اور خلق میں
انبیاء میں سب سے اکمل آپ کا علم و کرم
ترجمہ: حضور تمام انبیاء سے حسن صورت و حسن سیرت میں بڑھ گئے۔ اور کوئی
بھی علم اور کرم میں حضور کے برابر نہیں ہے۔

لفظی تشریح

فاق فوق سے مشتق ہے۔ رفعت میں زیادہ ہونا۔ الخلق حسن صورت۔ اور وہ اعضا
کا موزوں اور اشکال کا متناسب ہونا۔ الخلق الخلق حسن سیرت۔ اور وہ قوائے
نفسانیہ کا معتدل ہونا اور ان کا کمال سے متصف ہونا ہے۔ اوصاف کمال میں سے
علم کو خاص کیا کیونکہ وہ تمام فضائل کی اصل ہے اور کرم کو خاص کیا کیونکہ یہ نعمتوں میں
سے ہے اور وہ قدرت پر مبنی ہے پس یہ دونوں (علم و کرم) تمام کمالات کا مجموعہ ہیں۔
اور نظام کائنات کا مدار ہیں۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے جمال صوری میں اس قدر
فوقیت لے گئے کہ لوگوں نے آپ کو کریم ابن کریم ابن کریم پکارا اور کمال معنوی میں اس قدر بڑھ گئے
کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس آیت میں حضور کی تعریف کی۔ و انک علی خلق عظیم۔
جب انبیاء میں سے کوئی بھی علم کی کسی جنس میں اور کرم کی کسی نوع میں آپ کے مقارب
نہیں ہوا، تو علماء اولیا اور اصفیاء میں سے کوئی کس طرح حضور کے ساتھ ہمسری کا
دعویٰ کر سکتا ہے۔ ان رفیع الشان مناقب کی تفصیل مواہب لدنیہ میں دیکھیں۔

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَّسُولِ اللَّهِ مُلْتَمِسٌ
غُرْفًا مِنَ الْبَحْرِ أَوْ شِفَاءً مِنَ الدَّيَمِ

(۳۹)

ملتمس از دوسے ہر نبی و از رسل
یک کف از دریائے علم و شربتے ز ابر کرم

انبیاء سب ملتمس ہیں تاکہ بل جائے انھیں
ایک جرعه بحر سے یا قطرہ از ابر کرم

ترجمہ: ان (انبیاء) میں سے ہر ایک نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلبگار
ہے بسمندر سے ایک چٹو کا یا موسلا و حار بارش سے ایک گھونٹ کا۔

لفظی تشریح

الغرف چٹو بھڑنا۔ الرشف بارش۔ الدیم ویتہ کی جمع۔ رات دن مسلسل برسنے
والی بارش۔ رسول اللہ۔ اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ ذکر کیا تاکہ حضور کے وصف رفیع پر تنبیہ ہو۔
معنوی تشریح

تمام انبیاء یا ہر ایک (ان میں سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کناں اور

طالب امداد ہے جو کہ فرد کامل ہیں اور صاحب فضل مددگار ہیں وہ بحر علم سے کچھ شے یا مدد کثیر کے
طلب گار ہیں اور وہ آپ کی نعمتوں کے عطیات اور کرم کی بارشوں سے تھوڑی سی مقدار
کے خواہاں ہیں۔

وَوَاقِفُونَ لَدَيْهِ عَنْكَ حَدِّهِمْ
مِنْ نُّقْطَةِ الْعِلْمِ أَوْ مِنْ شَكْلَةِ الْحَكْمِ

نزدِ او استاده جملہ ہر یکے در حد خویش
نقطہ از علم دارد یا نصیب از حکم

اپنے حد مرتبہ پر سب کھڑے ہیں رو برو
جیسے نقطہ لفظ میں اعراب لفظوں میں ہم

ترجمہ: وہ (تمام کے تمام) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے مقام
پر علم کے نقطہ یا حکم کی شکل کی مانند کھڑے ہیں۔

لفظی تشریح

لدا یہ حضور کے سامنے۔ حد غایت بنتی۔ حکم حکمت، کی جمع۔ رائے اور
تدبیر کو نچتہ کرنا۔ علامہ نے نقطہ کو علم، اور شکل کو حکم کے ساتھ خاص کیا، کیونکہ شکل سے مزید
بیان حاصل ہوتا ہے جو نقطہ سے نہیں۔ یوں ہی کہا گیا ہے، لیکن اظہر یہ ہے کہ زیادہ ظہور
کے لیے نقطہ اولیٰ ہے اسی وجہ سے اس کو علم کی طرف مضاف کہا گیا ہے۔ اور شکل
ایک امر زائد ہے۔ اگرچہ نقطہ پر واضح شہادت کا مدار ہے لیکن شکل، نقطہ پر منحصر مفہوم کی
ماہیت سے خارج ہے۔ اسی وجہ سے اس کو حکم کی طرف منسوب کیا گیا۔ حکم ایسے دقیق امور
میں جو علوم شرعیہ کی طرف متفرع ہوتے ہیں۔

اسی وجہ سے حکماء ظاہریہ کے رئیس نے جب باطنی حکماء کے رئیس سے استغنی ہونے
کا ارادہ کیا تو اس کو دروازے سے لوٹا دیا گیا اور وہ ایسے حجاب میں پڑ گیا جو ثواب سے

محروم اور عذاب میں مبتلا ہونے پر فتنج ہوتا ہے۔

اور جب لفظ ”کل“ لفظاً و معنیٰ منفرد ہے تو اولاً طمس میں اس کی طرف لوٹائی جانے والی ضمیر کو مفرد لانا جائز ہے۔ اور دوسری مرتبہ واقفوں میں جمع لانا جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول کل کذب الدس۔ ہر ایک نے رسولوں کی تکذیب کی۔ (کل لہ قانتون) ہر کوئی اس کا فرمانبردار ہے۔ (پہلی جگہ صیغہ واحد اور دوسری جگہ جمع مستعمل ہوا)۔

معنوی تشریح

علم سے مراد اللہ تعالیٰ کا غیر متناہی علم ہے۔ اور حکمت سے وہ حکمت مراد ہے جو گنتی اور شمار سے باہر ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے تمام انبیاء اور علماء کے ہر قسم کے علوم ایک نہ ختم ہونے والے نقطہ کی مانند ہیں۔ اور تمام لا واناؤں کی ہر قسم کی دانائی اللہ تعالیٰ کی لامحدود حکمتوں کے سامنے بمنزلہ ایک حرکت کے ہے۔ یہ نقطہ اور حکمت مکمل طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہیں۔ جب کہ باقی تمام انبیاء کے لیے ایک معین حد اور معلوم و ظاہر مقام ہے جس پر وہ فائز ہیں۔ ذرا بھر اس سے آگے نہیں گزر سکتے ہیں۔

میں (شارح) نے جو کچھ نقطۃ العلم کے بارے میں بیاں کیا وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: وما اوتیتہم من العلم الا قلیلاً۔ (تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا)۔ یا حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب ایک چڑیا نے اپنی چونچ پانی میں ڈبوئی تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: تمہارا میرا اور تمام مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں صرف اسی قدر ہے جتنا کہ اس چڑیا نے اپنی چونچ پانی میں ڈبوئی۔ اس کو بخاری نے روایت کیا۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ علم و حکم سے حضور کے تمام علوم و حکمتیں مراد ہوں۔
 کیونکہ حضور کا علم کئی اقسام کے فنون پر مشتمل ہے جیسے علم قرأت، علم تفسیر، علم فہم،
 علم تاریخ، علم مواعد، علم عقائد وغیرہ۔ مذکورہ اقسام میں سے ہر ایک علم و فن پر کئی
 مجلدات تصنیف ہوئیں کئی کتابیں تالیف ہوئیں۔

ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتیں ہر قسم کی حکمتوں کی جامع ہیں۔ ان میں
 سے ایک طب ظاہری ہے جو جسم سے متعلق ہے اور امراض روحانی کا معنوی علاج
 کرنے کا علم ہے۔ ان میں سے ایک اشیاء کے خواص اور ان کے منافع اور نقصانات
 کا علم ہونا ہے انہی میں ایک احوال فلکی و آفاقی کا علم ہونا ہے جس کو علم الہیۃ کہتے ہیں۔
 ان میں سے ایک غیبی امور کا علم ہونا ہے جن کے متعلق کائنات اور نجومی عاجز ہو گئے
 ان میں سے ہی یہ علوم بھی ہیں۔ حقائق صوفیاء کا علم اور لغت عربی کے دقائق کا علم
 پس ان علوم کی تحریر سے کئی کتابیں مدون ہو گئیں اور ان کی تقریر نے منبرین ہو گئے
 یہاں تک کہ علمائے امت و زمانے انبیاء بن گئے اور ان کے لیے خوارق عادات
 ظاہر ہوئیں جو اولیاء اور اصفیاء کی طرف منسوب ہیں۔ پس ہر نبی کا علم اور حکمت حضور
 کی کتابِ علم کا ایک نقطہ ہے۔ اور حضور کے بابِ حکمت کی ایک حرکت ہے۔
 یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و منزلت کی نسبت باقی تمام انبیاء کا رتبہ
 اور حد کی حیثیت وہی ہے جو ایک نقطہ کو لفظ سے اور ایک شکل کو اس کے معنی اور مفہوم سے۔
 اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے جامع کلمات دینے گئے
 اور مجھے مکارمِ اخلاق کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا اسی طرف اشارہ ہے،
 وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ۔ تم اپنے رب کی طرف سے نازل

کئے گئے قرآن کا بہترین اتباع کرو۔

(۴۱) فَهُوَ الَّذِي تَحْمِصُنَا وَصُورَتُهُ
ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِيبًا بَارِئُ النَّسَمِ!

از خلاق او بود در صورت و معنی تمام
برگزیدش بر محبت خالق روح و نسیم!

صورت و سیرت میں ہیں سرکار عالی مرتبت
اس لیے ان کو کیا حق نے حبیب محترم

ترجمہ: پس وہی ایسی ذات ہے جو معنا و صورتاً مکمل ہوئی۔ پھر ذی روح کو پیدا
کرنے والے نے آپ کو حبیب منتخب کر لیا۔

لفظی تشریح

فہو میں ہاء کو ساکن پڑھا جائے گا۔ اور معنہ میں ء کو اشباع کے ساتھ۔ یہ
دونوں مشہور و متواتر لغات ہیں پس جس نے کہا کہ یہ ضرورت شعری کی وجہ ہے اس نے غلطی
کی۔ حبیباً حال واقع ہو رہا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ اصطفیٰ کا مفعول ثانی ہے کیونکہ اصطفیٰ
جعل کے معنی کو متضمن ہے۔ النسم۔ نسمة کی جمع ہے اس سے مراد یا تو نفس (روح)
ہے یا ہر ذی روح ہے بعض نے کہا کہ آدمی مراد ہے فہو میں فار جزاء کے لیے ہے۔

معنوی تشریح: جب معلوم ہو گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام
سے حسن و سیرت میں بڑھ گئے ہیں اور شریعت و حقیقت میں یا احوال و اعمال میں یا علم و عمل میں

ظاہر و باطن میں یا مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ میں یا مطلق کمال میں تمام انبیاء پر فوقیت لے گئے نہیں تو یہ بات ظاہر ہو گئی کہ زمین و آسمان کی تخلیق کرنے والے اور روحوں کو پیدا کرنے والے نے آپ کو تمام مخلوق سے چن لیا ہے۔ لفظ شَدِّ یہاں صفاتِ مصطفویہ میں ترتیب ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ (شَدِّ) باب تراخی میں سے ہے۔

یعنی آپ کے لیے صورت و سیرت مکمل ہونے کے بعد نبوت کا مرتبہ مقرر کیا گیا۔ اگرچہ اس مرتبہ کا عطا کرنا کمالاتِ صوریہ کے وجود پر موقوف نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر یکساں قادر ہے۔ اختلاف تو امورِ عادیہ کی بنیاد پر ہے۔

اس میں اصطفاء کی مدت کے انتظار کا بھی اشارہ ہے۔ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰؑ پر ترجیح کی طرف اشارہ ہے۔ پس جس کو بچپن میں نبوت عطا کی گئی اگرچہ ذہن میں مذکورہ بیان کا الٹ متوہم ہے (پھر بھی حضور کا مقام و مرتبہ مرجح ہے) یہ (مضمون) کمالاتِ عصامیہ سے مستفاد ہے۔

شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف تلمیح ہے۔ اللہ یصطفیٰ... إلہ اللہ تعالیٰ ملائکہ اور لوگوں میں سے رسول منتخب کرتا ہے۔ اور اس حدیث صحیح کی طرف بھی تلمیح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسمعیل سے کنانہ کو منتخب کیا۔ کنانہ میں سے قریش کو چنا اور قریش سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم سے مجھ کو چنا۔ اس کو مسلم نے روایت کیا۔ اور ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ نے اولادِ ابراہیم میں اسمعیل کو چن لیا۔... إلہ اس کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں بروز قیامت بنی آدم کا سردار ہوں،

لیکن کوئی فخر نہیں۔ میرے ہاتھ میں لوہا الحمد ہوگا، لیکن کوئی فخر نہیں۔ اس روز حضرت آدم اور ان کے علاوہ تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ میں پہلا انسان ہوں جس کی قبر شق ہوگی، لیکن کوئی فخر نہیں۔ میں سب سے پہلا شافع اور مشفق (جس کی شفاعت مقبول کی جائے) ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ اس کو احمد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا۔

(۴۲) مُنْزَہٌ عَنْ شَرِیکٍ فِی مَحَاسِنِہِ
فَجَوْہَرُ الْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمٍ

او منزه از شریک اندر محاسن آمدہ
جوہر حسن محمدی پارہ نامدور رقم!

کوئی عالم میں نہیں ان کا محاسن میں شریک
حسن میں جو ہر ہے یکتا جو نہ ہوگا منقسم!

ترجمہ: آپ اپنے محاسن میں شریک سے منزه ہیں۔ پس حضور کی ذات مقدسہ میں جو ہر حسن غیر منقسم ہے۔

لفظی تشریح

منزه خبر ثانی ہے ہو کی۔ المحاسن حسن کے خلاف قیاس جمع آتی ہے۔ فیہ اشباع ضمیر کے ساتھ جار مجرور حسن کی صفت یا حال ہے، جو ہر حسن جو کہ عرض ہے۔ اس کو ثابت کرنے اور اس پر عدم انقسام کا حکم لگانے میں لطافت ہے جو مخفی نہیں۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاندار جمال صورت اور عمدہ سیرت میں کوئی بھی اس جہاں میں آپ کا شریک نہیں ہے۔ یا تو حقیقی طور پر من حیث المجموع تمام محاسن میں یا فرداً فرداً ہر ایک میں۔

گویا دوسروں کے محاسن حضور کے مقابلے میں حسن ہیں ہی نہیں۔

دَعُ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارَىٰ فِي نَبِيِّهِمْ
وَاحْكُم بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيهِ وَاحْكُم

(۴۳)

آنچہ ترسایاں بگفتند در حق عیسیٰ مگو
پس بگو در حق سید آنچہ خواہی در حکم

جو نصاریٰ نے کہا عیسیٰ کے حق میں تو نہ کہہ
جس قدر ممکن ہو کر مدح نبیٰ محترم

ترجمہ: نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق جو دعویٰ کئے ان کو چھوڑا ان کے
علاوہ، جو چاہے بطور مدح حضور کی ثنا خوانی میں حکم لگاؤ اور داناتی استعمال کرو۔

لفظی تشریح

لفظ نبی میں یا پر تشدید بھی جائز ہے اور ہمزہ کے ساتھ بھی جائز ہے اور جمع
کی ضمیر (ہم) کی ضمیر کو اشباع کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں وقف بھی کر سکتے ہیں مدحا
تمیز ہے۔ الاحتمال حکمت کا استعمال کرنا۔ اور حکم کو بچتہ کرنا۔

معنوی تشریح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں وہ باتیں ترک کر دے جن کا دعویٰ نصاریٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے کیا۔ جیسے اتحاد، حلول، تثلیث، تناسخ، توالد اور اس کے علاوہ ایسی چیزیں جو کفر، شرک اور گمراہی کا سبب بنتی ہیں جن پر عذاب اور سخت وبال مترتب ہوتا ہے۔ بعض نے کہا: مسیح ابن اللہ ہیں۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی مسیح ہے۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علو منصب و مرتبہ اور شان کی بلندی کے باعث حضور کی نعت اور مدح کے طور پر جو چاہو کہو۔ لیکن دانائی سے کلام کرنا۔ مدح کا حکم لگانے میں توقف کرنا۔ تاکہ حضور کی نعت حد انسانی اور وصف صمدانی سے متجاوز نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا اهل الكتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور حق کے سوا اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی بات نہ کرو کہاں خاک اور کہاں رب الارباب۔

(۴۲) وَأَنْسَبُ إِلَى ذَاتِهِ مَا شِئْتُ مِنْ شَرَفٍ
وَأَنْسَبُ إِلَى قُدْرِهِ مَا شِئْتُ مِنْ عَظَمٍ

نسبت اندر ذات او کن ہر چہ خواہی از شرف
نسبت اندر قدر او کن ہر چہ خواہی از عظم
جو شرف ہو ذات اقدس کی طرف منسوب کر
جتنی عظمت چاہیے کر شان والا میں رقم!

ترجمہ: حضور کی ذاتِ مقدسہ کی طرف جو چاہو عظیم مرتبہ منسوب کرو۔ اور آپ کے
قدر رفیع کے ساتھ جو چاہو عظمت بیان کرو۔

لفظی تشریح

ما موصولہ ہے۔ من بیانہ ہے۔ تنوین برائے تعظیم یا فصاحت ہے۔

معنوی تشریح

جب تم نصاریٰ کے دعویٰ اور حیرت زدہ لوگوں کی گفتگو کی مانند (بیہودہ باتوں کو)
ترک کر دو گے تو پھر تمہارے لیے گنجائش ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
ذاتِ معظمہ کی طرف نسبت کے دائرہ میں رہ کر اوصافِ مکرمہ جیسے جمالِ صورت، کمال
اخلاق، پسینے کی خوشبو، عقل کی تیزی، دل کی صفائی، بلاغتِ کلام، فصاحتِ لسان اور
باقی تمام کمالات میں سے جو چاہیں بیان کریں، کیونکہ آپ منبعِ احسان اور مبدعِ رحمت ہیں۔
اور یہ بھی تمہارے لیے رخصت ہے کہ حضور کے کمالِ قدرت و مرتبہ، حضور کی عظمت اور
باوقار ہیبت کا احاطہ کرنے والی نسبت میں، انواعِ عظمت، فنونِ کرامت اور اخلاص
معجزہ جن کی حد غیر متقنی اور تعداد غیر معدود ہے، میں سے جو چاہیں حضور کی ثنا خوانی
کے لیے منسوب کریں۔

فَإِنَّ فَضْلَ رَسُولِ اللَّهِ لَيْسَ لَكُمْ
حَدٌّ فَيُعْرَبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِهِ

(۲۵)

فضل و جاہِ مصطفیٰ حد سے ندارد و کمال
تا تواند کرد شخصی روشن آن را بیش و کم

حد نہیں ہے کوئی حضرت کے کمال و فضل کی

ہو بیاں کس منہ سے توصیفِ شہِ خیرِ الامم

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی کوئی حد نہیں کہ جس کو کوئی بیان کرنے والا بیان کر سکے۔

لفظی تشریح

الفاء برائے تعلیل کیونکہ بالتفصیل مدح ناممکن ہے۔ یعرب کا نصب نفی کے جواب میں واقع ہونے کے باعث ہے۔ عنہ کی ضمیر حد کی طرف راجع ہے۔ اور وزن کی رعایت کرتے ہوئے اس کو اشباع کے ساتھ پڑھا جاتے گا۔ الباء برائے استعانت ناطق سے متعلق ہے یا یعرب کے الاعراب کا معنی (یعرب کا مصدر) فصاحت، بیان اور وضاحت ہے۔ اور یہ سوائے زبان کے ناممکن ہے۔ پس اس کو منہ سے (بیان کرنے کو) تعبیر کرنا محل بول کر حال مراد لینا ہے۔ اس کو ذکر کرنے کا فائدہ باوجود اس کے کہ نطق اس کے بغیر نہیں ہوتی، عموم حکم کے افادہ میں زیادتی ہے۔ وما من دابة في الارض اس کے نظائر میں سے ہے۔

معنوی تشریح

میں نے تو تمہیں صرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ کمالیہ کے متعلق اجمالی طور پر منسوب کرنے کو کہا، کیونکہ حضور کے فضائلِ تفصیلیہ کی کوئی انتہا نہیں ہے کہ کوئی غایت تک ان کو بیان کر سکے۔ اگرچہ وہ بیان کرنے والا علماء اور فصحاء کے مرتبہ کو ہی کیوں نہ پہنچ جائے۔

اس میں اشارہ ہے کہ حضور تمام ملائکہ اور تمام انبیاء سے افضل ہیں، بلکہ یہ بھی

اشارہ ہے کہ ذات محمدیت اور صفات احمدیت کی حقیقت کو کوئی نہیں جانتا مگر وہی جو ربوبیت کی صفات سے موصوف ہو۔ اسی وجہ سے بعض عارفین نے فرمایا، خلق نے صفات الوہیت کو تو پہچان لیا مگر صفات مصطفویہ کو نہ پہچانا۔

(۴۶) لَوْ نَسَبْتُ قَدْرَهُ آيَاتٍ عَظَمًا
أَحْيَى اسْمُهُ حَيِّنٌ يُدْعَى دَارِسُ الرَّحْمِ

درخورت در بزرگی گر نمودے محبذات
یادِ نامش زندہ کر دے استخوانہائے رحم

ان کی عظمت کے برابر معجزے ہوتے اگر
ہوتے زندہ نام سے سب استخوان ہائے رحم

ترجمہ: اگر آنحضرت کے معجزات از روئے عظمت آپ کے مرتبہ کی مناسبت
کر لیتے، تو جب بھی آپ کا نام لیا جاتا وہ بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کر دیتا۔
لفظی تشریح

العظم۔ صغریٰ کی ضد جیسا کہ قاموس میں ہے۔ پس یہ عظمت کے لیے مستعار ہوگا
الرحم الومئکی جمع ہے۔ بوسیدہ ہڈیاں۔ جب نشان مٹ جائے تو کہتے ہیں۔ دس الرحم
نشان بالکل مٹ گیا۔ پس اندر اس کا ذکر بوسیدگی میں اضافہ ہے۔ قدرہ مفعول بہ
ہے بسبب اہمیت کے اظہار کے مقدم رکھا گیا ہے۔ عظم تمیز ہے۔ جیسے طاب
زید نفسا۔ اسمہ فاعل ہے اچنی کا۔ اخیار کی نسبت (بہ طرف اسم) مجازی ہے۔

کیونکہ احیاء حقیقی صفات الہیہ میں سے ہے۔ یداعی کی ضمیر اسمہ یا اللہ کی طرف راجع
کہ اس کو حضور کے نام سے پکارا جاتے۔ در اس مفعول واقع ہو رہا ہے۔ اور اس میں
اضافت از قبیل صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ یہ سارا جملہ لَوْ کے
جواب میں ہے۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسی واضح نشانیاں ظاہر ہوئی ہیں
آپ کی رسالت و نبوت پر دلالت کرتی ہیں اور ہمارے نبی مکرم کے ایسے معجزات کرامات
ہیں جو حضور کے علوم مرتبت اور رفعت عظمت کا شعور دلاتے ہیں۔ جتنا کہ اللہ تعالیٰ کے
فیصلہ کے مطابق آپ کے مرتبہ، حکمت اور ارادے کا اقتضار ہے۔ اور آپ کے جملہ
معجزات میں سے حضور کی امت کے بعض افراد کے ہاتھوں مردوں کو زندہ کرنا ہے اس
کے باوصف اگر اللہ تعالیٰ حضور کی ذات مبارکہ اور عمدہ نشانیوں کے درمیان
خوب صورت اور مکمل مناسبت چاہے تو قطع نظر کسی نشانی کے حضور کے کسی نام اقدس
یا وصف عالی کو جب بھی پکارا اور ذکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ حقیقی اور مجازی اموات
سے بوسیدہ ہڈیوں اور فانی اجسام کو زندہ کر دے، کیونکہ اسم محمدی اور وصف احمدی
کی یہ خاصیت رکھی گئی ہے کہ جب بھی کسی میت پر ذکر کیا گیا تو وہ زندہ ہو گیا۔ کسی کافر
یا غافل نے ذکر کیا تو اس کو مومن بنا دیا، اور ذکر بن گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس
درمکنون کے جمال اور زکرت سابقہ اور حکمت بالغہ کے ساتھ اس محفوظ جوہر کے کمال کو
پوشیدہ کر دیا۔ شاید یہ اس لیے کہ ایمان غیبی ہو اور امر تکلیفی ہونہ کہ شہود عینی اور عیاں
بدیہی ہو۔ یا اس لیے کہ عوام کے اقدام کے لیے پھیلنے کی جگہ اور ملکِ علام اللہ تعالیٰ

کی معرفت کے باعث جاہلوں کو نقصان دینے کا مقام نہ بن جائے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس مقام پر یداعی کی ضمیر اسمہ کی طرف لوٹنے سے مبالغہ ہے یہ اس سے اولیٰ ہے کہ کہا جائے، یداعی اللہ تعالیٰ باسمائہ الحسنیٰ۔
یہ مراد نہیں ہے کہ قرآن کی شان حضور کے شرف کے باعث ہے جس کا بیان ناممکن ہے،
کیونکہ سلسلہ کلام عظمت و دلالت میں ہے نہ کہ شرف گفتگو (انداز بیان) میں۔ اگر قرآن کی
دلالت ہمارے عظیم الشان نبی کی عظمت کی مقدار کے مطابق ظاہر ہو، تو کوئی بھی آپ کی
نبوت و رسالت سے انکار نہ کرے، اور اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کی عظمت کو ظاہر کرے۔
اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولو ان قرانا سیرت به الجبال..... الخ
اگر اس قرآن کے ساتھ پہاڑوں کو چلایا جائے۔ یا زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ یا
مردوں سے گفتگو کی جائے، تو یہ قرآن ایسا ہو سکتا ہے، لیکن اس کو مذکورہ باتوں سے
روک دیا گیا ہے، کیونکہ یہاں ایک بہت بڑا مانع تھا۔ بلکہ تمام معاملہ اللہ تعالیٰ کے
ہاتھ میں ہے۔

میرے خیال کے مطابق اگر ناظم یوں کہتا ہے

لونا سبت قدرة اياته عظما

احیی اسمہ حین یداعی العظم فی الرحم

تو زیادہ مناسب ہوتا۔ مناسب لفظی مناطق لفظی کے قریب تر ہوتا اور حضور کی جامع
ذات مقدسہ جن مشتمل لطائف کی متقاضی ہے ان کی بھی رعایت ہوتی۔

لَمْ يَتَّحِجْنَا بِمَا تَعَى الْعُقُولُ بِهِ
حِرْصًا عَلَيْنَا فَلَمْ نَرْتَبْ وَلَمْ نُنْهِم

آنچه او فرمود عقل از فهم آں عاجز نہ شد
بر صلاح ما حرصیت بے گمان و بے نهم

باز رکھا امتحاں سے جس سے عاجز ہو سمجھ
مہربانی کی نہ بچتے یوں گماں و شک سے ہم

ترجمہ: آپ نے ہمیں آزمائش میں مبتلا نہیں کیا کہ (جس کے ادراک سے) عقلیں
عاجز آجائیں۔ ہماری بہتری کی حرص کرتے ہوئے تو نہ ہم نے شک کیا اور نہ
ہی ہم متحیر ہوئے۔

لفظی تشریح

الامتحان ابتلاء آزمائش۔ و عی کسی کام سے عاجز ہونا اور ہدایت حاصل نہ کر سنا۔
العقل ایک ایسا ملک ہے کہ صاحب عقل اس کے سبب رسوائیوں سے بچتا ہے۔ اور
غیر پسندیدہ چیزوں سے رکتا ہے۔ الحوص کسی شئی میں شدید رغبت کرنا۔ اس کی طرف
میلان کرنا۔ کوشش کرنا۔ الارتیاب شک تردد۔ وہم اس کو کہتے ہیں جبکہ جانب
باطل راجع ہو۔ ہمارے عقل مند آدمی کا متحیر ہونا۔

ما موصولہ ہے۔ بہ میں ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ حوصاً مفعول لہ ہے

یا حال۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بے پایاں نرم خوئی اور بے حد رحمت کے باعث، عقائد اسلام میں سے ایسی کوئی بات نہیں لاتے اور نہ ہی ہمیں کسی ایسے حکم کی تکلیف دی ہے کہ جس کے ادراک سے عقل عاجز آجائے یا صاحب عقل اس کے ادراک سے عاجز ہو کہ کون اس ملت بیضہ اور نورانی کیسوئی کو لایا، کیونکہ حضور ہمارے بہت زیادہ خیر خواہ ہیں اور مکمل طور پر آپ کی توجہ ہماری طرف ہے پس ہم نے آپ کی رسالت میں شک نہیں کیا اور آپ کی متابعت میں حیران نہیں ہوئے حقیقت و شریعت کے درمیان حضور کے جامع طریقہ کے بغیر ہم نے کوئی دوسرا راستہ اختیار نہیں کیا۔ اس شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے :

لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص
عليكم بالمؤمنين رؤوف رحيم۔

أَعْيَى الْوَرَىٰ فَهُمْ مَعْنَاهُ فَلَيْسَ يُرَىٰ
لِلْقُرْبِ وَالْبُعْدِ فِيهِ غَيْرُ مُنْفَحِمٍ

(۲۸)

عاقلاً از فہم مستی محسوس عاجزانہ
اہل عالم جملہ در وصفش کشید ستند دم

سرِ باطن کی حقیقت نے کیا خلقت کو دنگ
دور سے نزدیک سے بس فہم بھی ہے منفخم !

ترجمہ: اس کے معانی کے مفہوم نے مخلوق کو عاجز کر دیا ہے۔ پس قرب و بعد میں کوئی آپ کے برابر نہیں ہے مگر عاجز۔

لفظی تشریح

الاعیاء عاجز بنانا۔ الوری مخلوق۔ معنہ کی ضمیر اشباع کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ المعنی مقصود کلام۔ مکمل طور پر کسی شئی کا کمال۔ فی القرب کی بجائے ایک نسخہ میں للقبوب بھی ہے تو وہاں لام معنی فی ہے۔ منہ کی بجائے ایک نسخہ میں فیہ ہے۔ بہر نوع ضمیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ ایک نسخہ میں منہم ہے۔ وریں صورت ضمیر وری کی طرف راجع ہے۔ دوسرے نسخہ کے مطابق معنہ کی طرف ضمیر کا لوٹنا جائز کیا گیا ہے۔ الانفحار الزام کو قبول کرنا۔ اس کی اصل یہ ہے کہ مد مقابل پر جب الزام لگایا جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ فہم کی طرف اعیاء کی نسبت مجازی ہے۔ اصل میں ہے: اعیی اللہ الوری فہم معنہ۔ یعنی اللہ نے مخلوق کو اس کی حقیقت سمجھنے سے عاجز کر دیا ہے۔ فہم اپنے مفعول کی طرف مضام ہے۔ اصل میں تھا: فہم فہم معنہ۔ لیس میں ضمیر شان مستتر ہے اور ما بعد اس کا ضمیر شان کی تفسیر ہے۔ یری فعل مجہول ہے۔ فی القرب والبعد، لیس کے متعلق ہے۔ غیر میں نصب بلحاظ یری کا مفعول ثانی ہونے کے جائز ہے، اس تقدیر پر کہ جب وہ رؤیہ سے مشتق ہو۔

معنوی تشریح

حضور کے شاندار پوشیدہ معانی اور آپ کے عمدہ کمالات ستر یہ نے تمام کائنات اور مخلوقات کو عاجز کر دیا۔ پس کوئی بھی قرب و بعد دونوں مکانات میں یا عہد اور عصر

دونوں زمانوں میں حضور کا مساوی نہیں دیکھتا بلکہ جانتا بھی نہیں مگر وہ جو حضور کے معنی حقیقی کے ادراک سے عاجز اور آپ کی بنائے حقیقی سے سکت ہے۔ برابر ہے کہ اس نے حضور کو دیکھا یا نہیں دیکھا سعادت مند ہے وہ جس نے آپ کا دیدار کیا۔ یا اپنے آقا کے مطالعہ یا آپ کے کمالات اور قرب کے مطالعہ سے متبر ہوا جس کے حق میں کہا گیا ہے۔ ہائے شوق فراواں کتنا بڑا قرب ہے۔ اور کتنے عظیم کمالات ہیں۔ (اس کا) تحیر آپ کی ذات کے علو اور صفات کی رفعت میں حال یا مقام میں اللہ تعالیٰ کے قرب کے سبب ہے جیسا کہ اولو العزم رسولوں مقربین فرشتوں اور حاملین عرش کو حاصل ہے۔

④ ۴۹ ۴۸
كَالْشَّمْسِ تَطْهَرُ لِلْعَيْنَيْنِ مِنْ بَعْدِ
صَغِيرَةٍ وَتُكَلِّهِ الطَّرْفُ مِنْ أَمَمٍ

مثیل خورشید است شانش گو بود کو چاک ز دور
در برابر چشم ہائے مردم اندازد بسم
وہ میں مثیل شمس جو ظاہر ہو چھوٹا دور سے
اور آنکھیں قرب سے ہوتی ہیں خیرہ ایک دم

ترجمہ: جیسے کہ سورج دور سے چھوٹا معلوم ہوتا ہے اور قریب سے آنکھ کو
(دیکھنے سے) عاجز کر دیتا ہے۔

لفظی تشریح

بَعْدُ ایک لغت میں دو ضمنوں کے ساتھ۔ الاکلال ادراک سے عاجز کر دینا۔ الطوف
انکھ۔ اَهِم بفتحین۔ قرب۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متذکرہ بالا وصف کے معانی کے ادراک
اور معانی کی سمجھ سے قریب و بعید اور بد بخت و نیک بخت سب عاجز ہو گئے۔ جیسے
سورج ہے دور سے آنکھوں کو چھوٹا نظر آتا ہے۔ اور قریب سے دیکھنے والے کو عاجز
بنا دیتا ہے۔ اور دیکھنے والا ورطہ حیرت میں پڑ جاتا ہے۔

یہ تشبیہ معقول کی محسوس کے ساتھ ہے تاکہ فہم منکوس کے لیے معنی قریب کیا جاسکے۔
حاصل کلام یہ کہ سورج (سائنس دانوں) کے کہنے کے مطابق کرۂ ارض سے
ایک سو ساٹھ سے کچھ زائد گنا زیادہ ہے۔ جیسا کہ سورج دور سے محدود نظام ہر ہوتا ہے
ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور جیسا کہ سورج مسافت بعیدہ سے چھوٹا نظر
آتا ہے۔ جب کوئی شخص اس کی حقیقت و منزلت کے ادراک کی خاطر اس کے قریب
جاتا ہے تو اپنے آپ کو عاجز اور بے بس پاتا ہے۔ ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم
ہیں۔ آپ بادی النظر میں افراد بشری میں سے ایک فرد نظر آتے ہیں۔ مگر جب کوئی
آپ کے جمال ذات و کمال صفات میں تامل کرتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے اور آپ
کے درجات کے مراتب کے ادراک سے عاجز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ ۖ اِنَّهُمْ رُسُولٌ ۙ لَّيْسَ لَهُمْ شَرَفٌ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ ۚ
درجات کے لحاظ سے بلند کیا۔ مفسرین نے کہا: بعض سے مراد حضور کی ذات والا

صفات ہی ہے۔ کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسرار سے غافل اغیار کی نظر میں صغیر ہیں۔ اور اہل بصیرت جو اہل اعیان و خلاصہ انسان ہیں، کی آنکھوں میں عظیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ تَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَ هُمْ لَا يُبْصِرُونَ۔ (تم دیکھو گے کہ آپ کے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور باطن کو نہیں دیکھتے، اسی سے حضور کا ایک قول ہے: اے اللہ! مجھے (اپنی عظمت کے مشاہدہ کے مقابلہ میں) اپنی نظروں میں چھوٹا بنادے اور (اپنی قدرت کے مکاشفہ سے) لوگوں کی نظروں میں بڑا بنادے۔

⑤ وَ كَيْفَ يُدْرِكُ فِي الدُّنْيَا حَقِيقَتَهُ
قَوْمٌ نِيَامُ تَسْلُوا عَنْهُ بِالْحُلُمِ

چوں بدانندش حقیقت اہل عالم چوں بود
مست خواب دیدنش در خواب داند مغتنم

اہل دنیا کس طرح ان کی حقیقت پاسکے
خواب غفلت میں ہیں گویا قوم خوابیدہ ہیں ہم

ترجمہ: دنیا آپ کی حقیقت کا ادراک کیسے کر سکتی ہے۔ وہ غفلت قوم خواب کے خیالات و تصورات سے مطمئن ہو گئی ہے۔

لفظی تشریح

کیف ظرف یدرکہ کے متعلق ہے۔ یہ استبعاد اور استفہام انکاری کے لیے ہے اور استفہام کی صدارت کے لیے مقدم آیا ہے۔ الحلم سوتے ہوئے کو بوز نظر آئے۔

یہاں اس سے مراد خیال ہے۔ القوم وہ مخلوق (الورعی) ہے یا انبیاء اور اولیاء کے علاوہ باقی مخلوق مراد ہے۔

معنوی تشریح

غافل جماعت اس کمینہ دنیا میں ذات محمدی کی حقیقت اور صفات احمدی کی صداقت کیسے جان سکتی ہے جو کہ سوتے ہوئے لوگوں کی مانند ہے۔ انھوں نے خیالات اور اوہام سے حاصل شدہ معرفت پر ہی قناعت کر لی اور اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ لوگ سوتے ہوئے ہیں یعنی غافل ہیں۔ اور ایک اشارہ بھی ہے جس میں یہ بشارت پنہاں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کا آفتاب اور جلال کا ستارہ آخرت میں جو کہ ندامت کا وقت ہے۔ افق کمال پر ہوگا۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا: حضرت آدمؑ اور اوران کے علاوہ سب لوگ قیامت کے روز میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے نیز یہ کہ آخرت میں قریب و بعید سب کے لیے آنکھیں اسرار کے ادراک کے لیے کامل ہوں گی جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ۔

اسی وجہ سے بعض عارفین نے کہا ہے کہ فانی دنیا میں رویت باری تعالیٰ ممتنع ہے، کیونکہ باقی کو باقی رہنے والی آنکھ سے ہی دیکھا جاسکتا ہے۔

⑤ فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيهِ أَنَّهٗ بَشَرٌ
وَأَنَّهٗ خَيْرُ خَلْقِ اللَّهِ كُلِّهِمْ

مبلغ معلوم مردم آنکہ سید آدمی ست
بہترین مردماں باشد رسول محتشم

انہما تے علم کہتی ہے وہ ہیں خیر البشر
جملہ مخلوقات میں رکھتے ہیں وہ شانِ اتم

ترجمہ: حضور کے بار میں (ہمارا) مبلغِ علم ہی ہے کہ آپ ایک بشر ہیں۔ حالانکہ
آپ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔

لفظی تشریح

قرأتِ مکی کے مطابق ضرورتِ شعری کے طور پر فیہ کی ہا کو اشباع کے ساتھ
اور کلہم کی میم کو مکسور اور اشباع کے ساتھ شعر کو پڑھا جائے گا۔

معنوی تشریح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کی بناء کے بارے میں ہمارے علم کی رسانی
کی انتہا اور ہمارے فہم کی حد یہی ہے کہ آپ افرادِ انسانی میں سے بشرِ عظیم و جوہرِ جہیم ہیں،
حالانکہ آپ کی صفات کی حقیقت یہ ہے کہ آپ تمام کائنات سے افضل اور تمام
موجودات کے سردار ہیں۔

ناظم نے کلہم کے ساتھ تاکید، بعض لوگوں کے اختلاف کو دور کرنے کی غرض سے
ذکر کی یہ اہلِ ثقلین کو حضور کی حقیقت کا جانبین میں احاطہ کرنے سے عجز اور قصور (کم فہمی)
کا احساس دلانا ہے۔

وَكُلُّ أُمِّي أَلَى الرُّسُلِ الْكَوَامِرِهَا

(۵۲)

فَإِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُورِهِ بِهِمْ

ہر چہ آوردند مجموع رسل از معجزات
آن ز نور مصطفی آمد بایشان لاجرم

جو رسولان جلیل القدر کے تھے معجزے
آپ ہی کے نور سے پایا تھا سب نے یہ کرم
ترجمہ : اور وہ تمام معجزات جو سابقہ انبیائے کرام لائے ہیں۔ وہ ان کو حضور کے
نور سے ان کو ملے ہیں۔

لفظی تشریح

کل یہ لحاظ مبتدا ہونے کے مرفوع ہے۔ واو جملوں کے عطف کی خاطر ہے۔
عصام الدین کا یہ قول بعید ہے کہ لفظ کل بہ سبب ان (گزشتہ شعر میں) کے اسم پر
معطوف ہونے کے منصوب ہے۔ الائی جمع آیہ کی معجزہ۔ الوسل برائے تخفیف
سین پر سکون ہے۔ رسول کی جمع ہے۔ الکوام۔ کویم کی جمع۔ اس کا استعمال بطور کیفیت
ہے۔ ورنہ اس کے بغیر بھی بہ طریق اولیٰ (ان کی کرامت) سمجھی جاتی ہے۔

معنوی تشریح

وہ تمام خوارق عادات جو باقی انبیاء و مرسلین کو ملے ہیں، وہ تمام آیات ظاہرہ اور
معجزات باہرہ حضور کے اس نور اصلی کی بدولت پہنچے ہیں۔ جو ان کو بہ طریق فرع پہنچا ہے۔
پس سابقین کے معجزات حضور کا ہی معجزہ ہے جیسا کہ لاحقین (اولیاء کرام) کی کرامات
حضور کی کرامت ہے۔ سابقین و لاحقین درحقیقت آپ کے نائب ہیں۔ جیسے کہ شکر
کا مقدمہ (اگلا حصہ) سابقہ (پچھلا حصہ) سپہ سالار کے لیے چلتے ہیں اور اس کے حکم کے

بمطابق کام کرتے ہیں۔ ایسے ہی ہر علم، معرفت، نکتہ اور حکمت حضور کے انوار کی شعاع اور
آپ کے اسرار کی چمک ہے۔

(۵۳) فَإِنَّ شَمْسَ فَضْلِ هُمْ كَوَاكِبُهَا
يُظْهِرُونَ أَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلُمِ

اولودخورشید فضل و دیگر اسیار گاہ
روشنی سیار گاہ ظاہر کنند اندر ظلم
آفتاب فضل ہیں وہ سب ستارے انبیاء
کرتے ہیں ظلمت میں ظاہر سب یہ انوار کرم

ترجمہ: بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فضیلت کا سورج اور
باقی انبیاء کرام کو اکب ہیں جو کہ تاریکی میں لوگوں کے لیے اپنے انوار ظاہر
کرتے ہیں۔

لفظی تشریح

یہ ایک اچھی تحلیل اور مستحسن تعلیل ہے: ناظم نے تشبیہ بلوغ کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کو سورج سے تشبیہ دی ہے۔ (شمس فضل) میں اضافت من کے
ساتھ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے بزرگی دینے سے سورج ہیں۔ یونہی کہا گیا ہے: اظہر یہ
ہے کہ یہاں فضل بمعنی فضیلت اور زیادت ہے۔ اور اضافت تھوڑی سی ملا بہت کی
وجہ سے ہے۔ الظلم جمع ہے ظلمت کی تاریکی راتوں کی۔ للناس کی بجائے للخلق

ہوا تو عام تھا۔

معنوی تشریح

جس طرح سورج زیادتی روشنی اور اصالت نور کے باعث تمام اقمار کو اکب سے متمیز ہے۔ ایسے ہی ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسرار فضائل و انوار شمائل کی فضیلت کے سبب تمام ارباب فواضل سے ممتاز ہیں۔ اور وہ انبیاء اور رسول اس سورج کے کو اکب کی مانند ہیں۔ (شمس فضل) اس میں اضافت اس کا فائدہ بھی ہے رہی ہے کہ کو اکب شمس مخصوص ہیں جو سورج کے فیضان سے استفادہ اور اس کے نور سے استفادہ کرتے ہیں۔ اور وہ صرف چاند ہی ہے اور وہ مفرد ہے۔ تو اس کو جمع لانا، مشابہہ کے تعدد کی وجہ سے ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اختلاف احوال کے باعث (جمع ذکر کیا) کیونکہ پہلے ہلال ہوتا ہے پھر بدر وغیرہ۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد مطلق کو اکب ہیں، تو اس صورت میں حکم بطور تغلیب یا مبالغہ اور دعا کے ہو گا۔ ناظم نے جو کہا ہے کہ یظہرن انوارہا۔ اپنے انوار ظاہر کرتے ہیں حالانکہ وہ خود سورج کے انوار ہیں، تو ان کو اپنی چمک کی وجہ سے مخصوص کیا گیا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آسمان عدل و فضل میں بسبب نور کی زیادتی اور اصل کی فضیلت کے بمنزلہ سورج کے ہیں۔ اور مشارق و مغارب میں باقی انبیاء کو اکب کے درمیان بمنزلہ چاند کے ہیں، کیونکہ وہ آپ کی نبوت قدیمہ کے نور سے استمداد کرتے ہیں اور آپ کی رسالت قدیمہ کی روشنی سے نورانیت حاصل کرتے ہیں یا یہ کہ وہ نجوم (ستاروں) کی مانند ہیں، جو کہ تاریک راتوں اور سخت تاریک اوقات میں لوگوں کے لیے اپنے انوار ظاہر کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کے لیے یا تمام لوگوں کے لیے لوگوں کی تخصیص اس لیے

کی کہ تمام مخلوق میں سوائے ہمارے نبی پاک کے کسی کو مبعوث نہیں کیا گیا۔ جب شمس محمدی کا نور طلوع ہوا تو اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء اور رسول غائب ہو گئے۔ اس طریقہ پر انبیاء جن کو مستور کو اکب سے تشبیہ دی گئی ہے، کو مونث کی ضمیر سے تعبیر کرنا معتبرہ کے حکم کے مطابق ہے۔ قرآن پاک میں جو اللہ تعالیٰ کا فرمان آیا ہے اس کے برعکس ہے۔

رَأٰتِ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ رَاٰیْتَهُمَا لِي سَاجِدَیْنِ۔

اس بیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ماقبل انبیاء کی شرائع کی ناسخ ہے۔ اور اس بات کی طرف ایمان ہے کہ آپ کے دن کے بعد رات نہیں ہے اور آپ کے دین پر زوال و فنا کی تار کی نہیں چھا سکتی۔

اَكْرَمُ بِخَلْقِ نَبِيِّ زَاٰتِ خُلُقٍ
بِالْحُسْنِ مُشْتَمِلٍ بِالْبَشْرِ مُتَّسِمٍ

خلق پیغمبر نکو بر خلق خوش آراستند
مشتمل بر حسن باشد بر بشارت قسم

کیا عظیم الخلق صورت ہے مزین خلق سے
حسن صورت مشتمل ہے خندہ روئی سے ہم

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت ظاہری کتنی باکرامت ہے جس کو اخلاق نے آراستہ کیا ہے۔ جو صورت ظاہری حسن پر مشتمل ہے اور بشارت

سے متصف ہے۔

لفظی تشریح

اکرمیہ صیغہ تعجب۔ الخَلْقُ خلقت اور صورت۔ الخَلْقُ صفت وسیرت۔ الاشتغال، اصل میں شغلہ لپیٹنے اور اجابت دعوت کے وقت اس کو پہننے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ البَشَر سرور کے باعث جلد کے ظاہری حصہ پر چھٹا مار ظاہر ہوں۔ اس کو بشاشت بھی کہتے ہیں۔ بعض نسخوں میں البشیر کی بجائے البرہہ ہے وہ وسعت خیر اور سخاوت کو کہتے ہیں۔ الاتسام کسی شے سے متصف ہونا۔ وسمة سے مشتق ہے جس کا معنی علامت ہے۔ زائدہ خلق پورا جملہ ”نبی“ کی صفت ہے یا خلق نبی کی۔ بالحسن یہ مشتعل کے متعلق ہے۔ یہ مجبور ہو کر دوسری صفت ہے اور اس کا مابعد بھی ایسے ہی ہے حسن خلق کی طرف راجع ہے اور بشاشت خلق سے متعلق ہے۔ اور ہر ایک دونوں میں سے عام ہے۔ یہی بات میرے ذوق میں آئی ہے۔

معنوی تشریح

یہ با عظمت نبی اور اس کی صورت ظاہری کتنی کریم ہے جس کو سیرت باطنی اور صورت ظاہری نے حسین و آراستہ بنایا ہے۔ وہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نور علی نور۔ اور فرمایا: مثل نورہ کمشکوہ فیہا مصباح۔ آپ کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے کہ ایک قندیل ہو اس میں مصباح ہو جو اشتغال حسن اور تمام حالات، مقامات حرکات اور سکناات کے احاطہ کرنے سے موصوف ہو جو مکمل سرور دائمی بشاشت اور عام و خاص کے سامنے تبسم اور خوشی سے متصف ہو اس طور پر کہ ایک علام (اللہ تعالیٰ) اس سے راضی ہو علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ان پر صلوٰۃ و سلام نازل ہو جب تک کہ دن اور راتیں موجود ہیں۔

اگر تو چاہتا ہے کہ حضور کی تخلیق جسدی کی صفات میں سے تھوڑا سا ادراک کرے یا آپ کے اخلاق عالیہ کی نعتوں میں سے کچھ خوشبو سونگھے تو تم شفا اور مواہب (کتابوں کے نام ہیں) کو لازم پکڑو تاکہ تم عجائب و غرائب حاصل کر سکو۔

⑤۵ کَالزَّهْرِ فِي تَرْفٍ وَالْبَدْرِ فِي شَرْفٍ
وَالْبَحْرِ فِي كَرَمٍ وَالْدَّهْرِ فِي هِمَمٍ

چول بہار از تازگی بدہم چول بدر اندر شرف
ہمچول دریا در کرم چول روزگار اندر ہسم

تازگی میں ہیں وہ غنچہ اور شرف میں مثل بدر
دہر میں ہمت ہیں اور بخشش میں دریائے کرم

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نزاکت میں بھول بزرگی میں چودھویں کے چاند
سناوت میں سمندر اور ہمت میں زمانہ کی طرح ہیں۔

معنوی تشریح

آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرف و کرم میں بھول کی مانند ہیں، ظرافت، طراوت اور
لطافت میں اور رفعت، آب و تاب اور ضیاء باری میں چودھویں کے چاند کے مانند ہے
جس کی روشنی تمام کائنات پر پھیلتی ہے اور جس کا نور تمام مخلوقات پر غالب ہے۔
الزہر اور البدر آپ کی صورتِ مکرمہ سے متعلق ہیں۔ جب کہ البحر اور الدھر آخری دونوں
وصف آپ سیرتِ معظمہ کی طرف راجع ہیں۔ آپ افراد انسان کے ساتھ مختلف النوع

احسانات کرنے میں سمندر کی مثل ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یخرج منہ اللؤلؤ والمرجان (نکلتے ہیں اس سمندر سے موتی اور مونگے)۔

آپ زمانے کی مانند ہیں۔ ہمت فہل

اور نیت میں۔ دہر عصر سے اعم ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد بہادری اور ہمت کی بلندی ہے۔ جہاں تک وصف کا تعلق ہے تو یہ تحقیقی ہے۔ اور جہاں تک تشبیہ کا تعلق ہے تو یہ تشبیہ از قبیل نعمت معنوی کو امر حسی سے تشبیہ دینا ہے۔

جو آپ کے بدن مبارک کے گداز پن اور جسد اطہر کی نزاکت کے بارے میں آیا ہے ان روایات میں سے ایک یہ ہے جس کو شیخین نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے کسی حریر اور نہ ہی کسی دیباچ کو چھوا ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی مبارکہ سے نرم تر ہو۔ اور جو کچھ آپ کے مقام کی بلندی اور چہرے کی نورانیت کے متعلق مذکور ہے ان میں سے ایک روایت جس کی طرف آپ نے یہ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے: عالم کو عابد پر ایسے ہی فضیلت ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر۔ (اس کو احمد اور ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے) اور آپ کے کرم و احسان، نیکی اور بخشش کے بارے میں مروی ہے جس کو مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے آپ سے دو پہاڑوں کے درمیان موجود بکریوں کے ریوڑ کا سوال کیا، تو آپ نے اس کو وہی دے دیا، تو وہ آدمی اپنی قوم میں آیا اور کہا: اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ۔ خدا کی قسم! حاصل اس قدر عطا کرتے ہیں کہ ان کو فقر کا ذرا اندیشہ نہیں ہوتا۔ جو باتیں آپ کی قوتِ قلب، ہمت اور شجاعت کے ملکہ پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب مسلمان

جنگ حنین میں کفار کے سامنے سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے تو آپ قلت کے باوجود
مقابلے میں ڈٹے رہے یہاں تک کہ کفار ان کنکریوں کے باعث شکست کھا گئے جو
آپ نے ان کی طرف پھینکی تھیں۔ اور حضرت برابر بن عازب سے مروی ہے: خدا کی قسم!
جب جنگ خوب گرم ہو جاتی تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں اپنے آپ کو بچاتے
تھے۔ ان دونوں حدیثوں کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

آخری تشبیہ تحینات ادب میں شعرا عرب کی عادت اور مبالغہ کے مطابق ہے۔
اس کی مثال شاعر کا یہ قول ہے جو وہ اپنے ممدوح کے بارے میں کہتا ہے:

لہم لا منتهی لکبارہا

وہمتہ الصغری اجل من الدھر

(میرے ممدوح کی ہمتیں بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے بڑی ہمت کی تو

کوئی حد نہیں۔ ہاں، اس کی چھوٹی ہمت بھی زمانے سے بڑی ہے۔)

یہ شعر حضرت حسان کی طرف منسوب ہے۔ اس سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی مدح کی ہے۔

كَانَتْهُ وَهُوَ فَرْدٌ فِي جَلَالَتِهِ

فِي عَسْكَرٍ حَيْنَ تَلْقَاهُ وَفِي حَشَمٍ

گر کسے دیدیش تنہا خود ہی پنداشتے

کز بزرگی اوست اندر شکر و خیل و حشم

ہیں جلال و رعرب میں سرکار عالی بے نظیر
جیسے گرد و پیش رکھتا ہے کوئی فوج و حشم

ترجمہ: جب آپ تنہا ہوں تو پھر بھی اپنی جلالت کے سبب یوں معلوم ہوتا ہے گویا
کہ آپ بہت بڑے شکر میں تمکنت کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔

لفظی تشریح

فی جلالتہ فرد کی صفت ہے۔ فی عسکوہ مخدوف کے متعلق ہے۔ کائن کی خبر ہونے
کے لحاظ سے محل رفع میں ہے۔ ایک نسخہ میں حشم کے بدلے بُھم ہے۔ جو کہ بُھم کی جمع
بمعنی بہادر ہے بعض نے کہا ہے کہ بُھمۃ کی جمع ہے بروزن ثہمہ۔ بمعنی عسکر۔ سوار۔
لیکن آنے والے قوافی کے مطابق اس لفظ کو لانے کے لیے نسخہ مشورہ ہی اولیٰ ہے۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حالانکہ اپنی ذات کے لحاظ سے منفرد، اپنی صفات
کی عظمت کے اعتبار سے ثابت اور کمال ہیبت و جلال عظمت ایسے کمالات کے ظہور
میں بیگانہ ہیں۔ اس کے باوصف یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہت بڑے شکر کے قلب
اور لاتعداد جانشینوں کے جھرمٹ میں ہیں۔ اے مخاطب! جب تو حضور کو ملے گا تو اس
موجب ہمایوں میں دیکھے گا۔

اس بیت میں، حالت افراد میں آپ کی قوت شجاعت و عظمت مہابت کی طرف
اشارہ ہے۔ اور اس بات کا ایما ہے کہ آسمانی ملائکہ اور رجال الغیب آپ کے تابع
ہیں اور ان کی مصاحبت کی وجہ سے یوں ظاہر ہوتا ہے۔

ایک نسخہ میں من جلا لہ ہے۔ اس صورت میں یہ کاف سے حاصل ہونے والی تشبیہ کی علت ہے اور وہ معنی ہیں وجہ تشبیہ ہے جب کہ مفرد و مختار کو وقار اور ہیبت میں عکس و چشم کی معیت سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔

⑤ كَانَمَا اللُّلُؤُ الْمَكْنُونُ فِي صَدَفٍ
مِنْ مَّعْدِنِي مُنْطِقٍ مِّنْهُ وَمُبْتَسِمٍ

دُرِ مکنون در صدف دندان او بدگوئی
وال دہن گویا کہ می افشاںند مروارید، سم

ہیں وہ دندان مبارک مثل موتی سید ہیں
معدن نطق و تبسم ہے وہ دہن محترم

ترجمہ: یوں معلوم ہوتا ہے کہ تکلم و تبسم کانیں ہیں اور آپ صدف میں درمکنون ہیں۔

لفظی تشریح

شعر کو لؤلؤ کے پہلے ہمزے کو ساکن یا واو سے بدل کر اور منہ کی ہوا کو اشباع کیسا
پڑھا جائے گا۔ یہ ضمیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ المنطق،
نطق کی جگہ۔ وہ دل اور زبان ہیں اور دونوں بیان کا مظہر ہیں۔ المبتسم بصیغہ مفعول۔ جاتے
تبسم۔ وہ لبہائے مبارکہ ہیں جو کہ دندان مبارک کا مظہر ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ منطق اور متبسم دونوں
مصدر ہوں۔ اور اضافت بمعنی لام ہو۔ پہلی صورت میں اضافت بیانیہ ہے۔

شعر میں دو تشبیہیں ہیں۔ ان میں سے ایک معنوی اور دوسری حسی ہے۔

معنوی تشریح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع کلمات اور موتی، دندان مبارک کا نطق اپنی لطافت اور چمک دمک میں درمکنون کی مانند ہے۔ جیسے بھڑی نے کہا ہے

فمن لؤلؤ یبدیہ عند ابتسامہ

ومن لؤلؤ عند الکلام تساقطہ

(میرا محبوب تبسم کے وقت موتی ظاہر کرتا ہے۔ اور گفتگو کے وقت موتی

جھاڑتا ہے۔)

ناظم نے منہ اور دل کو معدن سے تشبیہ دی ہے اس لحاظ سے کہ یہ زیادہ لطافت ظاہر کرتے ہیں۔ موتی کو مکنون سے موصوف کیا جو کہ اپنی معدن اور صدف میں ہونے کی وجہ سے طراوت پر دلالت کرتا ہے نہ اس سے خارج ہونے سے (کیونکہ صدف کے اندر والا موتی صدف سے خارج موتی سے) چمک دمک میں زیادہ حسین ہوتا ہے۔

حضرت علامہ محلی نے حکایت بیان کی ہے کہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر اس شعر سے اور اس پہلے شعر سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بہت خوب صورت انداز میں بیان کر رہے ہیں۔

جب ناظم نے حال حیات میں صورت و سیرت کے بعض صورتی اور معنوی کمالات کی طرف اشارہ کیا تو اب اس بات کی طرف ایسا کرنا چاہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت میں بھی تمام مخلوقات سے ممتاز ہیں۔ جیسے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجساد مبارکہ کو کھائے۔

لَطِيبٌ يَعْدِلُ تَرْبًا ضَمًّا عَظْمَةً
طُوبَى لِمُنْتَشِقٍ مِّنْهُ وَ مُلْتَثِمٍ

ہیچ بولتے خوش چوبولتے خوابگاہِ اودنہ بود
نیک بخت آنکس کہ بولتیدست و بوسیدست ہم

ہے وہ خوش قسمت جو سونگھے اور بوسہ دے اسے
اے خوشا خوشبوتے خاکِ تربتِ شاہِ امم

ترجمہ: کوئی خوشبو اس مٹی کے برابر نہیں ہو سکتی جو کے جسمِ اقدس سے لگی ہے،
کس قدر سعادت مند ہے وہ شخص جس نے اس کو سونگھا ہے اور بوسہ دیا ہے۔
لفظی تشریح

الطیب خوشبو۔ عدل مساوی ہونا۔ ترب بمعنی تَرْبٌ یا تَرَابٌ ہے مینصوب
بنزع النافض ہے۔ الضم اکٹھا یا جمع کرنا۔ اعظم مڈیاں۔ جمع عظم کی۔ طوبی۔ طاب
سے مشتق ہے بوزن بشریٰ اور زلفی۔ طوبی میں واویار سے بدلی ہوئی ہے۔ ماقبل مضموم
ہونے کی وجہ سے۔ یہ مرفوع ہے جیسے سلام لک، یا مینصوب المحل ہے جیسے سلاماً
لک یہاں لام (حرف جار) بیان یہ ہے۔ جیسے سقیالک میں ہے۔ اس کا معنی ہے
تم بھلائی اور اچھائی کو پسند کرو۔ اس میں تعجب اور تمنی کے معنی بھی ہیں۔ انتشق سونگھنا۔ منہ
کی ہاء کو اشباع کے ساتھ پڑھیں گے۔ اور اس کی ضمیر ترب کی طرف راجع ہے اور یہی
زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے۔۔

التَّشَحُّدُ، بوسہ دینا۔

معنوی تشریح

مشک عبیر یا عنبر وغیرہ میں سے کوئی بھی ایسی خوشبو موجود نہیں ہے جو حضور کی قبر انور کی خاک کے مساوی ہو سکے۔ وہ قبر جس نے حضور کے اعضا کو چھوا، آپ کے اجزا کو جمع کیا اور جسم شریف کو محیط ہوئی اور بدن لطیف سے مقفون ہوئی۔ اس وجہ سے ناظم متعجب ہوتا ہے اور اس کو حاصل کرنے کی تمنا کرتا ہے۔

پس متفق علیہ حدیث میں ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ مروی ہے فرمایا کہ میں نے کوئی ایسا عنبر یا مشک نہیں سونگھا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک سے زیادہ خوشبودار ہو۔

یہ شعر حضرت بتول زہرا فاطمہ کبریٰ کے مرثیہ سے اخذ کیا گیا ہے آپ فرماتی ہیں۔

صبت علی مصائب لوانہا

صبت علی الایام صون لیا لیا

ماذا علی شم تریۃ احمد

لولم یشم مدی الزمان غوالیا

پھر علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حریم اقدس کعبہ سے افضل ہے جو اختلاف مشہور ہے وہ مکہ اور مدینہ و نو نون شہروں کے درمیان ہے بلکہ امام غزالی سے تو یہاں تک مروی ہے کہ وہ خاک مقدس جو حضور کے جسد اطہر سے زمین سے ملی وہ مرتبہ میں عرش سے بھی بلند ہے۔

جب ناظم یہ بیان کر چکا کہ حضور کی رسائی تمام احوال میں کمال تک ہے۔ اب اس بات

کی طرف اشارہ فرمایا کہ (آپ کے) جمال کے آثار مبادی سے ہی ظاہر ہیں۔ اور کہا :

أَبَانَ مَوْلِدُهُ عَنْ طَيْبِ عُنْصُرِهِ
يَا طَيْبَ مُبْتَدَأِ امْنَةٍ وَمُخْتَلَمِ

(۵۹)

وقتِ زادنِ پاکی ذاتِ شیرِ نفسِ شدید
پاکِ بوشِ مبتدا و پاکِ بودشِ مختتم

ان کی پیدائش سے ساری خوبیاں ظاہر ہوئیں
پاک ان کی ابتدا اور پاک ان کا مختتم

ترجمہ : حضور نبی اکرم ﷺ کا زمانہ ولادت اس کے بہترین عنصر کی

ظاہر ہوا۔ سبحان اللہ! کیسی عمدہ ہے وہ ذات جس کا زمانہ ابتدا اور اختتام

دونوں ہی بہت شاندار ہیں۔

لفظی تشریح

الابانۃ ظاہر کرنا۔ المولد، المبتدا اور المختتم یہ سب اسمائے زمان ہیں۔ ایک نسخہ میں مبتدا کی بجائے مفتوح ہے۔ العنصر اصل، ارکان۔ منہ کی ہا اشباع کے ساتھ ضمیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ولادت آپ کے مادہ، اصل نسب لطافت خلقت اور حسب کے نظام سے، اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اظہار سے ظاہر ہوا۔ پس اے میری قوم! تم آپ کے زمانہ خلقت کی ابتداء و اظہار اور آپ کی اختتام رحلت کا وقت دیکھو (کتنا عمدہ اور شاندار ہے)۔

مذا تعجب کے لیے ہے تعجب اور محبت برائے فہم و ترغیب ہے۔ اس شعر میں حضور کی حسن ابتداء اور حسن خاتمہ کی طرف اشارہ ہے اور ابتداء، جو کہ انتہا کی اساس ہوتی ہے، میں سعادت کی بلندی کی جھلک ہے۔ اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کے وصال کے بعد جبین انور چومتے ہوئے عرض کیا تھَا طَبَّتْ حَيًّا وَمَيِّتًا کہ آپ کی حیات و موت کتنی پاکیزہ و عمدہ ہے ابتدا اور اختتام سے مراد استمرار اور دوام ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: وَ سَبَّحُوْهُ بَكْرَةً وَّاَصِيْلًا (صبح شام ہمیشہ) اس کی تفسیر کرو، وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بَكْرَةً وَّاَعِشِيَا ان کے لیے

اس میں رزق ہے صبح و شام۔ (ہمیشہ)

يَوْمُ تَفْرَسَ فِيهِ الْفُرْسُ أَنَّهُمْ
قَدْ أَنْذَرُوا بِحُلُولِ الْبُؤْسِ وَالنِّقَمِ

اہل فرس آلِ رُوزِ دانستند کایشاں را نمود
بعد ازیں درد و بلا و خواری و رنج و نفتم

اہلِ فارس کو ولادت کی خبر جب مل گئی
ہو گئے دہشت زدہ اور چھپا گیا رنج و الم

ترجمہ: اس روز اہل فارس نے اپنی فراست سے سمجھ لیا کہ وہ سزا اور خوف کے نزول
کے باعث ڈراتے گئے۔

لفظی تشریح

یوم سے مراد مطلق وقت ہے، کیونکہ آنے والے شعر میں بھی آرہا ہے۔ (و بات
کسریٰ) یہ ماقبل شعر میں موجود لفظ مولدہ سے بدل ہے یا یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا
محذوف ہے جو کہ ہو ہے۔ تفرس، دیکھنا اور فراست سے معلوم کرنا۔ فراست ایک
ایسی قوت ہے جس سے انسان ظاہری آثار کے سبب معافی باطنہ کا ادراک کرتا ہے۔
الفرس، فارس کے باشندوں کا اسم جمع ہے۔ لغت عرب میں راز پر کسرہ ہے اور
کلام عجم میں راز کو ساکن پڑھا جاتا ہے۔ اِنَّهُمْ اس کی میم پر ضمہ پڑھا جائے گا۔ بُؤْس
ہمزہ کے ساتھ اور بغیر حمزہ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ ایسے خوف کو کہا جاتا ہے جو غم اور
دکھ کا باعث ہو۔ النقم بکسر نون وفتح قاف نقمة کی جمع بمعنی سزا۔

مسنوی تشریح

اہل فارس کو بطریق فراست اپنے علماء اور اکابر سے معلوم ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کا وقت آچکا ہے چونکہ وہ ایسی خوفناک اور ہیبت ناک علامات دیکھ چکے تھے کہ ان کی سلطنت اور ملت اب ختم ہو جاتے گی۔ آپ کی ولادت کے وقت ایسی علامات ظاہر ہوئیں جنہیں ارباصات کہا جاتا ہے۔ ارباصاص معجزات سے پہلے ظاہر ہونے والے خوارق کو کہا جاتا ہے۔ جن میں سے بعض کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے لیکن سب کو ذکر کرنا مصنف کے بس میں نہیں۔

(۶۱) وَبَاتَ اَيُّوَانُ كِسْرَى وَهُوَ مُنْصَدِعٌ
كَشَمَلِ اصْحَابِ كِسْرَى غَيْرِ مُلْتَمِ

طاق کسری شد خراب و کسر کسری شکست
در شکست احوال کفار و گداز نامد بسم

قصر کسری گر پڑا اور پارہ پارہ ہو گیا!
اور پراگندہ ہوئے کسری کے ساتھی ایک دم

ترجمہ: اور ایوان کسری رات کو پھٹ گیا۔ جیسے کہ کسری کے ساتھی یعنی شکرو
منتشر ہونے کے بعد منظم نہ ہو سکا۔

لفظی تشریح

بات۔ تفرس پر عطف ہے۔ بمعنی صار یعنی رات کے وقت ہو گیا۔ اس سے مراد

لیلۃ المیلاد ہے۔ الایوان ہر اس مستقف (چھت والی) عمارت کو کہتے ہیں جس کے سامنے
کی جانب دیوار نہ ہو۔ کسریٰ خسرو سے معرب ہے۔ یہ فارس کے بادشاہوں کا لقب (نام)
ہے جیسے مصر کے بادشاہوں کا نام فرعون۔ روم کے بادشاہوں کا نام قیصر حبشہ کے بادشاہوں
کا نام نجاشی ترکوں کا خاقان اور یمن کا تبع ہے۔ الانصداع پھٹنا۔ الشمل اجتماع کے
بعد متفرق ہونا۔ التَّغْم متصل ہونا۔

دوسری دفعہ جو کسریٰ مذکور ہے وہ پہلے کا غیر ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ اضمار کے
موقع پر اظہار کر دیا گیا ہو۔ پہلے سے مراد نوشیرواں عادل بن قباد ہے اور یہ حدیث کہ حضور
نے ارشاد فرمایا: ”میں بادشاہ عادل کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ امام سخاوی کے کہنے کے مطابق
اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ دوسرے کسریٰ سے مراد پرویز بن ہرمز بن یزد بن نوشیروان ہے۔
شرح منظومہ میں ہے کہ یہ دوسرا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن طاؤس بن
ہرمز، کا چچا ہے۔ حضرت امام اعظم کے جد امجد طاؤس اور پرویز دونوں ہرمز کے بیٹے
ہونے کے باعث بھائی ٹھہرے۔ اس طرح پرویز حضرت کے والد ماجد کا چچا ہوا مترجم،
اور آپ کے شاگرد رشید حضرت امام محمد کا نسب بھی طاؤس پر آپ کے نسب سے مل جاتا ہے۔
امام محمد کا شجرہ یوں ہوگا: محمد بن حسن بن عبد اللہ بن طاؤس۔

غیر ملتئم بات کی خبر ہے۔ کشمیل یہ جار مجبور غیر ملتئم کے متعلق ہے۔
یہ کہ وہ صرف اس لیے متصل نہیں ہوا تھا تا کہ تذکرہ باقی رہے۔ اس کی صفت یلتئم
ہے جو کہ شمل سے حال واقع ہو رہا ہے۔ پس التثام سے مراد اتفاق ہے۔

مسنوی تشریح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور آپ کے نور کی چمک کی رات کسریٰ کا ایوان

ٹوٹ گیا۔ جو کہ ان کے تباہ ہونے پر اشارہ ہے اور غیور ملت ان کے عدم تہور کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے دوسرے کے ساتھ اقبال مندی کے بعد متفرق ہو گئے۔ ان کو ایسی حکومت کرنے کا اتفاق ہوا کہ دنیا میں کسی بادشاہ کو ایسی بادشاہی کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس کی مسند، مقام، حشم، تخت پر بیٹھا۔ خادمین اور معاونین کا حاضر خدمت ہونے کے باوجود وہ شکست کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ اسلام آگیا۔ روایت ہے کہ جب ایوان گونجا تو وہ بذات خود اور اس کے مددگار بھی گر پڑے جب کہ اس موقع پر چودہ کنگرے بھی گر پڑے تھے تو اس نے عرب کے ایک بادشاہ نعمان ابن منذر کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ تاکہ یہ جو ظاہر ہوا ہے اس کے بارے اس سے پوچھے۔ تو خبر سیطیح کے پاس لے جانی گی۔

وہ عرب کے کاہنوں میں سب سے زیادہ ماہر تھا۔ اس کے جسم میں ماسوائے سر کے کوئی ہڈی بالکل نہ تھی۔ اس نے کہا، شاید اس کے مختلف اسباب ہوں اور کنگروں

کی تعداد کے مطابق بادشاہ مرجائیں گے۔ پس ان میں سے دس بادشاہ چار سال میں مر گئے اور باقی چار حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک ہلاک ہو گئے۔

وَالنَّارُ خَامِدَةٌ الْأَنْفَاسِ مِنْ أَسْفٍ
عَلَيْهِ وَالتَّهَرُّسَا هِيَ الْعَيْنِ مِنْ سَدَمٍ

(۶۳)

آتش گہراں بمرور از حسن و اندوہ و ملال
چشمہ آب رواں شد خشک در جوئے سدم

آتش فارس نے ٹھنڈی سانس لی افسوس سے
نہرچی چشموں کو بھولی از رہ اندوہ و غم

ترجمہ: اور آگ اس پر غم کے باعث بجھ گئی۔ اور حیرت سے چشمہ کا پانی ختم ہو گیا۔

لفظی تشریح

الخنو: بجھنا۔ نفس النار: شعلوں سے کنا یہ ہے الساہی غافل، السدم: حیرت النار
خامدہ کا پورا جملہ ہو منصدع پر عطف ہے اور جارتہ ہے کہ بات پر عطف ہو، کیونکہ
یہ جملے مفردات کے حکم میں ہیں۔

معنوی تشریح

وہ آگ جو ایک ہزار سال سے بھڑک رہی تھی۔ چونکہ لوگ اس کی عبادت کرتے تھے۔
اور اس آگ کے خادم بھی تھے۔ جو ہمہ وقت اس کی حفاظت کرتے اور اس پر فدا ہوتے تھے
تو وہ آگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور ولادت اور آپ کی نبوت و ولایت کے
سورج کی شعاعوں کی نورانیت کے وقت بجھ گئی اور اس کی حرارت ختم ہو گئی۔

اس شعر میں حضور کے نور سے اقتباس اور آگ سے دور رہنے کی طرف اشارہ ہے
آگ نے کسری پر یا فارس پر یا ان کے کافروں پر افسوس کیا کہ وہ اس کی عبادت کرتے
ہیں اور اس کے خالق کی عبادت کو ترک کرتے ہیں یا یہ کہ ان کے لیے ان کا معبود موقوف
تھا بنا بریں سبب تأسف کیا۔

اس مکرم گھڑی اور معظم بات (جس میں ظہور قدسی تھا) نہر فرات کا چشمہ جہاں

حیرۃ الزاق میں جاری ہوتا ہے، بند ہو گیا۔ وہ مسادہ میں واقع ہے۔ جو کہ دمشق اور عرق کے درمیان قصبہ واقع ہے یا پھر عین سے مراد دیکھنے والی آنکھ ہے۔ معنی یوں ہے۔ فرات کے پانی کا چشمہ۔ کہا گیا ہے کہ نہر کسری جس کے اوپر شاندار بند بنایا گیا ہے۔ اور اس پر بہترین جگہ بنائی گئی ہے۔ اس پر دنیا کے سراج بہت بڑی رقم خرچ کی گئی۔ بنی آدم کی آنکھ نے اس کی مثل کبھی نہیں دیکھا۔ اس رات اس کا اس طرح خشک ہوا جیسے سنگدل کی آنکھ سے قدرت البیہ اور عظمت سلطانی کی حشمت دیکھ کر بھی حیرانگی کے باعث آنسو نہ نکلیں۔

اس میں اشارہ ہے کہ جمادات مغیر ربانی کے تغیر اور مؤثر صمدانی کے اثر کو قبول کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پتھروں میں سے بعض ایسے ہیں جن سے نہریں بہتی ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو بھٹ جاتے ہیں تو پھر ان سے پانی نکلتا ہے۔ بعض ایسے ہیں جو خشیت الہی سے گر پڑتے ہیں۔ اور ایک مقام پر فرمایا: ”ہم نے کہا، اے آگ! تو ابراہیم علیہ السلام پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا“ ایک مقام پر فرمایا: ”ہر ایک شی اپنے رب کے حکم سے تباہ کرتی جاتی ہے“ اور فرمایا: ”ہم نے اس (قارون) کو اور اس کے گھر کو بھی زمین میں دھنسا دیا۔“

اس سارے بیان میں اس طبیعت کا رد ہے جو اصول شرعیہ کے مخالف ہے۔ اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ علوم عقلیہ کی نہر جو دقائق فلسفہ کو متضمن ہے۔ اس کی حضور کے علوم شرعیہ کے سمندر اور معارف حقیقی کے چشمہ کے سامنے کوئی وقعت نہیں ہے۔

وَسَاءٌ سَاوَةٌ أَنْ غَاضَتْ بِحَيْرَتِهَا
وَرَدَّ وَارِدُهَا بِالْغَيْظِ حَيْثُ ظَلَمَتْ

ساوہ غمگیں شد چو شتش آب دریا چہ خشک
تشنگاں زوباز گشتند جملگی در درد و غم

اہل ساوہ تھے پریشاں خشک چشمتے دیکھ کر
لوٹتے تھے گھاٹ سے غصہ میں پیاسے پرالم

ترجمہ: اور ساوہ دور ہو گیا کہ اس کے سمندر کا پانی نیچے اتر گیا۔ اور پانی کے طالب کو
جب پیاس لگی تو وہ غیظ و غضب کے عالم میں لوٹ آیا۔

لفظی تشریح

ساء غمگیں ہونا۔ ساوہ ایک شہر ہے جو زمانہ قدیم میں مکمل طور پر ہمدان کا تابع تھا
اور ہارون الرشید کے زمانہ میں قسم کے تابع ہو گیا جو کہ کاشان کے قریب ہے۔
خاص کم ہونا بطور لازم و متعدی دونوں طرح آیا ہے۔ بحیرہ، بحر کی تصغیر بعض نے
کہا ہے بحیرہ بڑا ہوتا ہے اور تصغیر برائے تعظیم ہے۔ رد مجہول ہے۔ اور اس سے قبل
واو عطف کے لیے ہے یا حال کے لیے۔ الواد پانی میں جھانکنے والا پانی میں داخل
ہو یا نہ ہو۔ آگے بڑھنے والے کو بھی کہا جاتا ہے۔ باء ملا بست کے لیے ہے۔ غیظ
اگر ظار کے ساتھ ہو تو اس کا معنی غضب و غصہ ہے۔ اگر غیض ضاد کے ساتھ ہو تو پانی کا
کم ہونا معنی ہو گا۔ یہ جار مجرور مل کر رد کے متعلق ہو گا۔ اور حین، رد غیظ یا وارو کے

متعلق ہوگا۔ ظہمی یہ ظہما سے فعل ماضی ہے۔ بمعنی پیاس لگنا۔ جب ہمزہ وقف کے طور پر ساکن ہوا تو اس کو یار سے بدل دیا گیا۔ بعض نسخوں میں جو حذف یار کے ساتھ لکھا گیا ہے وہ قلم کا سوہ ہے۔

مستوی تشریح

ساوہ کے ارد گرد یہود و نصاریٰ کی معتبر عبادت گاہیں اور مشہور سیر گاہیں تھیں جب اس صورت کے باوصف اہل ساوہ بڑے غمزہ ہوتے جب انھوں نے خلاف عادت، میلاد کی رات کو وہاں کے سمندر میں سے پانی کی کمی کو دیکھا۔ اور پانی کا طالب قاصد (بے نیل و مرام) قہر و غضب سے یا پانی کی کمی اور تھکاوٹ کے باعث واپس مڑ آیا جب اس کو پیاس لگی تھی اور اپنے آپ پر غصے کے عالم میں پیاسا ہی واپس ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ وہ اہل عذاب کا سمندر ہے وہ سراب کا ایک ٹکڑا ہے، جس کو پیاسا پانی خیال کرتا ہے۔ بخلاف کوثر کے جو خیر البشر حضور نبی اکرم ﷺ کو عطا کیا گیا ہے۔ وہ تو ایسا ہے کہ جس نے اس میں سے ایک گھونٹ بھی پی لیا وہ پھر اس کے بعد پیاسا نہ ہوگا۔

ایک نسخہ میں غاصت کے بدلے غاضت ہے۔ وہ معنی میں زیادہ واضح اور مدعا پر دلالت کرتا ہے۔ ناظم کے وارد ہا کہنے سے نقصان کا وہم دور ہو جاتا ہے۔ وارد کا معنی سابق ہے۔ جب سابق کا یہ حال ہے کہ اس کو پانی نہیں مل رہا، تو لاحق کا کیا عالم ہوگا۔ پانی بالکل اٹھنے (ختم ہونے) کی تاکید اس قول سے کر دی۔

كَانَ بِالنَّارِ مَا بِالنَّارِ مِنْ بَلَلٍ
حُزْنًا وَبِالنَّارِ مَا بِالنَّارِ مِنْ ضَرَمٍ

گو تیار جائے آتش آب بودے سرد و تر
از غم و بر جائے آب آتش بدے سوزاں و گرم

پانی پانی ہو گئی تھی آگ مارے رنج کے
اور پانی ہو گیا تھا آتشیں از سوز و غم

ترجمہ: آگ کو غم کے باعث نمی حاصل ہو گئی۔ اور پانی افسوس کے سبب آگ کی سی
حرارت میں تبدیل ہو گیا۔

لفظی تشریح

الضَّوْمُ آگ کا شعلہ یا چمکامی۔ النار اور الماء میں الف لام عہدی ہے یعنی فارس
کی آگ اور بحیرہ کا پانی بعض نے کہا ہے کہ الف لام جنس کا ہے مگر پہلی بات اظہر ہے۔

معنوی تشریح

پانی میں جو گیلیا بن تھا۔ وہ گویا کہ آگ کو حاصل ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آگ کو کفر اور
کفار کے زوال پر گہرا دکھ تھا۔ گویا کہ وہ کفر کے اضمحلال اور اپنے پیاریوں کی جلاوطنی پر آہ و بکا کر
رہی تھی اور اپنے احباب کی جدائی پر رو رہی تھی۔ پانی کو آگ کا شعلہ اور بھڑک پہنچ گئی تھی۔
اس کو بھی اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی جدائی کا غم تھا۔ گویا کہ وہ بھی اپنی سیرگاہوں کے
ختم ہونے پر افسوس کرنے کے لیے اور روشنیوں کے مفقود ہونے پر درد کا اظہار کرنے

کے لیے جل رہا ہے۔

(۶۵) وَالْجَنُّ تَهْتَفُ وَالْأَنْوَارُ سَاطِعَةٌ
وَالْحَقُّ يَظْهَرُ مِنْ مَعْنَى وَ مِنْ كَلِمَ

شکر شیطان فغاں کردند ز اندوہ تمام
نور حق تاباں زمستی و کلم شد دمبدم

کی فغاں جنات نے انوار بھی چمکے ادھر
نور حق روشن ہوا الفاظ و معنی سے بسم

ترجمہ: اور جن آوازیں دے رہے تھے جب کہ انوار پھیلے ہوئے تھے۔ اور حق،

معنی اور کلام سے ظاہر ہو رہا تھا۔

لفظی تشریح

الجن جُنَّة سے مانوڑ ہے جس کا معنی چھپانا ہے۔ چونکہ یہ لوگوں کی آنکھوں سے
پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا نام جن رکھا۔ تہف، چیخا۔ بات کو اس طرح سمجھانا کہ
سامع تکلم کو نہ دیکھ سکے۔ الحق، امر نبوت۔

معنوی تشریح

جنوں کے گروہ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا علم ہو گیا۔ اور ان کو حضور
کی رسالت کا وقت آنے کی خبر دی گئی۔ اس نور کے ظہور کے وقت انوار دنیا پر اس طرح
ظاہر ہوئے کہ روم اور شام کے محلات روشن ہو گئے۔ اور حق یعنی امر نبوت ایسے

معنی سے ظاہر ہوا جو کہ ولادت کو مقرون ہے۔ اور وہ روشن کرنا ہے۔ اور اس کلام سے ظاہر ہوا جو اشاعت کے ارادہ کے لیے جنوں سے منطوق ہوئی۔

مروی ہے کہ لوگوں نے ابوقبیس اور حجون پہاڑ سے اس درمکنوں کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کی مدح میں جنوں کی اصوات سنیں۔ کسی نے ان کو نہیں دیکھا۔

”تحقیق خیر البریہ احمد پیدا ہوئے“

ام عثمان بن ابی الیاس سے منقول ہے۔ فرماتی ہیں: میں حضور کی ولادت کی رات حاضر تھی، تو میں نے دیکھا کہ انوار تمام لوگوں اور شہروں (ملکوں) پر چھائے ہوئے ہیں۔ صفیہ بنت عبدالمطلب کہتی ہیں کہ میں نے ایسا نور دیکھا جو دسٹے کی روشنی پر غالب تھا۔ بعض نے کہا کہ جنوں کی آواز (شور) سے مراد یہ ہے جو انھوں نے کاہنوں کو خبر دی کہ عنقریب واضح اور پھیلنے والے انوار کی جلو میں ایک صاحب نبوت پیدا ہوگا۔ کہا گیا ہے کہ آپ کی حقیقت آپ کی صورت اور معنی سے ظاہر ہوتی ہے یا حضور کے ظاہر و باطن سے یا امور معقولہ محسوسہ سے یا قرآن کے معانی اور الفاظ سے آپ کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

عَمُوا وَصَمُوا فَأَعْلَانُ الْبَشَائِرَ لَمْ
تُشْمَعْ وَبَارِقَةُ الْإِنْدَارِ لَمْ تُشْمَعْ

کو رو کر گشتند شنیدند بشارت از خدا
ہم ندیدند برق بیم از غایت رنج و غم

اندھے اور بہرے تھے سنتے کس طرح خوشخبریاں
بلکہ خوفِ برق بھی ان کو نہ تھا از رنج و غم

ترجمہ : وہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ پس نہ تو بشارت کا اعلان سنا گیا اور نہ ہی
انذار کی چپک کو ان سے دیکھا جاسکا۔

لفظی تشریح

عموا اور صموا میں ضمیر اہل غناد کی طرف راجع ہے۔ جس پر قرینہ حال دلالت کرتا ہے
ذکر حبیب (اہل غناد) کی تعداد پر دلالت نہیں کرتا۔ (قرینہ یہ ہے کہ) اشیاء اپنی اصداد
سے واضح ہوتی ہیں۔ اعلان مصدر اعلن کا۔ ظاہر کرنا۔ اعلان ہو تو وہ علن کی جمع
ہے جس کا معنی علانیہ ہے۔ البشارت۔ بشیر کی جمع بعض نے کہا ہے کہ بشارۃ کی
جمع ہے بمعنی خوشخبری۔ ایسی خبر جو سرور اور خوشی کا سبب ہو اور پہلے نہ سنی ہو۔ یہ مذکور
مونث دونوں طرح مروی ہے۔ البارۃ یہ مصدر ہے بمعنی برق (چپک) جیسے کہ الکاذبۃ۔
اللہ تعالیٰ کے اس قول میں لیس لوقعتها کاذبۃ۔ (قیامت کے واقع ہونے میں کوئی
جھوٹ نہیں ہے) بعض نے کہا ہے کہ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ پھر اس کا معنی تو ار ہے۔
اس صورت میں اس سے مراد چپک دار انذار ہے۔ الانذار ایسا اعلان جس میں تخویف
اور نصیحت دونوں ہوں۔ شامہ بخلی کی چپک کی طرف دیکھنا۔

معنوی تشریح

کفار انوار کے دیکھنے سے اندھے ہو گئے۔ پس انھوں نے انذارتہ کی طرف نہ
دیکھا جو اپنی چپک دمک اور روشنی کے سبب نظر آسکتی تھی اور وہ اخبار اور اطلاعات سے

بھی بہرے ہو گئے۔ پس انھوں نے نبوت کی بشارتیں نہ سنیں جو علی وجہ الاعلان واقع ہو رہی تھیں۔ شاعر نے کہا ہے

لقد اسمعت لونا دیت حیا

ولکن لا حیاہ لمن تنادی

(بے شک تو نے سنایا۔ کاش! تو کسی زندہ کو پکارتا (تو تیری آواز کا جواب دینا) لیکن تو جس کو پکار رہا ہے۔ اس میں زندگی (کی کوئی رمت بھی باقی) نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کفار نے نہ تو خوشخبری دینے والے کی بشارت سے انتفاع کیا اور نہ ہی ڈرانے والے کی نذارت سے متاثر ہوئے۔ نہ ہی آیات و معجزات مرئیہ سے اور نہ سنائی دینے والی دلالات اور حکیات سے۔ نہ ہی آپ کی ولادت باسعادت کی رات پھیلنے والے انوار سے اور نہ ہی آپ کی رسالت کے ظہور سے متعلق جنوں کی اخبار سے نہ وہ متاثر ہوئے جب انھوں نے کسری کا ٹوٹا ہوا محل دیکھا۔ اور نہ ہی کاہنوں کے قول سے جب ان کو خبر دی گئی، کیونکہ وہ حق بات سننے اور قبول کرنے سے بہرے تھے اور حق دیکھنے اور پہنچنے سے اندھے۔

اس شعر میں لفظ و نشر مشوش ہے۔ اظہر یہ ہے کہ اس کا عکس ہے۔ ما بعد لفظی و معنوی لحاظ سے ماقبل سے متعلق ہے۔ پس یہ اس قسم سے ہے۔ جیسے قرآن پاک میں ہے: یوم تبیض و جود و تسود و جود۔ فاما الذین اسودت وجوہہم... الخ

②۴
مِنْ بَعْدِ مَا أَخْبَرَ الْأَقْوَامَ كَاهِنُهُمْ
بِأَنَّ دِينَهُمُ الْمَعُوجُ لَمْ يَكُنْ

پس ازاں کا اخبار ایشیاں کردہ بودند کاهناں
انکہ دینِ شاں کثرست و نیست خواہد گشت ہم

دی خبر اقوام کے سب کاهنوں نے بعد ازاں
دین ان کے ہو گئے باطل ہوئے سب کا عدم

ترجمہ: باوجود اس کے کہ ان قوموں کے کاهنوں نے ان کو آگاہ کر دیا تھا کہ ان کا
ٹپڑھا (غلط) دین قائم رہنے والا نہیں ہے۔ (پھر بھی وہ اندھے اور بہرے
بنے رہے۔)

لفظی تشریح

من بعد یہ جار مجرور میں دو سابقہ عوامل متعارف ہیں۔ الکاہن وہ شخص جو جنوں کے گروہ
سے سن کر بعض امور غیبیہ کی خبر دیتا ہے۔ جنوں کے گروہ آسمانی فرشتوں سے چوری کر کے بتاتے
ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں سے کوئی بھی ماسوائے اللہ
تعالیٰ کے غیب نہیں جانتا۔ الا عوجاج ٹپڑھا پن اور امور حسیہ میں صورت کے عدم
استقامت کو کہتے ہیں اور غیر حسی امور میں معنوی استقامت معدوم ہونے کو عوجاج
سے تعبیر کرتے ہیں۔ قاصت السوق (بازار کھڑا ہوا) یعنی جب بازار میں خرید و فروخت

عروج پر ہو۔

معنوی تشریح

کفار بہرے ہی رہے جب کہ انھوں نے انذار کی بشارتوں کو اس کے بعد بھی نہ سنا
جب کہ ان کے کاہنوں نے اپنی کفار قوم کو یہ بتا دیا تھا کہ ان کا وہ طریقہ جس کو انھوں نے بطور
نیا اپنایا ہے اور وہ اس درست راستے سے نکل گئے ہیں جن پر ان کو فطری طور پر پیدا کیا
گیا ہے۔ وہ طریقہ قائم نہیں رہے گا اور اس کو رواج حاصل نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
کہہ دیں کہ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔ اس شعر میں اشارہ ہے کہ حضور کی نبوت و رسالت کی
حقیقت و صداقت پر یہ (کاہنوں کی) خبر محق و مبطل ہے۔
بار بار انکار ہی طور پر آنکھوں کا نور بجھ جانے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اسی وجہ
سے ناظم بھی کہتا ہے۔

وَبَعْدَ مَا عَيْنُونا فِي الْأُفُقِ مِنْ شُهُبٍ
مُنْقِضَةٍ وَفُقَ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ صَنَمٍ

(۶۸)

دیدہ بودند ز آسماں آتش بزیر افتادہ بود
در زمین ہم سرنگوں از خواری افتادہ صنم

بعد ازاں یوں ٹوٹتے تاروں کو دیکھا چرخ نے
اور منہ کے بل گرے سب سرنگوں ہو کر صنم

ترجمہ: اور اس کے باوجود کہ انھوں نے افق میں ستاروں کو دیکھا جو کہ زمین
کے اندر بتوں کے گرنے کی مانند گر رہے تھے۔

لفظی تشریح

بعد بر اور نصب دونوں طرح مروی ہے۔ ما مصدریہ ہے یا موصولہ الافق
 فاء پر سکون برائے تخفیف ہے ویسے ضمہ ہے۔ آفاق کی واحد ہے۔ آسمان کی اطراف۔
 الشہب۔ شہاب کی جمع ہے۔ روشن ستارے۔ اس کا اطلاق پھیلنے والی آگ کے شعلہ پر
 بھی ہوتا ہے۔ زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ یہ شہاب ستارے کی آگ سے منفعل ہوتا ہے
 بذاتِ خود یہ کوکب نہیں۔ البتہ کوکب ان کو اپنے حال کے مطابق فلک میں کبھی کبھی ضم
 کر لیتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے آگ کی چٹکاری لی جائے جب کہ وہ ثابت اور کامل ہو
 ناقص نہ ہو۔ انقضا ض سقوط۔ گرنا۔ انقض السہم تیر کر گیا۔ مُنْقَضٌ میں (رفع نصب
 اور جر) تینوں حرکات جائز ہیں۔ وفق، یہ منصوب بنزع الخافض یا بوجہ حال واقع ہونے
 کے ہے۔ یعنی اس حال میں کہ شہاب اس بات کے موافق ہوں جو زمین میں ہے۔

معنوی تشریح

وہ کفار اندھے ہو گئے جب کہ انھوں نے انذار کی واضح بجلیوں کو اس کے بعد بھی نہ
 دیکھا جب کہ انھوں نے آسمان کے اطراف میں شہاب کے گرنے کا معائنہ کیا جو کہ زمین
 کے اندر گر کر خاک میں ملنے والے بتوں کی طرح گرے۔ حاصل گفت گویہ ہے کہ ان کفار
 کو آفاقی نشانیوں، استراقاتِ سمعی (جنوں کی چوہی کردہ اخبار کی سماعت)، اور بتوں کا
 مغلوب ہو کر منہ کے بل گرنے جیسی مشاہداتی نشانیوں نے ان کو کوئی فائدہ نہیں دیا۔ پس
 جیسے ان کو بیان سے کوئی فائدہ نہیں ایسے ہی عیاں یعنی مشاہدے سے بھی ان کی کوئی
 اصلاح نہ ہوئی۔

(۶۹) حَتَّىٰ غَدَا عَنْ طَرِيقِ الْوَحْيِ مُنْهَزِمٌ
مِّنَ الشَّيَاطِينِ يَقْفُوا إِثْرَ مُنْهَزِمٍ

از طریق وحی دیواں جملہ آوارہ شدند
دل شکستہ از پئے ہم میر سیدند از ہزم

بھاگتے تھے راستے سے وحی کے شیطان یوں
ایک پیچھے دوسرے کے سر پر رکھ اپنا قدم

ترجمہ: یہاں تک کہ شیاطین وحی کے راستے سے ایک دوسرے کے پیچھے پے
در پے بھاگ گئے۔

لفظی تشریح

حتیٰ عاطفہ ہے یا ابتدائیہ۔ یہ منقضیہ کے متعلق ہے۔ غدا بمعنی صار لقول بعض بمعنی
ذہب ہے۔ اس کا عطف منقضیہ پر ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول فالق الاصباح و
جعل اللیل سکنا۔ صبح کو پھاڑنے والا اور وہ جس نے رات کو پرسکون بنایا، منہزم
غدا کا اسم۔ یقفوا اس کی خبر ہے۔ اثر ظرف ہے۔ من الشیاطین۔ منہزم کی
صفت ہے عن طریق الوحی۔ ایک نسخہ میں عن طریق الحق ہے۔ یہ یقفوا کے
متعلق ہے، کیونکہ یقفوا، ہرب کے معنی کو متضمن ہے۔ ایسے ہی کہا گیا ہے بعض نے
کہا ہے کہ یہ غدا کے متعلق ہے۔ اظہر یہ ہے کہ یہ منہزم کے متعلق ہے۔ طریق الوحی
سے آسمان کے دروازے مراد ہیں۔

معنوی تشریح

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت ستارے ٹوٹ کر گرے۔ یہاں تک کہ چوری کرنے والے شیاطین بیٹھ بھیرتے ہوئے آسمان کے دروازوں سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ جو کہ انبیاء و مرسلین کی وحی کا راستہ ہیں۔ ہر شیطان نے ایک دوسرے کے پیچھے درپے درپے اتباع کی۔

حاصل کلام یہ کہ شہاب کے مسلسل کثرت کے ساتھ گرنے کا واقعہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور قدسی اور ولادت کے وقت ظاہر ہوا۔ اور کفار اس قسم کے واقعہ سے قبل معہود نہ تھے۔ اگرچہ ان کو فی الجملہ یہ علم تھا کہ یہ ستارے ان کے لیے رجوم بن کر ٹوٹتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے آسمان دنیا کو مصابیح سے مزین کیا۔ اور ان کو شیاطین کے واسطے رجوم بنایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان (جنوں کی) حکایت کرتے ہوئے یہ جو فرمایا ہے، ترجمہ: (اور بے شک ہم نے آسمان کو چھو اتو ہم نے اس کو پایا کہ وہ اس کی حراست کی گئی ہے اور شہاب سے پڑ رہا ہے۔ ہم پہلے تو سننے کے لیے آسمان میں اپنی جگہوں پر بیٹھا کرتے تھے پس اب جو بھی سنے گا وہ اپنی ناک میں شہاب پائے گا)۔
تو اس سے مراد بعثت کے بعد ہے۔ ایسے ہی شیخ جلال الدین محلی نے اس کی تحقیق کی ہے۔
اللہ تعالیٰ ان کے مقام کو بلند کرے۔

⑤ كَانَهُمْ هَرَبًا اَبْطَالُ اَبْرَهَةَ
اَوْ عُسْكُرًا بِالْحَصَى مِنْ رَا حَتِيْهِ رُمِيْ

چوں دلیرانِ مین بودند گویا در گریز !
یا چوں آں شکر کہ از خاکِ نفس گشتند کم

تھا وہ شکر ابرہہ کا یا پراگندہ ہی فوج
سنگریزے جن پہ پھینکے تھے یدِ شاہِ اُم

ترجمہ : گویا کہ وہ (شیاطین) بھاگنے کے لحاظ سے ابرہہ کے بہادر سپاہی ہیں۔
یا اس کے شکر کی مانند بھاگ رہے ہیں جن پر حضور کی ہتھیلیوں سے کسکریاں
پھینکی گئیں۔

لفظی تشریح

کانہم کی ضمیر کا مرجع شیاطین ہیں۔ ہر بات میرے یا حال ہے بمعنی ہار ہیں۔
والابطال۔ بطل کی جمع۔ بہادر۔ ابرہہ اصحابِ فیل کے سالار کا نام ہے۔ عسکو۔
ابطال پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ والراحۃ۔ ہتھیلی کا اندرونی حصہ۔ دھ
میں ضمیر عسکو کی طرف راجع ہے۔

معنوی تشریح

شیاطین پر جب آسمان دنیا سے شہاب پھینکے جاتے اور پچلی زمین کی طرف بھاگ
رہے ہوتے تو یوں معلوم ہوتا کہ گویا وہ ابرہہ کے بہادر ہیں۔ جب ابابیل نے ان پر پیل تھیر کی
کسکریاں پھینکیں۔ جب کہ وہ ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کرنے لگے تھے۔ (تو وہ بھاگ گئے) یا
پھر وہ بدر یا حنین کے مقام پر کفار کے شکر کی مانند ہیں کہ جب ان پر کسکریاں حضور کی
مبارک ہتھیلیوں سے پھینکی گئیں تو وہ شکست کھا گئے۔ رومی فعل کے مجہول ہونے میں اللہ تعالیٰ

کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: وما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمى (جب آپ نے کنسکریاں پھینکی تھیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں۔)

پہلا مصرع اصحابِ فیل کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ آپ بارہ ماہ ربیع الاول سوموار کی رات عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ اس واقعہ کے سبب یہ ہوا کہ مین کے بادشاہ نے صنعا میں ایک گرجا تعمیر کرایا تاکہ حاجیوں کو (بیت اللہ سے) پھیر کر اس کی طرف متوجہ کرے۔ تو بنو کنانہ میں سے ایک آدمی نے اس میں گندگی کا ڈھیر لگا دیا۔ بادشاہ نے قسم کھائی کہ وہ ضرور بر ضرور کعبہ کو گرائے گا۔ اس نے ایک عظیم شکر اور تعداد فوج کے ساتھ مکہ شریف کی طرف پیش قدمی کی۔ جب مکہ میں داخل ہونے کی تیاری کی، تو ان پر غشی طاری ہو گئی۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ اور سبیل تپھر کی کنسکریاں پھینکی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہر کنسکری چنے کے دانے سے کم اور مسور کے دانے سے بڑی ہوتی۔ کنسکری کا تپھر شکر کے خود پر گرتی اور دربر سے باہر نکل جاتی اور ان کو کھائے ہوتے چارے کی مانند بنا دیتی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اس کی طرف ہی اشارہ ہے: الحمد للہ کیف فعل ربك باصحاب الفيل (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے اصحابِ فیل کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ — دوسرے مصرع میں اشارہ ہے:۔

امام بخاری کی روایت کے مطابق غزوہ بدر کی طرف ہے۔ اور امام مسلم کی روایت کے مطابق غزوہ خنین کی طرف ہے۔ یہ واقعہ حضور کے معجزات میں سے ہے۔ آپ نے مٹی کی ایک مٹھی لی اور فرمایا: شاہت الوجوه (چہرے بد صورت ہو جائیں، اور کافروں کے چہروں کی طرف پھینکا۔ کوئی آنکھ بھی باقی نہ رہی مگر یہ کہ اس سے کچھ مٹی داخل ہوئی۔ عصام الدین نے کہا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ آپ نے کنسکریوں کی مٹھی لی تھی۔ اور

اس شعر سے بھی کنکریوں کا مفہوم حاصل ہوتا ہے۔ میں (شرح) کہتا ہوں کہ ناظم نے جو ”رائہ“ (تھیلی) کو تشبیہ استعمال کیا ہے وہ باعتبار دو غزوات میں دو واقعات کے ہے۔

نَبْذًا بِهٖ بَعْدَ تَسْبِيْحِ بَطْنِهَا

(۴)

نَبْذًا الْمُسَبِّحِ مِنْ أَحْشَاءِ مُلْتَقِمِ

او فگندہ از پتے تسبیح دروست رسول

مثل تسبیحی کہ یونس را بفگندہ از شکم

لے کے نام اللہ کا پھینکا جو کنکریاں نے

حضرت یونس کو اگلا جیسے ماہی کا شکم

ترجمہ: آپ نے کنکریوں کو اپنی تھیلیوں سے تسبیح کے بعد پھینکا جیسا کہ تسبیح کہنے والے (حضرت یونس) کو مچھلی کے پیٹ سے باہر پھینکا گیا۔

لفظی تشریح

نَبْذًا پھینکا مصدر اپنے غیر لفظ سے ہے۔ اس کی تقدیر یوں ہے۔ نَبْذًا

بہ۔ باء زائدہ ہے تاکہ مصدر کا عمل قوی ہو۔ بہ کے اندر ضمیر صی کی طرف راجع ہے۔

اور اس کے مذکر لانے کی وجہ ہے کہ وہ ایک اسم جنس ہے۔ اور بطنہما میں ضمیر

داحتیہ کی طرف راجع ہے المسبح تسبیح کہنے والا۔ مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں

نَبْذًا الْمُسَبِّحِ مضاف کے مقدر ہونے سے نَبْذًا کی صفت اصل میں ہے نَبْذًا مَثَل

المسبح، یا اس سے بدل ہے۔ دریں صورت وہ مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اس طرح عبارت یوں ہے: نبذ الله المسبح۔ الاحشاء جمع حشی۔ آنت (جو کچھ پیٹ کے اندر ہے) الملتقم، نکلنے والا۔ (مچھلی)

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی کتکریاں عظیم تسبیح کیا تھیں اپنی باکرامت ہتھیلیوں سے پھینکیں۔ تسبیح اس قدر بلند آواز سے تھی کہ بعض صحابہ کرام نے سنی۔ آپ نے کتکریوں کو ایسے پھینکا جیسے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے نکلنے کے بعد اس کے پیٹ سے باہر نکالا گیا جب کہ انھوں نے یہ تسبیح کہی تھی: لا اله الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فالتصمه۔ الحوت۔ الخ پس ان کو نگل لیا بڑی مچھلی نے اس حال میں کہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ اگر وہ سجین میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اس مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ ہم نے ان کو کھلے میدان میں ڈال دیا اور وہ بیمار تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر کے منہ پر کتکریاں پھینکی تھیں اور کفر بھاگ بھاگ گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالا اور وہ متحیر ہو کر واپس آئے، تو اس سے پہلے واقعہ کو دوسرے کے ساتھ تشبیہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ

اولاً: یہ دونوں واقعات خارق عادت ہیں۔ ثانیاً: جس حضرت یونس کا مچھلی کے پیٹ سے نکلنا ان کی نجات اور قوم کی ہدایت کا سبب بنا۔ ایسے ہی حضور نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کا کنکریاں پھینکنا مسلمانوں کی خلاصی اور بعض کافروں کی ہدایت کا سبب بنا۔

حضرت جلال الدین محلی نے کہا کہ ناظم پھینکی گئی کنکریوں کی تبیح کی دلیل پر تو واقف ہو گئے مگر اس آدمی پر آگاہ نہیں ہوتے جس نے اس بارے میں نفی کا اعتراض کیا ہے۔ یا اس ثابت شدہ بیح کو کسی اور مقام کے لیے ثابت کرنے کا قصد کیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی لی۔ ان کنکریوں نے آپ کی مٹھی مبارک میں تبیح کہی ہم نے تبیح کو سنا۔ اس کو صاحب شعا وغیرہ نے ذکر کیا۔ اسی پر ناظم کا قول بھی ہے۔

لیکن اس صورت میں حضور کے کنکریاں پھینکنے کی کوئی وجہ تعبیر اور حضرت یونس علیہ السلام باہر نکلنے کے ساتھ کوئی وجہ تشبیہ ظاہر نہیں ہوتی۔

جَاءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً
تَمْشِيْ اِلَيْهِ عَلَى سَاقٍ بِلَا قَدَمٍ

(۷۲)

ہم درخت آمد بفرمائش بہ نزد و سجدہ کرد
می دویدے سوے او دائم بساق بے قدم

ہو کے مسجد آپ کی دعوت یہ اشجار آگئے
پیر سے چلتے ہوتے رکھتے نہ تھے گو وہ قدم

ترجمہ: درخت، حضور کے بلا نے پر متواضع ہو کر قدموں کے بغیر اپنے تنوں

پر چلتے ہوئے آتے۔

لفظی تشریح

السجدة بستان ہونا۔ اور یہ سر کو زمین پر رکھنے سے مکمل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے۔ وضع افضل الاجزاء (سراؤس) علی ارض الارض (الارض) سب سے بہتر چیز کو گھٹایا اور کمینی شے پر رکھنا یا پھر وہاں پر مراد خضوع اور فرماں برداری ہے۔

درخت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے سبب آئے۔ اور جب حضور ان کو طلب فرمایا تو انھوں نے دعوت کو قبول کیا۔ اور اس طرح آئے کہ وہ مطیع اور عاجزی کی حالت میں سر کے بل آئے اور اپنے تنوں پر خضوع کے ساتھ بغیر قدموں کے گئے۔

اس شعر میں مختلف قسم کی خوارق عادت ہیں :

① نباتات کا خطاب کو سمجھنا۔ حالانکہ وہ زندہ چیزوں میں سے نہیں ہیں۔

② ان کا آنا۔

③ مختلف قسم کی متعدد حرکات و سکنات کرنا۔

④ ان کا حضور علیہ السلام کی طرف قصد کرنا۔

⑤ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے تواضع کرنا۔

⑥ پھر ان کا بغیر قدموں کے تنوں کے بل چلنا۔ یا تو سر کے بل چلنا ہے۔ یا پھر

عاجزی اور خضوع کے ساتھ۔

عصام الدین محلی نے فرمایا کہ یہ واقعہ ایک ہی درخت سے حاصل ہوا۔ درختوں

کے جمع کا صیغہ ذکر کرنا تکرار پر محمول ہے۔ یعنی وجود واحد ہونے کے باوجود حرکت کا تکرار مراد ہے، لیکن وہ اس چیز سے غافل ہیں۔ جو صاحب شفا اور ان کے علاوہ دیگر اہل وفائے شامل مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ ایک ایک اعرابی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کسی معجزہ (نشانی) کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: اس درخت سے کہو کہ تمہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاتے ہیں۔ (یہ حکم پہنچنے کی دیر تھی کہ) وہ درخت اٹھیں بائیں، آگے پیچھے جھکا۔ (اس طرح) اپنی جڑیں کاٹیں پھر وہ جڑیں زمین میں سے کھینچتا ہوا آیا اور حضور کے آگے آکر کھڑا ہو گیا۔ کہا: السلام علیک یا رسول اللہ! اعرابی نے کہا: آپ اس کو حکم دیں کہ یہ اپنی جگہ واپس چلا جائے، تو وہ درخت اپنی جگہ جا کر سیدھا ہو گیا۔ امام مسلم نے کتاب کے آخر میں حضرت جابر سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ ادھر ادھر دیکھا کوئی چیز ایسی نظر نہ آئی جو ستر کا کام دے سکے۔ اچانک آپ نے وادی کے دونوں کناروں پر دو درخت دیکھے۔ آپ ایک کی طرف تشریف لے گئے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اذن سے میری اطاعت کرو۔ وہ اطاعت کرتا ہوا ساتھ چل پڑا یہاں تک کہ دوسرے درخت کے پاس تشریف لائے۔ اور اسے بھی منہ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اذن سے میری اطاعت کرو۔ یہاں تک کہ پھر قضائے حاجت کے بعد دونوں جدا ہو گئے۔ ہر ایک اپنے اپنے تئیں پر کھڑا ہو گیا۔

(۷۳) کَاثِمًا سَطَرَتْ سَطْرًا لِّمَا كَتَبَتْ
فَرَوْعَهَا مِنْ بَدِيعِ الْخَطِّ فِي الْقَلَمِ

گوئیَا خطے کہ کردند شاخہا بر ہر درخت
می نوستندے خط نیکو عجب اندر رسم

ان درختوں نے لکیریں خوب کھینچیں اور لکھا
ڈالیوں سے اپنی وسط راہ میں با پیچ و خم

ترجمہ: گویا وہ درخت ایک خط کھینچے ہوئے آئے۔ اور ان کی شاخیں ان سطور
کے درمیان خوبصورتی پیدا کر رہی تھیں۔

لفظی تشریح

کانہا میں ما کا فہ ہے۔ السطر لکھا۔ لہا میں لام بمعنی وقت ہے۔ الفروع
ٹہنیاں۔ البدیع عجیب و غریب۔ بروزن فعل بمعنی مفعول ہے۔ اضافت از قسم صفت
کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ من۔ ما موصولہ کا بیان ہے۔ اوضمیر عائد مخدوف ہے
اصل میں تھا: کتبتہ۔ اللقم، راستے کا درمیان حصہ۔ بعض نے کہا ہے: اس کا معنی لوح
ہے۔ بعض نے کہا کہ روایت اور درانت کے اعتبار سے پہلا معنی ہی مناسب ہے۔ الباء
معنی فی ہے۔ لقم میں قلم کی تقلید ہے۔ الٹائے ہوئے حروف ہیں۔ وہ لکھنے کا
ایک آلہ ہے۔ اس میں کچھ غرابت ہے جو کہ محنات بدیعہ سے ہے۔

معنوی تشریح

اپچلے شعر میں گزر چکا ہے کہ حضور نے درختوں کو بلایا تو وہ اپنی جڑیں گھیسٹے ہوئے
آئے۔ راستہ غبار آلود ہونے کے باعث درختوں کی ٹہنیوں سے راستہ میں گھسٹنے کے باعث

لکیریں پڑ گئیں، ناظم نے زمین میں درختوں کی ٹہنیوں کے نشانات کو متدبر (سمجھدار) کے لیے ایسے خط سے تشبیہ دی جو کہ غور و فکر کرنے والے کے نزدیک معافی کا فائدہ دینے والے لفظ پر دلالت کرے۔

(۷۲) مِثْلَ الْغَمَامَةِ اَنْى سَارَ سَائِرَةٌ
تَقِيهِ حَرًّا وَطَيْسٍ لِّلْهَجْرِ حَبِيٍّ !

ابر بودے بر سرش تا او بر فتنے ہر کج
تا نگاہش داشت از گرمائے تابستان گرم

ابر کے مانند وہ سایہ فگن تھے آپ بدر
تا بچائے گرم موسم کی حرارت سے بہم

ترجمہ : ان درختوں کا حضور کے پاس آنا بادل کی ٹکڑی کی طرح ہے کہ حضور جہاں
جہاں بھی تشریف لے جاتے وہ ساتھ چلتی رہتی۔ اور آپ کو دوپہر کی سخت گرمی
سے بچاتی۔

لفظی تشریح

مخدوف مصدر کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اے مجیدؑ مثل
الغمامة۔ الغمامة عین پر فتنہ عصام الدین نے وہم کیا ہے کہ یہ بروزن عمامہ ہے
مگر یہ درست نہیں ہے، کیونکہ عمامہ کی عین پر کسرہ ہے۔ جیسا کہ قاموس وغیرہ میں ہے۔
مثلاً کو اگر مرفوع پڑھیں تو یہ خبر مبتدا مخدوف کی ہوگی۔ جو کہ ”ہی“ ہے جس کا مرجع الاشجار

ہے اس صورت میں معنی یہ ہے۔ درخت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے
 خدمت کرنے میں بادل کے مانند ہیں یا ان کا آنا بادل کے سایہ کرنے کی طرح ہے
 اس طرح مضاف مضاف ہوگا۔ الٹی کا معنی ہے کس جگہ سے کہاں تک۔ یا بمعنی
 کیف ہے۔ یعنی کیسے آئے پیدل یا سوار، تیز یا آہستہ۔ سائڈ مرفوع بلحاظ خبر
 مبتدا مقدر کی جو کہ صی ہے۔ تقیہ۔ حفاظت کرنا۔ یہ بھی مقدر مبتدا کی دوسری خبر ہے
 یا نیا جملہ ہے۔ یا اپنے مابعد کا واقع حال ہونے کے باعث منصوب ہے، تو معنی ہوگا،
 (درختوں کی آمد) وہ بادل کے مشابہ ہے جب کہ وہ چلنے والی ہو کہ کیسے چلے۔ الوطیس
 تنور۔ مراد گرم ہوا کا تنور ہے۔ حمی فعل ماضی ہے۔ اس کے آخر کا سکون بوجہ
 وقف عارضی ہے۔ یہ وطیس کی صفت ہے۔ کہا جاتا ہے، حمی الوطیس جب کہ جنگ
 سخت گرم ہو جائے یا کوئی مشکل معاملہ درپیش ہو تو یہ محاورہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اللہ بید
 دوپہر۔

بار معنی فی ہے ایسے ہی لام بھی فی کے معنوں میں ہے۔ جیسا کہ بعض نسخوں میں مذکور ہے۔
 معنوی تشریح

درخت حضور کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوتے چل کر آپ کے پاس آتے جیسا کہ
 بادل چلتے ہوئے اور دن کی سخت گرمی سے آپ کو بچاتے ہوئے آتے اور اہل اختیار انبیاء
 جہاں کہیں نبی مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے جاتے، درخت آپ کی خدمت سے
 مشرف ہوتے۔ بادلوں نے (آپ کی خدمت کرنے پر) فخر کیا اور سایہ کرنے کے لیے بلند
 ہو گئے تحقیق اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تمام بلندیاں اور پستیاں آپ کے سامنے
 سزگوں ہیں۔

محلّی نے کہا ہے کہ ترمذی کی روایت کے مطابق بادلوں کا حضور علیہ السلام پر سایہ کرنے کا واقعہ شام کی طرف تاجروں کے قافلہ میں اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ سفر کے دوران پیش آیا تھا۔ عصام الدین نے کہا: ناظم لویں کہتا: مثل الغمامہ لہا سائر سائرۃ وقتہ حر و طیس للہجیر حمی

یعنی انی کی بجائے لہا اور تقیہ کی بجائے وقتہ ہوتا تو زیادہ مناسب تھا کیونکہ انی۔ ان کے معنی کو متضمن ہے اور اس کا مدخول بہ استقبال کے معنوں میں ہوتا ہے اور حال یہ ہے کہ مقام ماضی کا مقضی ہے۔

اس اشکال کو دور کرنے میں جو بات دل کو کھٹکتی ہے اس کی غایت یہ ہے کہ اس سیر (سفر) سے ماقبل کی طرف نظر کرنے سے مستقبل سے یہ تعبیر کیا جائے کہ بادل کے موجود ہونے کا وہ زمانہ ابتداء ہے۔

اَقْسَمْتُ بِالْقَمَرِ الْمُنْشِقِّ اِنَّ لَیَّ
مِنْ قَلْبِهِ نِسْبَةً مَبْرُورَةَ الْقَسَمِ

(۷۵)

میں خورم سوگند بہر ما ہے کہ منشق شد ازو
نسبتے داروز قلبش ز اں درست آمد قسم

قلب پاک مصطفیٰ سے چاند کو نسبت ہے خاص
ماہ منشق کی قسم کھاتا ہوں میں سچی قسم !!

ترجمہ : میں دو ٹکڑے ہونے والے چاند کی سچی قسم اٹھا سکتا ہوں اس کو آپ کے قلب اور سے خصوصی نسبت ہے۔

لفظی تشریح

کہا گیا ہے کہ یہاں غیر اللہ کی قسم شاعروں کی عادت کے مطابق ہے وگرنہ شرع نے تو اس کو شرک شمار کیا ہے۔ اسی وجہ سے اس طرح کی قسموں میں مضاف مقدر سمجھا جاتا ہے تقدیر یوں ہوئی : اقسمت برب القمر اس اعتبار سے کہ یہ کلام اللہ سے حکایت کے طور پر ذکر کیا گیا ہو (تو وہ بھی جائز نہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی بعض موجودات کی عظمت بیان کرنے کی خاطر مخلوقات میں جس کی چاہے، قسم اٹھانا روا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول : کلا والقمر الخ

عصام الدین نے اس کو غریب کہا ہے۔ اور کہا کہ جس قسم سے حکم کی تاکید مراد ہو وہ منع نہیں ہے۔ اسی وجہ سے محاورات میں چاند کی قسم وغیرہ اٹھائی جاتی ہے اور اس سے روکنا ممنوع ہے۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے آپ نے فرمایا : جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔ اس کو امام ترمذی اور حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند سے روایت کیا ہے، اور صحیحین (بخاری و مسلم) میں آیا ہے کہ غیر اللہ کی قسم نہ اٹھاؤ۔ جو کوئی قسم اٹھائے وہ اللہ کی قسم اٹھائے یا چپ کر جائے۔

طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : بات دراصل یہ ہے کہ قسم مخلوق بہ (جس کی قسم کھائی گئی ہے) کی تعظیم کے لیے کھائی جاتی ہے۔ اور صیغہ تعظیم مخصوص ہے صرف

اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ (اس وجہ سے) اللہ تعالیٰ کے اسماء کے علاوہ قسم اٹھانا مکروہ ہے اس میں نبی، کعبہ، ملائکہ، مارنا (موت)، زندگی اور روح وغیرہ سب برابر ہیں۔ قسم کا اطلاق ابتدائی تین راتیں گزرنے کے بعد رات کو روشن ہونے والے پر ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کو ہلال کہا جاتا ہے۔ لٰہُ اور قلبہ دونوں کی ضمیریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راجع ہیں مبرورۃ القسم ایسی نسبت کی صفت ہے جو قسم کو صحیح کرنے والی ہو۔ اس طرح کہ اگر قسم اٹھانے والا اس نسبت کے ثبوت کی قسم اٹھائے تو وہ سچا ہوا اور قسم سے پورا اثر جاتے بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ یحییٰ (قسم) کی صفت ہے۔ اس پر اہمیت نے دلالت کی۔

معنوی تشریح

بے شک شق ہونے والے چاند کو حضور کے قلب انور اور سینہ ازہر سے بالکل واضح مناسبت اور صحیح مشابہت ہے۔ اس طرح کہ اس نسبت کے متعلق قسم اٹھانے والا سچا ہے۔

یہ انشاق بلا ضرورت التیام اور بغیر کسی اثر کے واقع ہوا۔ ان میں سے ایک آیات میں سے ایک آیت ہے اور دوسرا معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

انشاق قلب کے بارے میں امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کی ہے ایک دفعہ حیرانیل علیہ السلام آتے جب کہ حضور (ایام طفولیت میں) بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ انھوں نے آپ کو پکڑ کر لٹا لیا۔ اور دل کے مقام پر سے سینے مبارک کو شق کیا۔ دل کو نکالا اور اس میں سے کوئی چیز نکالی۔ کہا: یہ آپ میں سے شیطان کا حصہ ہے پھر اس کو سونے کے تھال میں دھویا اور نرم کیا۔ پھر اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ نبی پاک صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اپنے سینے میں سلائی کا نشان دیکھتا تھا۔

صحیحین میں حضرت ابوذر سے ایک روایت مروی ہے۔ حضور نے فرمایا: میں جب مکہ تھا، تو میرے مکان کی چھت پھٹی، جبرائیل اتر آیا۔ میرے سینے کو پیرا۔ پھر اس کو زمرم کے پانی سے دھویا۔ پھر وہ ایمان و حکمت سے بھرا ہوا سونے کا تھال لائے اور میرے سینے میں اُنڈیل دیا۔

پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور مجھے آسمان پر لے گئے۔ الخ

انشقاقِ قمر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں بیان فرمایا ہے: اقتربت الساعة وانشق القمر۔ وان یروا ایتہ یعرضوا ویقولوا محرم مستمر (قیامت قریب ہو گئی۔ اور چاند پھٹ گیا۔ اگر وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سلسل جادو ہے۔) اور صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں، تو انھوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا مطالبہ کیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے دو ٹکڑوں کے درمیان کئی اجزآ دیکھے۔ انتہی۔

یہ بات ثابت ہے کہ انشقاقِ قمر دو مرتبہ ہوا۔ اور یہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ شقِ صد کا واقعہ بھی دو مرتبہ ہوا، تو قلبِ منیر اور قمرِ مستنیر کے درمیان دو نسبتیں ہو گئیں۔

(۷۶) وَمَا حَوَى الْغَارُ مِنْ خَيْرٍ وَمِنْ كَرَمٍ
وَكُلُّ طَرَفٍ مِّنَ الْكَفَّارِ عَنْهُ عَمِي

جمع کردہ غار خیرات و کرامت ہاں سے
 باحسب چشم کا فرگشت زیں شاں کور ہم
 کیا نظر آتا انھیں کفار تھے سب کور چشم
 غار میں جو ہو گئے تھے جمع باخیر و کرم

ترجمہ: اور یاد کرو جب کہ غار (ثور) نے خیر اور کرم کو اکٹھا کر دیا۔ اور کفار کی ہر
 آنکھ آپ کو دیکھنے سے اندھ سی تھی۔

لفظی تشریح

ثور مکہ میں ایک پہاڑ ہے۔ من، کفار کا بیان ہے۔ خیر اور کرم سے مراد افعال جمیلہ
 اخلاق جلیلہ، وہی اور کسی عادات مبارکہ ہیں۔ یہ خذف مضاف کے طریقہ سے ہے۔
 اصل میں تھا۔ (من اهل خیر و من اهل کرم) اور اس طرح کا اطلاق مبالغہ کے
 طور پر ہوتا ہے۔ جیسے رجل عدل (بہت عادل مرد)۔

معنوی تشریح

خیر اور کرم دونوں سے مراد نبی اور ولی (حضرت ابو بکر صدیق) ہو سکتا ہے یا یہ مراد
 نفسِ شمر مرتب کے طور پر ہے۔ پس خیر مطلق سے خیر البریہ حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ
 علیہ وسلم اور کرم سے افضل الامت (حضرت ابو بکر صدیق) مراد ہیں۔

ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی کا ہم پر احسان نہیں مگر یہ کہ ہم نے اس کا بدلہ چکا
 دیا ہے سوائے ابو بکر کے۔ بے شک ابو بکر کا ہم پر احسان ہے۔ جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ان

کو قیامت کے روز عطا کرے گا۔ مجھے کسی کے مال نے نفع نہیں دیا۔ جتنا ابو بکر کے مال نے نفع دیا ہے۔

حضور نبی اکرم اور حضرت صدیق کے نشانات کا کھوج لگانے کے لیے غار کے ارد گرد چکر لگانے والے کفار کی نظر کو پھیر دیا گیا۔ عنہ کی ضمیر کو مفرد ذکر کیا، کیونکہ اصل متبوع ہوتا ہے۔ یا اس کی تقدیر یوں ہے: عن کل واحد منہما۔ دونوں میں کسی کی طرف بھی ان کی آنکھ نہ اٹھ سکی، اندھی رہی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ اَب
کا خیال ہے کہ وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ ان میں بصارت ہی نہیں۔
کسی شاعر نے کہا ہے

وَيُؤْذِي ضَوْءُ شَمْسٍ عَيْنَ خَفَاشٍ

وَقَالَ كَمَا يُضَرُّ رِيَّاحُ الْوَرْدِ بِالْجَمَلِ

صحیحین میں ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے کہا: میں نے ان کے قدموں کو اپنے سروں پر دیکھا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کوئی اپنے قدموں کی طرف دیکھے تو ہمیں دیکھ لے تو حضور نے فرمایا: ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو۔ قرآن پاک میں ہے: اَلَا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذَا خَرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
ثَانِي اٰثْنِيْنَ اِذْ هَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔

﴿۷۷﴾ فَالْصِّدْقُ فِي الْغَارِ وَالصِّدِّيقُ لَمْ يَرِ مَآ
وَهُمْ يَقُولُونَ مَا بِالْغَارِ مِنْ أَمْرٍ

صدق و صدیقند در غار و کس ایشان را ندید
کافران گفتند کس اینجانہ باشد منکتم

صدق اور صدیق اکبر غار ہی میں تھے چھپے
غار میں کوئی نہیں کفار کہتے تھے بسم

ترجمہ: سر اپا صدق (حضرت نبی اکرم) اور صدیق (ابوبکر) غار میں دکھائی نہیں دیتے
حالانکہ وہ کفار آپس میں کہہ رہے تھے۔ غار میں کوئی بھی نہیں۔

لفظی تشریح

الصدق مصدر بمعنی صادق و مصدوق ہے یا بالمعنی الاثم صاحب صدق مراد ہے۔
یا مبالغہ کے طور پر ہے۔ جیسے رجل عدل یعنی ایسا صادق و مصدوق جس پر صدق منحصر ہو
بلکہ وہ عین صدق ہو۔ مراد نبی اکرم کا غار ثور میں صدیق اکبر کی معیت میں تشریف فرما ہونا۔ جبکہ صدیق کا معنی ہوتا
ہے، کثرت سے سچ بولنے والا اس طرح کہ صدق سے مفارق نہ ہو۔ پس صدق کے
لیے ایسی جہز ہے جو ناقابل التکاک ہے۔ بعض علماء نے لَحْیَرِیَا کہا ہے۔ یا مفتوح
اور رار مکسورہ کے ساتھ۔ بمعنی لَحْیَبْرِیَا وَلَحْیَزُولَا۔ اس صورت میں اس کا اصل
یوں ہوگا۔ اس فعل کا عین کلمہ واؤ اور اس کے بعد یار واحد مذکر غائب صیغہ ہونے کی صورت
میں التقا کے ساکنین کے سبب واؤ۔ یار کی اتباع میں حذف ہوگئی۔ البتہ استعمال کی
صورت میں اس کی ہنیت یوں ہی ہے یعنی یار کو کسی عارضے کے سبب حرکت دینے
کی صورت میں یار برقرار رہتی ہے۔ اور یو نہی میم کو بھی عارضی طور پر حرکت دے دی
جاتی ہے۔ یہ دونوں صورتیں تنزیل کی ہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ ضرورت شعر پر مجبور کرنے

کی بجائے عارضے پر اعتبار نہ کیا جاتے کیونکہ یہ محل نظر ہے۔ اس لیے کہ ضروراتِ شریعہ میں اس قسم کا حذف غیر قیاسی ہے۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کے لیے مراد می معنی اخذ کرنے میں تشویشناک التباس کا باعث بنتا ہے۔ اور بالکل یہی صورت حال ہے اس قول میں جس میں کہا گیا کہ یہ لفظ روم سے مشتق ہے اور مجہول کا صیغہ ہے۔ روم کا معنی طلب کرنا ہے عجیب بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں صرف مطلوب ہی نہیں بلکہ محبوب بھی ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ ورم سے مشتق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے باوجود ادب کی وجہ سے طیش میں نہیں آتے بعض نے کہا ہے کہ زہروں سے پیدا شدہ ورم سے آپ برا فروختہ نہیں ہوئے، کیونکہ غار سانپوں کا ٹھکانہ تھی۔ اس صورت میں یہ خوارقِ عادات میں سے ہو گا بعض نے کہا ہے کہ یہ صیغہ مفرد کا موکد بانوں خفیہ ہے تو وقف کی وجہ سے نون کو الف سے بدل دیا ہے ضمیر حضرت ابوبکر کی طرف راجع ہے اور (یہ بیان) کے بارے میں خبر ہے جب کہ آپ کے قدم مبارک کو سانپ نے ڈس لیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے درد ختم ہو گیا۔

بعض نسخوں میں ”رؤیۃ“ سے بصیغہ مجہول درج ہے۔ اس کا معنی ظاہر ہے، لیکن بعض شارحین نے کہا ہے کہ یہ کتاب میں تصحیف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وہم یقولون۔ حال یہ ہے کہ غار کے دروازے پر کھڑے کفار، جو خدائے قہار کی مدد سے آنکھوں سے اندھے تھے، یہ کہتے ہیں کہ غار میں کوئی نہیں ہے۔

إِرم وَاِرم۔ کوئی ایک۔ ارم سے پہلے من برائے مبالغہ ہے۔

وہ کفار غار کے منہ پر مڑھی کے جال، کبوتری کے انڈے اور اس کے غار کے ارد گرد

اڑتے کو دیکھ رہے تھے۔

معنوی تشریح

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار ثور کے اندر پناہ گزین ہوتے بکفار بھی آپ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اور غار ثور کے دھانے تک پہنچ گئے۔ مگر وہاں انھوں نے کچھ ایسی علامات دیکھیں جن سے ان کو یہ وہم بھی نہ گزرا کہ غار کے اندر کوئی ہے۔ اور ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ یہاں غار کے اندر کوئی بھی نہیں ہے۔ حالانکہ حضور نبی اکرم اور حضرت صدیق تقریباً ساٹھ ہی تھے مگر وہ دکھائی نہ دیئے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ سے منقول ایک خبر پچھلے شعر میں گزر چکی ہے۔

وہ علامات یہ تھیں :

① کبوتری کا گھونسلہ اور اس کا منڈلانا۔

② گھونسے میں انڈا۔

بعض روایات میں ہے کہ قدرت خداوندی سے غار کے آگے بھول کا درخت کہیں دور سے آگیا۔ اور اس پر کبوتری نے گھونسلہ بنایا۔ اور انڈے دے کر سینے بیٹھ گئی۔

③ مکڑی نے غار کے منہ پر جالاتن دیا۔

مزید تشریح اگلے شعر میں ملاحظہ فرمائیں :

④ ظَنُّوا الْحُكَّامَ وَظَنُّوا الْعَنْكَبُوتَ عَلَى
خَيْرِ الْبَرِيَّةِ لَمْ تَنْسُجْ وَلَمْ تَحْمِ

تخم بنہادہ کبوتر بُد بہ بفت عت کبوت
کافراں راشد گماں کا نجایا سودہ نسو

دیکھ کر انڈے کبوتر کے اُدھر مکڑی کا جال
تھا گماں کفار کو اس میں نہیں شاہ اُمم

ترجمہ : انھوں (کفار) نے کبوتری اور مکڑی کو خیال کیا کہ مکڑی نے حضور نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم پر جالا نہیں تنّا۔ اور کبوتری نہیں اڑی۔

لفظی تشریح

البریۃ تشدید اور ہمزہ کے ساتھ مخلوقات۔ خیر البریہ سے مراد سید الانبیاء و
الاولیاء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لَحَتْ حُمْ (حام) کسی شے کے گرد چکر لگانا۔
دونوں فعلوں کو مونث لانے کا سبب یہ ہے کہ ناظم نے کبوتری اور مکڑی کی جنس مراد لی
ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عتکوت میں مشہور ہے کہ جالا بننا مونث کا شغل ہوتا ہے جیسا
کہ انڈے دینا مونث کے ساتھ مخصوص ہے۔

معنوی تشریح

کفار نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم تعین کے باعث گمان کیا کہ مکڑی
نے جالا نہیں تنّا اور کبوتری غار کے گرد نہیں اڑی، تو انھوں نے خیال کیا کہ گھر میں کوئی
مکین نہیں ہے۔ اور وہ نشانات کا کھوج لگانے سے باز آ گئے۔ کہنے لگے۔ اگر کوئی غار
میں ہوتا تو یہ نشانات ختم ہو چکے ہوتے۔ جب کسی نے کہا کہ تم اس غار میں داخل ہوتے
ہو کیا تم اس پر مکڑی کا جالا نہیں دیکھتے تو امیہ بن خلف بولا، یہ علامات تو میں نے

(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت سے قبل دیکھی تھیں۔

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت پر واضح ترین دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بڑے دشمن سے ایک کمزور ترین شے (جالا) کے ذریعے بچا لیا۔ نیز یہ اللہ تعالیٰ کے بلند مرتبہ نبی اور واضح دوست کے مراتب کی بلندی پر اظہر علامات میں سے ہے کہ پرندے اور کیڑے مکوڑے آپ کی خدمت کرتے ہیں جیسا کہ آپ کے لیے ظاہر ہوا۔

ناظم نے بہت بہتر انداز میں مختلف قسم کے معجزات اور خوارق عادات ذکر کی ہیں کہا گیا ہے کہ حرم کے کتو براس وقت اسی کبوتری کی نسل سے ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جالابننے کی وجہ عنکیوت (مکڑی) کو قتل کرنے سے روک دیا ہے۔

④ وَقَايَةُ اللَّهِ أَغْنَتْ عَنْ مُضَاعَفَةِ
مِنَ الدَّرْوَعِ وَعَنْ عَالٍ مِّنَ الْأُطْمِ

چوں خدا اور از مکر دشمنان محفوظ داشت
برزرہ حاجت نبودش و بحسن قلعه ہم

کی حفاظت آپ کی ایسی خدائے پاک نے
زرہ اور قلعوں سے مستغنی ہوئے شاہ امم

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حفاظت نے آپ کو متعدد زرعوں اور اونچے قلعوں سے مستغنی کر دیا۔

لفظی تشریح

الاطم - اطمۃ، کی جمع ہے - قلعہ -

معنوی تشریح

اللہ تعالیٰ ملک جبار کی حفاظت نے اپنے نبی مختار کو ذرعوں اور متعدد اسلحہ اور ہندو
بالا قلعوں سے مستغنی کر دیا۔ اس کی توجہ کافی ہے۔ اور اس کی حفاظت مکمل حفاظت ہے۔
کیونکہ اپنی مرضی کے مطابق جس کو چاہے اس کو اپنی مخلوقات میں سے جس سے چاہے
اس سے حفاظت کرتا ہے۔ جو بھی اس کی پناہ اور حفاظت کا ارادہ کرے اس کو اپنی
عجیب و غریب مصنوعات سے بچاتا ہے۔ جیسے کہ اس نے غار کو مضبوط قلعہ اور مگر مٹی
کے جالے کو قوت میں مضبوط ذرع بنا دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم اپنی حفاظت فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت اتری، واللہ یعصمک من
الناس۔ (اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا)۔ تو آپ نے قبر مبارک سے
سر نکالا اور فرمایا: لوگو! واپس چلے جاؤ۔ میرے رب نے مجھے اپنی حفاظت میں لے لیا
ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عصمت (پہلے بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تھی مگر)
پہلے بواسطہ حجاب تھی۔ جب حجاب اٹھ گیا تو رب الارباب نے (بغیر حجاب)
کے حفاظت کی۔

شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: الا تنصرون فقد
نصرتہ اللہ۔ اگر تم نے اس کی مدد نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کی ہے! اور ناظم اللہ
تعالیٰ کے اس قول کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے: وما النصر الا من عند اللہ

العزیز الحکیم۔ (نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے جو کہ غالب حکمت والا ہے۔)

مَا سَأَمَنِي الدَّهْرُ ضِيَاءً وَاسْتَجَرْتُ بِهِ
إِلَّا وَنِلْتُ جِوَارًا مِنْهُ لَمْ يُضْمِرْ

رنج اگر دیدم ز دہر و خواستم از فے اماں
در جوارِ او خصلوص از ہر بلائے یافتم

جب زمانے نے ستیا میں نے لی اُن کی پناہ
جب ملی ان کی مدد پس دور تھا سب رنج و غم

ترجمہ : زمانہ نے مجھے ظلم کی سختی نہیں چکائی۔ حال یہ ہے کہ جب بھی میں نے
حضور کی پناہ مانگی۔ مجھے پناہ مل گئی۔ اور زمانہ مجھ پر کوئی ظلم نہ کر سکا۔

لفظی تشریح

السوم۔ شدت اور محبت کا ذائقہ چکھنا۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے :
يسومونكم سوء العذاب (وہ تم کو بُرے عذاب کا ذائقہ چکھائیں گے۔ ایک نسخہ
میں سامنی کے بجائے ضامنی ہے جو کہ ضمیمہ بمعنی ظلم ہے۔ اور دہر کی طرف نسبت
مجازی عرفی ہے۔ جو کہ مطلق زمانہ مراد ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں پر مضاف مقدر مانا جائے
یعنی بخالق الدہر کہا جائے۔ ضمیمہ نسخہ سین (سامنی) کے مطابق مفعول
ثانی ہے اور نسخہ ضاد (ضامنی) کے مطابق مفعول مطلق ہے ایک نسخہ ضمیمہ
کی بجائے یوماً ہے جو کہ منصوب علی الظرفیت ہے۔ استجرت کا سامنی

پر عطف ہے۔ الاستیجار پناہ طلب کرنا۔

بعض نے اس کا معنی پناہ حاصل کرنا، التجا کرنا اور نجات چاہنا کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ استیجرت حال ہے (چونکہ حال جب فعل ماضی واقع ہو رہا ہو تو اس کے لیے قد کا آنا شرط ہے) قد مقدر ہے اور یہی اظہر ہے۔ استثنائاً مخرج ہے۔ بہ کی ضمیر کا مرجع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ نلت۔ نال سے مشتق ہے۔ مراد تک پہنچ جانا۔ اپنی آرزو اور مقصود کو حاصل کرنا۔ منہ میں ضمیر ضمیم کی طرف راجع ہے الجوار بکسر جیم۔ مجاورت کرنا۔ حفاظت کرنا۔ اگر جوار کا معنی خلاص ہو تو۔ اور اگر جوار کا معنی طلب ہو تو خیر البریۃ کے لینے ہے۔ لحدیضم مجہول استعمال کیا گیا ہے پھر یہ شعر اور اس کا مابعد بعض نسخوں میں قصیدہ کے آخر میں اس قول خدمت بمذیع الخ سے پہلے واقع ہوئے۔

معنوی تشریح

اللہ تعالیٰ نے امور اکوان میں سے کوئی تکلیف مجھے کسی زمانہ، کسی وقت اور کسی گھڑی بھی نہیں پہنچائی۔ اور حال یہ ہے کہ جب بھی میں نے اس کی طرف التجار کی اور خلاصی کو اس کے حوالے کیا تو میں نے اس سے خلاصی کو حاصل کیا اور پناہ کو پایا۔ زمانہ (مجھ پر) نہ غالب ہو سکا۔ اور نہ ہی ظلم کر سکا۔ نہ مجھے حقیر جانا، بلکہ احترام کیا۔

⑧ وَلَا التَّمَسُّتُ غِنَى الدَّارَيْنِ مِنْ يَدِهِ
إِلَّا اسْتَلَمْتُ النَّدَى مِنْ خَيْرِ مُسْتَلَمٍ

۱۱۹
ہرچہ کر دم التماس از نعمت ہر دوسرا
یا فتم بروجہ بہتر انجیہ از وی یافتم

دست اقدس سے طلب کی دین دنیا جب کبھی
سرفرازی ہو گئی جب مل گیا دست کرم

ترجمہ : میں نے جب بھی دونوں جہاں کی دولت آپ سے مانگی تو میں نے
بہترین عطا کنندہ سے سخاوت اور بخشش حاصل کی۔

لفظی تشریح

المستلم بفتح اللام۔ یہ اسم مکان ہے یا اسم مفعول۔

معنوی تشریح

میں نے غنائے دنیا بالکفایت اور غنائے عقبی بالسلامت، آپ کے احسان و اتقان
سے نہیں مانگا مگر یہ کہ میں نے عطاء کو حاصل کیا اور بہترین مطلوب اور مستلم سے اپنی آرزوؤں
کو پالیا۔ دونوں شعروں کا حاصل یہ ہے کہ صوری اور معنوی تکلیف کا دور کرنا، دینی اور
دنیاوی نفع کا اکتساب حضور کی ذات مقدسہ کے تمسک سے حاصل ہے اور آپ کے آستانہ
عالیہ پر کھڑا ہونے سے ملتا ہے۔

لَا تُنْكِرُ الْوَحْيَ مِنْ رُؤْيَاہُ إِنَّ لَكَ
قَلْبًا إِذَا نَامَتِ الْعَيْنَانِ لَمْ يَنْمِ

(۸۲)

پس مکن انکار وحی از خواب پیغمبر از انک
چشمش او در خواب رفتی دل بدشش بیدار ہم

اس وحی کا تونہ منکر ہو جو آئے خواب میں
آنکھیں سوتی تھیں مگر رہتا تھا دل بیدار ہم

ترجمہ: خوابوں میں آپ پر وحی اترنے کا انکار نہ کر کیونکہ بے شک آپ کا
ایک ایسا دل ہے کہ جب آنکھیں سو جاتی ہیں تو وہ نہیں سوتا۔

لفظی تشریح

لحدینم بفتح النون۔ ایک نسخہ میں اذا کی بجائے متی ہے۔

معنوی تشریح

اے منکر! تو اس بات سے انکار نہ کر۔ اور نہ ہی وحی ربانی اور الہام صمدانی جو کہ
آپ کو نیند کے دوران خوابوں میں حاصل ہوتا ہے، کو بعید سمجھ۔ کیونکہ کا دل مقدس عظیم اور
سینہ بے کینہ وسیع ہے۔ اور جب آپ کی آنکھیں سو جاتی ہیں۔ تو خوابوں میں آپ کا
دل مبارک نہیں سوتا۔ صحیحین میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

فَذَلِكَ حِينَ بُلُوغٍ مِّنْ نَّبُوَّتِهِ
فَلَيْسَ يُنْكِرُ فِيهِ حَالٌ مُحْتَلِمٌ

(۸۳)

وحی در خواب دل پیغمبر کی بودی ورا
خواب او منکر مشو تو مثل خواب مجہلم

تھا وہ معراج نبوت کا زمانہ آپ کے
پس نہ کر انکار ہرگز مثل خواب محتمل

ترجمہ: یہ حال تو حد نبوت پر پہنچنے کا ہے لیکن بالغ ہونے کی حالت میں تو وحی
کے بارے میں انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

لفظی تشریح

فیہ کی ہا کو شعر میں اشباع کے ساتھ پڑھیں گے۔ اور یہ ضمیر حین البلوغ کی
طرف ہے۔ المحتمل بفتح اللام مصدر میسی ہے بمعنی احتمال۔ (بالغ ہونا) ایسے ہی کہا گیا۔
اظہر یہ ہے کہ یہ مکسور اللام ہے۔ بمعنی بالغ۔

معنوی تشریح

وہ عظیم الشان اور مکرم وحی امر نبوت کے آغاز اور رسالت کی ابتداء کے وقت تھی۔
آپ کو نبوت چالیسویں سال کے بعد عطا کی گئی۔ اور یہ ابتداء نبوت کی حد ہے، لیکن اس
زمانہ میں ان اوقات کے پہنچنے سے قبل جب کہ آپ رجولیت کی حد تک پہنچ گئے اور
اوصاف کمال سے موصوف ہو گئے۔ خواب میں وحی کے دعویٰ کا انکار نہیں کیا جاسکتا
کیونکہ وہ مقدمات وحی نبی میں سے ہے۔

شرح السنۃ میں ہے کہ آپ کے تمام ایام وحی کی مدت ۲۳ سال ہے جس
میں سے چھ ماہ خواب (کے ذریعہ وحی) کے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کی تشریح کی گئی ہے۔ مومن کا خواب ابزائے نبوت میں سے
چھالیسواں جزو ہے۔

تَبَارَكَ اللَّهُ مَا وَحَّى بِمُكْتَسَبٍ
وَأَوْ نَبِيٍّ عَلَى غَيْبٍ بِمُتَّهِمٍ

پس بزرگ است آن خدا و وحی او کبے نہ بود
ہم رسول او نہ بد بر علم غیبش متہم

بارک اللہ سعی سے حاصل نہیں ہوتی ہے وحی

اور نہ علم غیب پر کوئی نبی رہے متہم

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ذات برکت والی ہے۔ وحی کسی نہیں ہے اور نہ ہی
کوئی نبی غیب سے متہم ہے۔

لفظی تشریح

مکتسب اور متہم دونوں مجہول کے صیغے ہیں۔

معنوی تشریح

اس کی خیر کثیر ہو۔ نفع دائمی ہو۔ اس کی کبریائی عظیم اور عالی ہو۔ یہ بطور تعجب انشاء
ہے یعنی سبحان اللہ اس کی وحی اکتساب اعمال سے حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی
یہ گمان کر کہ اخلاق اس کا سبب ہیں، بلکہ یہ تو محض اس کی موہبت اور مجر و عطیہ ہے۔
یہ اس کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ رسالت کے مستحق کو
سب سے بہتر جانتا ہے۔ امور کائنات کی خبریں اور مغیبات کی اطلاع ہر اس نبی
نے دی ہے جس کی نبوت ثابت اور معجزات متحقق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وما هو على الغيب بضمين ظاهر مثله کی قرأت کے مطابق اس کے معنی مستقم ہیں۔

(۸۵) كَمَا أَبْرَأْتُ وَصَبَّأُ بِاللَّئِيسِ رَاحَتَهُ
وَاطْلَقْتُ أَرِبًا مِّنْ رَّبْقَةِ اللَّئِيمِ

پس کساں را او شفا دے بے مالیدن بدست
وارہا نی دے بے دیواں گاں را از لم
جب چھو دست مبارک ہو گئی کامل شفا
اور رہا پائی جنوں سے اکثروں نے از کرم

ترجمہ: کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کو حضور کی ہتھیلی نے بیماری سے بری کیا،
شفا دی۔ اور حاجت مندوں کو گناہوں اور جنوں کے فتنوں کی بندھن سے
خلاصی دی۔

لفظی تشریح

کہ خبر یہ ہے۔ الوصب ورد اور تعجب۔ ایک نسخہ میں بکسر صا یعنی وصب
ہے بمعنی مرض یہی زیادہ واضح ہے۔ راحۃ ہتھیلی یا اس کا اندرونی حصہ۔ اطلاق
قید سے نکلا۔ ادب حاجت ایک نسخہ میں بکسر را (ارِب) ہے بمعنی صاحب حاجت۔
معنی کے لحاظ سے یہی اظہر ہے۔ الربقۃ ایسا رسہ جس کی کانٹھ ہو اور اس سے چوپائیوں
کو باندھا جاتا ہے۔ اللئیم چھوٹے گناہ جنوں کا کچھ حصہ، کیونکہ جنوں فتنہ انگیز ہوتا ہے۔

مسنوی سوز

بہت سے مصیبت زدہ اور بیمار لوگوں کو دکھ اور بیماری سے حضور کی رفیع الشان اور عظیم المرتبت ہتھیلی مبارک کی برکت سے راحت نصیب ہوتی۔ کتنے ایسے حاجت مند لوگ ہیں جن کو حضور کی ہتھیلی نے گناہوں کے ڈھنگے سے خلاصی دی یا تو نبوت کے ساتھ اور یا شفاعت کے سبب جو کہ بلند ہی درجات کا باعث ہے۔ کتنے ایسے ظاہری و باطنی جنوں میں مبتلا لوگ ہیں جن کو اپنے جنوں اور فتنہ انگیزی کی تاریکی کی گانٹھ سے رہائی دلائی۔ اور ان کو محراب کی طرف توجہ کرنے والے مجذوب بنا دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ ایک لڑکا آپ کے سامنے لایا گیا جس کو جنوں تھا۔ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اس کے سینہ پر پھیرا۔ اس کے پیٹ سے کالے کتے کے بچے کی مانند کوئی شئی نکلی

حضور نے اس کو اپنے ہاتھ مبارک سے کاٹ دیا۔ اور اس کا کوئی اثر بھی باقی نہ رہا۔ اس صاحب شفا اور دیگر اصحاب نے کثیر واقعات کے ساتھ بیان کیا ہے۔

وَاحْتِ السَّنَةِ الشَّهْبَاءِ دَعْوَتُهُ
حَتَّى حَكَتْ غُرَّةً فِي الْأَعْصِرِ الدُّهْمِ

(۸۶۶)

دعوتِ اوقط و تنگی از جہاں برداشتہ
تا تجور و اسپید بودی در سیاہی و نسیم

خشک سالی کی سفیدی ہو گئی کا فور سب اک دُعا نے آپ کی برسا دیا ابر کرم

ترجمہ : آپ کی دُعا نے قحط سالی کو زندہ کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ تاریک زمانوں
میں، پیشانی کی (چمک کی) حکایت کرنے لگا۔

لفظی تشریح

قاموس میں ہے کہ الشہب کا معنی ہے وہ سفیدی جو کنپٹی کے ساتھ ہو۔ سنہ
شہباء وہ سال جس میں کوئی سبزہ اور بارش نہ ہو۔ الغر تا پیشانی کی سفیدی۔ الا عصر
جمع عصر کی۔ زمانہ۔ اللہم جمع ادھم کی۔ سیاہ۔ دعا کی طرف احیاء کی نسبت مجازی و سببی ہے۔

معنوی تشریح

آپ کی دُعا نے اس سال کو پانی سے سیراب کر کے زندہ کر دیا جس میں زمین بارش
کی کمی کے باعث خشک تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہم نے پانی سے ہر شے کو زندہ کیا
یعنی ایسی قحط سالی تھی کہ نباتات کے باعث جو سیاہی (تزو تا زگی) زمین پر ہوتی، نباتات
نہ ہونے کے باعث زمین کی سفیدی اس سیاہی پر غالب آنے کے سبب وہ سال شہباء
کہلایا۔ اور یہ سفیدی کے طور سے ہے۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ رزق
کم ہوتا ہے، لیکن بالکل معدوم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ سال واضح طور پر اپنی پیشانی پر
سفیدی کو سیاہی مائل کر دے اور روشنی کو ظاہر کر دے۔

الغوة یہ لفظ غوة الفوس (گھوڑے کی پیشانی میں سفیدی) سے مستعار ہے۔

سیاہ زمانوں سے مقصد زراعت کی بہت زیادہ سبزی ہے یہاں تک کہ کثرت زراعت

کے باعث زمین پر سیاہی معلوم ہوتی ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ وہ سال باقی سالوں سے سرسبز و شاداب تھا گویا کہ وہ باقی سالوں میں ماتھے کی سفیدی (غرہ) ہے اور ہر شے کی غرہ اچھی ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ سیاہ زمانوں سے مراد قحط اور مہنگائی کے زمانے ہیں۔

(۸۷) بَعَارِضٍ جَادَ أَوْ خَلَّتِ الْبِطَاحُ بِهَا
سَيِّبًا مِّنَ الْيَمِّ أَوْ سَيْلًا مِّنَ الْعَرَمِ

برو عایش آمدے بارال و وادی پر شدے
گو تیا دریا بدے یا گو تیا سبیلِ عرم
ہو گئی کثرت سے بارش ندیاں بہنے لگیں
موج دریا کی نظر آتی تھی سیلابِ عرم

ترجمہ: (آپ کی دعا نے خشک سال کو زندہ کیا اس) بادل کے ساتھ جو خوب
برسا۔ یا اے مخاطب! تو نے اس خشک سال میں وادیوں کو خیال کیا کہ ان میں
دریا کا دافر پانی یا شدید سیلاب ہے۔

لفظی تشریح

العارض بادل۔ بار کا تعلق احیت یا دعوتہ یا حکت یا جاد سے ہے مشتق

جو دے ہے۔

خلت بکسر النون خیال سے مشتق ہے ظن کرنا یا گمان کرنا۔ البطاح بطحا کی جمع

ایسی وسیع وادی جو کنکریوں پر مشتمل ہو۔ بھا کی ضمیر السنۃ الشہباء کی طرف راجع ہے۔
 سیدبا عطا یا جاری پانی۔ یہ کلمہ خلت کا مفعول ثانی ہونے کے باعث منصوب ہے اور یہ
 مرفوع بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس طرح کہ یہ مبتدا مؤخر ہو اور بھا اس کی خبر مقدم ہو۔ اور
 جملہ اس کا مفعول ثانی بن کر محل نصیب میں ہو۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا نے مردہ زمین کو بسبب بادلوں کی آمد کے زندہ
 کر دیا۔ اس بادل نے بہت زیادہ بارش برسائی۔ یا اس قدر بارش برسائی کہ اسے مخاطب!
 تو نے اس سال وسیع وادیوں کو پانی کی عطا یا (بہت بڑا طوفان) پانی کی کثرت کے
 باعث گمان کیا کہ یہ پانی سمندر سے ہے یا وادی میں چلنے والا سیل عرم ہے۔
 اس شعر میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں اللہ تعالیٰ
 کے آسمان اور زمین کے ملکوت میں تاثیر موجود ہے۔

شیخین نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ جمعہ کے روز ایک آدمی مسجد میں داخل
 ہوا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس نے
 عرض کیا: یا رسول اللہ! مال ہلاک ہو گئے اور راستے منقطع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا
 فرمائیں کہ ہماری مدد کریں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور
 تین دفعہ کہا: اے اللہ! ہماری مدد کر۔ حال یہ تھا کہ ہم آسمان پر نہ کوئی بادل اور نہ ہی بادل کا
 ٹکڑا دیکھ رہے تھے، تو اچانک ایک کالی گھنگھور گھٹا اٹھی اور خوب بارش برسائی۔ خدا کی
 قسم! ہم نے ایک ہفتہ تک سورج نہ دیکھا۔ پھر لگے جمعہ ایک آدمی داخل ہوا جب کہ رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، عرض کیا: یا رسول اللہ! اموال ہلاک ہو گئے،

اور راستے منقطع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اس کو روک لے۔ حضورؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا: اے اللہ! اب ہم پر نہیں بلکہ ہمارے اڑوس پڑوس میں (بارش برسا) پس وہ بادل اکھڑ گیا اور ہم باہر نکل کر چلنے پھرنے لگے۔ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا۔ کہا یہ وہی پہلا آدمی تھا، تو آپؐ نے کہا: میں نہیں جانتا۔

سبت سے مراد کچھ عرصہ (مدت) مراد ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے ہم پر اگلے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ القرعۃ بادل کا ٹکڑا ایسے ہی محلی نے ذکر کیا ہے۔ آخری امام بخاری کی روایت کے مطابق زیادہ مناسب یہ ہے کہ سبت کی تفسیر ہفتہ (سات دن) سے کی جائے یعنی ہفتہ سے ہفتہ تک۔ جیسا کہ صاحب نہایت نے کہا ہے۔ اس نے مزید کہا: کہا گیا ہے کہ سبت سے مراد زمانے کی کچھ مدت ہے۔ خواہ زیادہ ہو یا کم۔

دَعْنِي وَوَصِفِي آيَاتِ لَّهِ ظَهَرَتْ
ظُهُورُ نَارِ الْقُرْأَى لَيْلًا عَلَى عَلَمٍ

گویش کن تا معجزات گویم کہ آں روشن بود
ہمچوں آتش در شب تاریک بر فوق علم

چھوڑ دے مجھ کو بیاں کرنے نبی کے معجزات
جو ہے شب میں مثل مہانی کی آگ اوپر علم

ترجمہ: اے مخاطب! مجھے آپؐ کی وہ نشانیاں بیان کرنے دے جو اس قدر
واضح اور ظاہر ہیں جس طرح کہ رات کے وقت پہاڑ پر ضیافت کی آگ ظاہر

ہوتی ہے۔

لفظی تشریح

القریٰ بکسراف۔ ضیافت مکانی۔ العلم پہاڑ۔

و اذ معیت کی ہے، کیونکہ ضمیر منصوب پر عطف کرنے سے مقصود و مطلوب میں منسل

آتا ہے۔

معنوی تشریح

اے ناصح مجھے کلام میں اختصار کرنے کی نصیحت چھوڑ دے کہ یہ بات انسان کو ملال اور اکتاہٹ کی طرف سے جاتی ہے، کیونکہ حبیب اپنے ذکر سے سیر نہیں ہوتا۔ مجھے بشمول میرے وصف کے چھوڑ دو جو کہ میں نے آیاتِ بینات اور واضح علامات اور ظاہر ہونے والے معجزات سے توصیف کی۔ یہ معجزات اور دیگر مذکورہ باتیں دنیا میں جہالت کی تاریکی محاسن اخلاق کے باعث اس طرح ظاہر ہیں جس طرح کے رات کے وقت علامت کے طور پر پہاڑوں کی چوٹیوں پر آگ نمودار ہوتی ہے، کیونکہ رات محتاج لوگوں کی حاضری اور مجاہدین اور مسافرین میں سے مشتاق لوگوں کی رسائی میں ہلاکت کا باعث ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ آیات قرآنیہ اور دلالات فرقانیہ اس وقت ظاہر ہوئیں، جب ان کی شدید ضرورت تھی اور حضور اس قدر بلند مرتبہ ہو گئے کہ اس سے مزید بلندی کا امکان نہیں ہے۔

قَالِدُّرِيزْدَادُ حَسَنًا وَهُوَ مُنْتَظَمٌ
وَلَيْسَ يَنْقُصُ قَدْرًا غَيْرَ مُنْتَظَمٍ

در اگر در رشتہ باشد حسن او را ید بود
ورنہ در رشتہ بود قدرش نہ کرد بیچ کم

حُسن ہوتا ہے دو بالا موتیوں کا ہار میں
یا لڑی سے بھی جدا کر دو نہ ہوگی فتدکم

ترجمہ: موتی حسن میں بڑھ جاتا ہے جب کہ وہ پرویا ہوا ہو۔ (یعنی ہار میں ہو) اور
اس کی قدر ہار میں نہ ہونے کے باوجود کم نہیں ہوتی۔
لفظی تشریح

حسنا و قدرا دونوں تیز ہیں۔ ینقص معلوم و مجہول دونوں طرح مڑی ہے
اور غیر منتظم یہ حال ہے۔ فاء علت بیان کرنے کے لیے ہے۔
معنوی تشریح

حضور کے اوصاف جمال اور اسباب کمال نہایت مشہور ہیں جیسا کہ اخبار و آثار
میں وارد ہے۔ میں نے ان میں سے صرف بعض کو نظم کی لڑی میں پرو دیا ہے، کیونکہ
اس طرح وہ زیادہ مضبوط اور محفوظ ہوں گے اور فہم کے زیادہ قریب ہوں گے جس طرح
کہ موتی لڑی میں پروتی ہوتی حالت میں از روئے حسن زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے، لیکن
ارباب علم کے نزدیک بھری ہوئی حالت میں بھی اس کا مرتبہ کچھ کم نہیں ہوتا۔

فَمَا تَطَاوُلُ أَمَالِ الْمَدِيحِ إِلَى
مَا فِيهِ مِنْ كَرَمِ الْخُلَاقِ وَالشَّيْخِ ⑨٠

ہرچہ کا گوید مدیح مصطفیٰ بسیار نصیبت
کو مزین بد بہ حشوت نیک احسان و شمیم

اس لیے مداح ہیں توصیف میں عاجز تمام
فہم انساں سے ہیں بالا ان کے اخلاق و شمیم
ترجمہ: کیوں نہ بڑھیں مدیح کی آرزو میں اس ذات کی طرف جو اخلاق کریم اور
خصائل محمودہ کا پیکر ہے۔

لفظی تشریح

تطاؤل کسی شے پر مزید آگاہی حاصل کرنے کے لیے اپنی گردن آگے بڑھانا۔
الامال جمع امل کی۔ اُمید۔ یہ مدیح کی طرف مضاف ہے۔ بعض نے کہا ہے؛
مدیح بمعنی ممدوح ہے۔ اس پر الف لام عہدی یا استغراقی ہے۔ اور یہی بات اولیٰ ہے۔
ایک نسخہ میں امالی المدیح ہے یعنی امالی بیائے مشکم اور مدیح منصوب بنزع
الحافض ہے۔ اخلاق کریمہ عادات کسبیہ یا طبیعت۔ الشمیم جمع شیمۃ کی خصائل محمودہ و
پسندیدہ جو کہ وہی احوال میں سے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ پہلا ما استفہامیہ ہے بمعنی نفی۔
کسی چیز کا مقدار ماننا ضروری ہے۔ پس اگر قصیدہ کے ساتھ آپ کی
صفات حسنہ کی طرف بڑھ گئی ہیں، لیکن میں ان سب کو بیان کرنے تک نہیں پہنچ سکتا۔
اگرچہ میری عمر ہزار سال تک ہی طویل ہو جائے۔
بعض نے کہا کہ ما نافیہ ہے۔ اور فاء برائے تعلیل ہے، اور بعض نے کہا کہ ما
موصولہ ہے اور فاء وصفیہ عطف کے لیے ہے۔

معنوی تشریح

حاصل معنی یہ ہے کہ میں تو صرف اس لیے ہر قسم کے اشغال اور حالات زندگی کے بیان سے منتقل ہو کر آپ کی نشانیوں اور معجزات کی طرف آیا کہ آرزوئیں شاندار وضع و عادات اور عمدہ اخلاق کی گہرائی تک نہیں جاسکتیں۔ میں نے چاہا کہ آیات بنیات کے بیان سے مشرف ہو جاؤں۔ اور ان کے لطائف کے سمندوں سے فیوضات کا چھڑکاؤ کروں۔ جو چیز مکمل نہ حاصل کی جاسکے وہ مکمل طور پر چھوڑی بھی جاتی۔ ساری شے کو ترک کرنے کی بہ نسبت بعض بھلائی کو حاصل کرنا بہتر ہوتا ہے۔

⑨ آیَاتُ حَقِّ مِنَ الرَّحْمَنِ مُحَدَّثَةٌ
قَدِيمَةٌ صِفَةُ الْمُوصُوفِ بِالْقَدَمِ

آیہ ہائے حق کہ از رحمن سرود آمد بہ تو
اں قدیم است و بود و صفش بموصوف قدم

مصحف رحمن کی سب آیتیں ہیں لا جواب
ہے صفت اس کی قدیم اور ہے وہ موصوف قدم

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ آیات حادث ہیں لیکن یہ موصوف
کی صفت کے اعتبار سے قدیم ہیں۔

لفظی تشریح

آیات حق بطور مبتدا مرفوع ہے۔ من الرحمن صفت ہے۔ اس کی خبر محدثہ

قدیمہ ہے یا اس طرح کہ محدثہ قدیمہ خبر مبتدا محذوف کی ہے جو کہ بھی ہے یعنی وہ آیات جو موصوف ہیں۔ اور باقی تمام آیات اخبار مترادفہ یا صفات متلاصقہ ہے یا یہ (آیات حق) منصوب ہے۔ اس صورت میں یہ یا تو منصوب علی المدح ہے اور یا یہ عطف بیان ہے آیات کا جو کہ اس قول و معنی وصفی آیات میں مذکور ہے اور محدثہ و قدیمہ کا بھی یہی حال ہے۔ اور صفتہ الموصوف کا بھی۔

ایک نسخہ میں محدثہ کی بجائے محکمہ ہے پھر مصنف نے صفت شبہ کا اس کے بعد ذکر کیا یعنی آیات ثانیہ یا آیات صادقہ۔ اور صفتہ الموصوف مبتدا ہے اور قدیمہ خبر ہے۔ اسی طرح علمائے فرمایا:

اظہر یہ ہے کہ صفتہ الموصوف خبر مبتدا محذوف کی ہے جو کہ بھی ہے۔ (مرجع اس ضمیر کا) یہ آیات ہیں۔

معنوی تشریح

آیات قرآنیہ اور کلمات فرقانیہ ثابت شدہ آیات اور سچے معجزات ہیں جو افراد انسانی کے تعاضد کے مطابق رحمن کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الرحمن..... الخ وہ رحمن جس نے قرآن سکھایا۔ انسان کو تخلیق کیا اور اس کو بیان (گویائی کا طریقہ) سکھایا۔

یہ (آیات) از روئے نزول کے حادث ہیں۔ اور از روئے وجود و حصول کے قدیم ہیں۔ یا از روئے لفظ کے حادث از روئے معنی کے قدیم ہیں۔ اور یہ صفت قدیمی سے موصوف ہیں۔ پس ان پر سمت عدم جاری نہیں ہو سکتا۔

اس شعر میں معتزلہ کا رد ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے قدیم کلام کو حادث کہا۔

اور ضابطہ کا پر رو ہے، کیونکہ وہ اس کے الفاظ بھی قدیم مانتے ہیں، بلکہ انھوں نے کہہ دیا کہ اس کی کتابت سیاہی اور اوراق بھی قدیم ہیں۔ حالانکہ یہ نہایت کم عقلی کی بات ہے جو کہ دانش مند لوگوں کے لیے بالبدایت ظاہر البطلان ہے۔

اہل تحقیق کے، اس مسئلہ میں دو مذاہب ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن صرف کلام نفسی کا نام ہے اور اس کا اطلاق مرکب من الاصوات و الحروف پر مجازی ہے یہ مذہب قدیم مشائخ کا ہے اسی وجہ سے انھوں نے اس کی یوں تعریف کی ہے۔ قرآن ایک ایسی صفت ہے جو کہ حروف اور اصوات کے روپ میں جلوہ نما ہوتی ہے۔ پس قرآن باعتبار منظر کے حادث ہے اور بہ اعتبار صفت منظر کے قدیم ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ قرآن کا اطلاق بالاشترک دونوں (کلام نفسی و لفظی) پر ہے پس وہ معنی اول کے لحاظ سے قدیم ہے اور معنی ثانی کے اعتبار سے حادث ہے۔ یہی مشہور اور مذہب منصور ہے اور مکمل تفصیل تطویل کی مقتضی ہے۔

(۹۲) لَمْ تَقْتَرِنَ بِزَمَانٍ وَهِيَ تُخْبِرُنَا
عَنِ الْمَعَادِ وَعَنْ عَادٍ وَعَنْ إِرَامٍ

مقترن نامد بوقتے دائمًا ثابت ہواں !
او خبر داد از معاد و حشر و ز عاد و ارم !

ہر زمانہ سے بری ہیں اور سناتی ہیں ہمیں
عاقبت کا حال بھی اور قصہ عاد و ارم

ترجمہ: یہ آیات کسی زمانہ کے ساتھ مقترن نہیں ہیں حالانکہ یہ ہمیں قیامت، قوم عاد اولیٰ اور عاد ارم کے متعلق آگاہ کرتی ہیں۔

معنوی تشریح

آیات قدیمہ اور نشانات کریمہ ماضی، حال اور مستقبل میں سے کسی زمانہ اور حال سے مقترن نہیں ہیں کیونکہ زمانہ کے اقتران سے دو چیزیں لازم آتی ہیں۔

① حدوث آیات

② قدیم زماں (زمانہ کا قدیم ہونا)

اور یہ دونوں باتیں اہل عرفان کے ذوق کے خلاف ہیں۔ حالانکہ یہ (آیات) ہمیں امور معاد اور امور مبادی کے متعلق آگاہ کرتی ہیں۔

معاد کہتے ہیں بروز قیامت مخلوق کا مرنے کے بعد اصلی حالت میں لوٹ آنا۔ اور عن عاد اور عن ادم سے وہی مبادی مراد ہیں۔ عن عاد سے مراد عاد اولیٰ ہے جو کہ ایک قوم تھی۔ اور عاد ارم بھی اسی طرح ہے۔ اور ان جیسی ہی مثالیں ہیں۔ قوم نوح و قوم ثمود کے قصے۔ ناظم کا مقصود یہ ہے کہ قرآن کے معانی سے جو زمانہ ماضی یا مستقبل کا مفہوم نکلتا ہے۔ وہ صرف ہماری طرف اضافت کی وجہ سے ہے۔ ورنہ کلام نسفی تو حدوث سے مبرا ہے۔ جیسا کہ وہ (قرآن) ہمارے سامنے پختہ ہے۔

(اس شعر میں یہ بات بھی مفہوم ہے) کہ جس طرح آیات بشمول اپنے الفاظ کے معجزہ ہیں۔ ایسے ہی یہ آیات بہ اعتبار معانی کے بھی معجزہ ہیں، کیونکہ یہ آنے والے زمانوں میں ہونے والے امور کے بارے میں خبر دیتی ہیں۔

(۹۳) دَامَتْ لَدَيْنَا فَفَاقَتْ كُلَّ مَعْجَزَةٍ
مِنَ النَّبِيِّينَ إِذْ جَاءَتْ وَلَمْ تَأْتِ

نزد ما باقی بماند بہتر از ہر معجزات
معجز پیغمبران باقی نہ ماندہ در اہم !

معجزہ قرآن کا برتر رہے گا تا ابد
اس کے آگے معجزات انبیاء ہیں کالعدم

ترجمہ : (یہ آیات) ہمارے پاس ہمیشہ رہیں گی پس (یہ نشانیاں یا معجزات یا آیات)
ہر اس معجزہ سے فائق ہو گئیں ہیں جو باقی انبیاء سے رونما ہوئے اور نہ رہے۔
لفظی تشریح

جاءت میں ضمیر کل معجزۃ کی طرف راجع ہے۔ جاء کا صیغہ واحد مؤنث
بسبب مضاف الیہ (معجزۃ) کے ہے۔

معنوی تشریح

آیات قرآنیہ اور معجزات فرقانیہ کو دوام و استمرار حاصل ہے پس یہ بسبب قدم
کے ساتھ موصوف ہونے، معاد و ارم کی خیریں دینے اور نسخ و تبدیل عارض نہ ہونے
کے فائق ہو گئیں ہیں۔

نسخ و تبدیل ہر معجزہ پر عدم کے حکم ہیں ہے جو کہ انبیاء سے حاصل ہوتے ہیں
اگرچہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ ظاہر ہو تو نسخ و تبدیل کے

اطلاق سے) معجزہ حادث ہو جاتا ہے۔ تو اس طرح وہ قدیم، دوام کی صفت سے موصوف نہیں ہو سکتا۔ مہربی کا معجزہ اس کی دنیاوی زندگی ختم ہونے کے ساتھ منقضی ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک ہم نے اس ذکر (کتاب) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ (تغیر و تبدیل اور نسخ و تحویل سے)

حاصل گفت گویہ ہے کہ آیات قدیم اور ثابت ہیں۔ اور معجزات دائمی اور مستمرہ ہیں، بخلاف دیگر معجزات کے۔

⑨۴ مُحْكَمَاتٌ فَمَا يُبْقِيْنَ مِنْ شُبَّةٍ
لِّذِي شِقَاقٍ وَلَا يَبْغِيْنَ مِنْ حَكَمٍ

محکم است آیات قرآن شبہ کس را نماند
وز ہمہ الفاظ از و تا ہاں بود نور حکم

ہیں وہ مستحکم مخالف کو نہیں اس میں جبکہ
شبہ و شک کی اس لیے ہیں وہ بجائے خود حکم

ترجمہ: (یہ آیات) محکم ہیں پس یہ آیات کسی اختلاف کرنے والے کے لیے
کوئی شبہ باقی نہیں رہنے دیتیں۔ اور نہ ہی کسی نصف کا تقاضا کرتی ہیں۔

لفظی تشریح

یبقین بضم الیاء (یا پر پیش کے ساتھ) اور یبغین - یا پر زبر کے ساتھ۔ شبہ
جمع ہے شُبْہۃ کی شبہ ایسی باطل شئی جو کہ حق کے مشابہ ہو۔ الشقاق - شین پر کسر کے

ساتھ یعنی خلاف، کیونکہ مخالفین میں سے ہر ایک اختلاف میں ہوتا ہے، یا دوسرے کی مشقت کو زیادہ کرتا ہے۔ الحکم بفتحین یعنی حاکم بعض نے کہا ہے کہ کسرہ وفتح کے ساتھ یعنی حکم جمع حکمتہ کی ہے۔ محکمت تشدید کے ساتھ محکمات (بالتخفیف) کا مبالغہ ہے۔ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو کہ واد کے ساتھ مروی ہے۔ (و محکمات) اور تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا قول احکمت آیاتہ آیات سے تقدیر محکمات ہے۔ پس یہ اللہ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: هو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات هن امر الکتاب واخی متشابہات (وہ ذات جس نے آپ پر کتاب اتاری۔ اس میں بعض محکم آیات ہیں ہی کتاب کی اصل ہیں۔ اور بعض دوسری متشابہات ہیں۔ یہ معنی زیادہ موافق ہے اور سیاق و سباق سے زیادہ مربوط ہے۔ لا یبغین۔ ایک نسخہ میں ما یبغین ہے۔

معنوی تشریح

بے شک اللہ تعالیٰ نے آیات کو محکم بنا دیا جو کہ فسخ ہوتی ہیں نہ تبدیل۔ یا ان کو حکم اور مثل پر مشتمل بنایا۔ یا ان کو حکم والا بنایا کہ وہ مجمل پر حکم بیان کریں اور یا ان کو کتب سماویہ سنن نبویہ، قیاسات عقلیہ اور اتفاقات اجتماعیہ پر حاکم مقرر کیا۔ یا یہ کہ وہ حق و باطل پر دلالت کرتی ہیں۔ یا حرام و حلال کا فیصلہ کرتی ہیں۔ پس وہ آیات اختلافات میں سے حق کی مخالفت کے لیے کوئی شبہ بھی باقی نہیں چھوڑتیں۔ اور نہ ہی اپنے سوا کسی حاکم کا مطالبہ کرتی ہیں۔ کیونکہ ان کی براہین واضح ہیں۔

یا کسی حکم زائد حکمتوں کا۔ جو ان کی طرف محتاج ہو۔

(۹۵)

مَا حُورِيَتْ قَطُّ إِلَّا عَادَ مِنْ حَرْبٍ
أَعْدَى الْأَعَادِي إِلَيْهَا مُلْقَى السَّلَامِ

سہر کہ باقرآن بہ جنگ آمد باخبر بازگشت
اں کہ دشمن تر بدے نزدشس بیگندے سلم

جو لڑا قرآن سے آخر وہ عاجز آ گیا
کر دیا دشمن نے بھی اپنا سر تسلیم خم

ترجمہ: ان آیات قرآنیہ کے ساتھ جب بھی کسی سخت ترین دشمن نے
مقابلہ کی جسارت کی تو وہ جنگ سے باز آیا اس حال میں کہ وہ صلح کا خواہشمند

تھا۔

لفظی تشریح

حوربت محاربہ سے مشتق ہے بمعنی معارضہ۔ الحرب بفتح تین۔ شدت
حقیقت میں سلب مال کو کہتے ہیں۔ اور مسلوب کو شدت لازم ہو جاتی ہے بعض نے کہا
ہے کہ یہ بھی خوب میں ایک لغت ہے۔ السلام بفتح تین۔ اطاعت، صلح اور فرمانبرداری
اعادی جمع الجمع عدو کی۔ اعدای عداوت سے اسم تفصیل ہے۔

معنوی تشریح

جب بھی کسی نے آیات کے ساتھ معارضہ کی کوشش کی تو ان کی کمال بلاغت و
فصاحت کی بدولت بڑے بڑے معارضین اور بڑے قوی معاندین نے معارضہ سے

رجوع کر لیا۔

وہ (قرآن) معاندین کے معارضہ سے محفوظ ہو گیا۔ تو کیا وہ اس لیے قرآن پاک کمال فصاحت میں سے جزیل الفاظ اور حسین معانی پر مشتمل ہے۔ اور اس وجہ سے کہ یہ بلاغت کے اعلیٰ طبقات پر فائز ہے، تو اسی طرح ہے جیسے مردوں کو زندہ کرنا۔ چھڑیوں کا قلب کرنا اور کسکریوں کا تسبیح کرنا۔

اور معارضہ ان کے مقدور میں تھا۔ پس اس میں علماء اہل سنت اور جمہور کا اختلاف ہے پہلے قول پر۔ اور اسی پر اعتماد ہے۔ دوسرا مذہب شیخ ابوالحسن الاشعری اور ان کے چند ساتھیوں کی جماعت کا ہے۔

شاطبی نے دونوں قولوں پر الرأۃ میں اس کی تردید کی ہے۔ اہل عرب نے معارضہ تک کیا۔ بسبب اس بات کے جو ان کے مقدور میں تھا۔ یا جو ان کی جنس مقدور میں سے تھا، کیونکہ وہ اس کی مثل لانے سے عاجز تھے ورنہ وہ شہروں اور دیہات سے جلا وطنی اور اسیری، اپنے مساکن کو فارغ کرنا، جھڑکوں اور اپنے اموال اور جانوں کے سلب ہونے پر راضی نہ ہوتے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے انہی احوال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: و ان کنتم فی ریب.... الخ اگر تم کسی شک میں ہو اس چیز کے بارے میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے، تو تم کوئی سورت اس جیسی (بنا کر) لے آؤ (اور سورت بنانے میں) تم اپنے حامیوں کو بھی ماسوائے اللہ تعالیٰ کے بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم ایسا نہ کر سکو (اور یہ بات پختہ ہے کہ) تم ایسا ہرگز کر بھی نہیں سکو گے، تو ڈرو تم اس آگ سے جس کا ایندھن پتھر اور انسان ہیں۔ اور جو کافروں (منکروں) کے لیے تیار کی گئی ہے۔

رَدَّتْ بَلَاعُهَا دَعْوَى مُعَارِضِهَا
رَدَّ الْغَيُورِ يَدَ الْجَانِي عَنِ الْحُرْمِ

از بلاغت دعوتے جس سے معارض کر دو
چوں غیورے کو کنت در دوست جانے از حرم

اس نے سب اپنی بلاغت سے کیا دعویٰ کو ختم
جیسے ہوں محفوظ غیب تمند کے اہل حرم

ترجمہ : ان آیات کی بلاغت نے معارضہ کرنے والے کے دعویٰ کو ایسے لٹایا
جیسے ایک غیور آدمی نقصان پہنچانے والے ہاتھ کو اپنی حریم سے دور کرتا ہے۔

لفظی تشریح

البلاغۃ ایسا کلام جو حال کے تقاضہ کے مطابق ہو یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو
اس بات کو واجب کرتا ہے کہ مشکل کسی مخصوص کیفیت میں کلام کرے۔ عارض کسی شے
سے مقابلہ کرنا۔ اور اس کے ساتھ برابری کرنا۔ الحزم حرمت کی جمع ہے۔ جیسے غوف
عوفۃ کی جمع ہے۔ مرد کی حریم۔ جو شے داخل ہو وہ حرم کہلاتی ہے۔

معنوی تشریح

پہلے مصرع میں جہور کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرے مصرع میں ان
کے علاوہ کسی اور کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ پس اس میں دلالت اس بات پر ہے
کہ اس جگہ ایسی وجوہ ہیں جو اپنی جگہ بچتے ہیں۔

آیات قرآنیہ کی بلاغت اور کلمات فرقانیہ کی فصاحت نے معارضہ کرنے والے کے دعویٰ معارضہ کو رد کر دیا۔ چہ جائیکہ معارضہ ظاہر ہو اور مقابلہ واقع ہو۔ اس طرح رد کیا جیسے وہ آدمی جو کمال غیرت سے موصوف اور شدۃ حمیت سے منعت ہے۔ مجرم کی دست درازی اور باغی خائن کے تصرف کو اپنی حرم کے حصول کی طرف پہنچنے سے روکتا ہے۔

⑨۷ لَهَا مَعَانٍ كَمَوْجِ الْبَحْرِ فِي مَدَادٍ
وَفَوْقَ جَوْهَرَةٍ فِي الْحُسْنِ وَالْقِيمِ

معنی بسیار، پھول موج دریا دارد آل
بہتر است از دُرّ دریا جملہ در حسن و قیّم

ہے معانی آیتوں کے مثل دریا موجوں
گوہر دریا سے بہتر ان کا ہے حسن و قیّم

ترجمہ : ان آیات قرآنیہ کے سمندر کی موجوں کی مانند معانی ہیں اور حسن و قیّم
میں یہ سمندر کے موتیوں سے فائق ہے۔

لفظی تشریح

فوق اس کا عطف کموج پر ہے۔ یہ معان کی صفت ہے جو کہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے بطور ظرفیت اس کو نصب لازم ہے۔ اگرچہ یہ (ظرفیت) مجازی ہے۔
ایسے ہی قرآن پاک میں ہے،

و فوق کل ذی علم علیم

معنوی تشریح

قطع نظر ان آیات کی فصاحت و بلاغت کے، یہ آیات و بنیات جو کہ معجزات کے نام سے موصوف ہیں، ان کے معانی کثیر ثابت ہیں جیسے کثرت اور فراوانی میں سمندر کی موجیں ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا..... الخ (اگر سمندر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لیے سیاہی بن جاتے تو سیاہی ختم ہو جاتے قبل اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں۔ کلمات سے مراد کلمات کے معانی ہیں۔)

اس سے وہ قومی اشکال زائل ہو جاتا ہے جو کہ قبلیہ کی طرف سے وارد ہوتا ہے۔ جیسے کہ ہم اس کو جلالین کے حاشیہ میں یا النصرت والامداد میں تحریر کیا ہے، کیونکہ قرآن میں سے بعض حصہ اپنے بعض کی تفسیر کرتا ہے جیسے کہ سمندر کی موج، بعض بعض کی تائید کرتی ہے۔

ان آیات کے بہت زیادہ معانی، بہترین احکام اور مستحسن حکمتیں ہیں۔ اور ارباب بصیرت و اصحاب خبرت کے نزدیک یہ (معانی، احکام اور حکمتیں) سمندر کے جواہر جیسے موتی مرجان وغیرہ سے، قیمت اور حسن میں بڑھ کر ہیں۔ اور ہر آدمی نے اپنا مشرب پہچان لیا ہے۔

﴿۹۸﴾ فَمَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصَىٰ عَجَائِبُهَا
وَلَا تُسَامَرُ عَلَىٰ اِلْدُكْشَارِ بِالسَّامِ

پس عجائب اندراں و کس نہ بتواند شمار
وز چہ بسیاری بخواند کس نہ بیند شوق کم

جو عجائب ان میں پوشیدہ ہیں ان کا کیا شمار
خواہ کثرت سے پڑھو ہو گانہ اس کا شوق کم

ترجمہ: پس ان (آیات) کے عجائب لا تعداد اور بے شمار ہیں۔ اور ان (آیات) کو کثرت تلاوت سے اکتاہٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

لفظی تشریح

فائدہ نتیجہ ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ ایک نسخہ میں فلا کی بجائے فہا تعداد ہے
اسی طرح عجائبہا کی بجائے ایک نسخہ میں عجائبہ ہے یعنی ضمیر مثنیٰ کی بجائے مذکر
مذکور ہے۔ اس صورت میں ضمیر کا مرجع القرآن ہے۔ لا تسامر یشتق السوم سے ہے۔
معنی مقابلہ کرنا۔ یہاں معنی ہوگا۔ مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور علی معنی مع ہے۔ الاکثار کثرت
لانا۔ السامر بفتح تیس۔ اکتاہٹ۔

معنوی تشریح

آیات کے معانی کی گنتی حدود کی چیز میں داخل نہیں ہو سکتی ہے اور نہ اس کے عجیب
غریب معانی کی تفصیل ممکن ہے۔ اور وہ (آیات) عبرت آموز، حکمت آفرین، آداب
اخلاق، مواعظ و براہین، عوارف و معارف، ترغیب و ترہیب، وعید و احکام اور
ضرب الامثال وغیرہ پر مشتمل ہے۔ کثرت تلاوت سے ملال اور اکتاہٹ طاری
ہیں ہوتی۔ (گویا کہ) وہ (قرآن) مشک کستوری ہے۔ جتنی بار تم اس کو لگاؤ۔

زیادہ ہوتی ہے۔

حدیث پاک ہے۔ قرآن پاک کثرت ورد سے پرانا نہیں ہوتا نہ اس کے عجائب فنا ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کے غرائب ختم ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی اس سے علماء سیر ہوتے ہیں۔

شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آیات کے معانی کا حسن و جمال سمندری مہیروں سے فائق ہے، کیونکہ جواہر اور مہیروں کی کثرت اور قیمتی ہونے کے باعث رغبت رکھنے والا اکتا جاتا ہے۔

قَرَّتْ بِهَا عَيْنٌ قَارِيَهَا فَقُلْتُ لَهُ
لَقَدْ ظَفَرْتُ بِحَبْلِ اللَّهِ فَأَعْتَصِمُ

چشم خوانندہ بداں روشن شود من گفتش
بافتی احبل حرامکم بکیراے معتم

ہو گئیں آنکھیں جو ٹھنڈی میں نے قاری سے کہا
تھام حبل اللہ کو ہے فتح تیری معتم

ترجمہ: ان آیات کو پڑھنے والے کی آنکھیں ان سے ٹھنڈی ہو گئیں تو میں نے
اس کو کیا۔ تحقیق تو کامیاب ہو گیا ہے۔ اب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔

لفظی تشریح

ناظم نے قاریہا کا ہمزہ پہلے ساکن کیا پھر اس کو (یا میں) بدل دیا، کیونکہ قادی،

قراء سے مشتق اسم فاعل ہے۔ - القرۃ۔ اصل میں بروءت کو کہتے ہیں عربوں کے نزدیک عزیز ترین شئی کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے عرب لوگ آنکھوں کی ٹھنڈک اور عیش و عشرت کی تمنا کے طور پر کہتے ہیں۔

معنوی تشریح

ان آیات، کو پڑھنے والا بہت خوش ہوا جب اس نے ان کو پڑھا اور جب وہ ان کی تلاوت سے متلذذ ہوا تو ان کی ٹھنڈک سے اس کی آنکھوں کا نور زیادہ ہو گیا۔ تو میں نے اس کو رغبت اور رشک کے طریقہ پر کہا۔ ”خدا کی قسم! تو ایسی چیز پانے میں کامیاب ہو گیا جو تجھے اللہ تعالیٰ کی خوشنودیوں تک پہنچاتے گی اور اس کی جنتوں کے درجات کی طرف ترقی دے گی پس تو اب اس کے الفاظ و معانی اور اس کے مامل کی تحقیق کو تمام اس کے اوامر اور نواہی پر عمل کر۔

⑩ اِنْ تَتْلُهَا خِيفَةً مِّنْ حَرِّ نَارٍ لَّظِي
اَطْفَاَتِ حَرَّ لَظِي مِّنْ وَّرْدِهَا الشَّبِمْ

گر بہ خواندیش ز ترس آتش دوزخ کنی
سرد بر خود گرمی آتش براں من ضامنم

آتش دوزخ کے ڈر سے تو اگر ان کو پڑھے
شعلہ نارِ جہنم اس سے ہو جائے گا کم

ترجمہ: اگر تو نے ان آیات کی تلاوت جہنم کی آگ کی گرمی کے خوف کی وجہ سے کی۔

تو یہ آیات دوزخ کی گرمی کو اپنے ٹھنڈا کرنے والے ورد سے بچا دیں گی۔

لفظی تشریح

لفظی، جہنم کا ایک نام ہے۔ یا اس کے کسی طبقہ کا نام ہے۔ اور یہ غیر منصرف ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اس پر تنو تن برائے ضرورت ہے، تو یہ میزان کی معرفت سے غفلت کا نتیجہ ہے، کیونکہ تنوین اور الف وزن میں مساوی ہوتے ہیں۔ لفظی دوسری ترتیب ضمیر کی جگہ پر رکھا گیا ہے تاکہ التباس پیدا نہ ہو پھر کہ شکوک کا باعث ہوتا ہے۔ ایک نسخہ میں نار لفظی کی بجائے حار لفظی آیا ہے، لیکن نار لفظی۔ اطفاء (بھانا) کے زیادہ مناسب ہے، جیسے کہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ الورد کا اطلاق قرآن پاک کے ورد کرنے پر بھی ہے اور پانی کے وارد کرنے پر بھی۔ پس اگر ورد کی اضافت آیات کی طرف کی جائے تو پہلے کی تائید ہوتی ہے، لیکن ورد کو شیم کے ساتھ موصوف ہونے کے باعث دوسرے قول کی تقویت ہوتی ہے۔ شیم کا لغوی معنی ٹھنڈا کرنے والا ہے۔ اگر اس کے پہلے اطلاق پر محمول کیا جائے تو اس کا معنی ہوگا، حرارت کو دور کرنے والا۔ اور اگر دوسرے اطلاق پر اس کو محمول کیا جائے تو یہ لفظ آیات کو اپنے ساتھ تشبیہ دیتا ہے، کیونکہ آیات ارواح کی زندگی کا سبب ہیں جس طرح کہ پانی اشباح (اجسام) کی زندگی کا سبب ہے۔

معنوی تشریح

اے قرآن کے پڑھنے والے! اگر تو نیکو کاروں اور آزاد لوگوں کے درجہ سے نزل کر کے، آگ کی گرمی کے خوف سے آیات قرآنیہ کی تلاوت کرتا ہے یا احکام فرقانیہ کا اتباع کرتا ہے، تو یہ اس کی گرمی کو بچا دیں گی۔ اور پابندی کے ساتھ ورد قرآن کرنے سے جو کہ آگ کی حرارت کو دور کرنے والا ہے، آگ کی تکلیف کو اٹھا

دیں گی۔

اس شعر میں ایک حدیث کا اقتباس ہے کہ مومن جب پل صراط پر کھڑا ہوگا، تو آگ کے گئی۔ اسے مومن! جلدی چلو تمہارے نور نے میری حرارت بجھا دی ہے۔

(۱۰) كَانَتْهَا الْحَوْضُ بَلِيضٌ الْوَجُوهُ بِهِ
مِنَ الْعَصَاةِ وَقَدْ جَاءُوهُ كَالْحُمَمِ

اَل چوں حوضے وال کہ دار و روتے خواندہ سفید
گر چہ عاصی آمدست و روسیہ ہمچوں حمم

ہیں وہ مثل حوض کوثر جس سے ہوتی ہیں سفید
عاصیوں کی صورتیں جو تھیں سیاہ مثل حمم

ترجمہ: (یہ آیات) گویا کہ حوض ہے جس سے نافرمانوں کے چہرے روشن ہوتے
ہیں۔ حالانکہ (لوگ) کوتلوں کی مانند کالے (چہرے) لاتے تھے۔

لفظی تشریح

ناظم نے پانی کو حوض سے تعبیر کیا، کیونکہ وہ (حوض) پانی کا محل ہے! اور یہ بلاغت کا
ایک طریقہ ہے کہ محل بول کر حال مراد لیتے ہیں۔ یہ اصناف کو حذف کر کے ذکر کیا۔ اہل میں
یوں ہے: ماء الحوض۔ حوض سے مراد حوض کوثر ہے۔ اور وجوہ سے مراد لوگ،
اشخاص ہیں، کیونکہ ناظم نے وجوہ کا بیان (تشریح) عاصیوں سے کی۔ اور وجوہ کو حمم

سے تشبیہ دی جو کہ حتمہ کی جمع بمعنی کوتاہ ہے۔

معنوی تشریح

آیات قرآنیہ کی تلاوت اور احکام صمدانی (اللہ تعالیٰ کے) پر عمل، اس دار دنیا میں مومنوں کے دلوں کی سفیدی کا باعث ہے مومنین کے سینوں کا نور، دارِ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کی مانند ہے جب کہ نافرمانوں کے چہرے حوض پر سفید ہو جاتیں گے۔ حالانکہ جب وہ حوض کے پاس آتے تھے تو ان کے چہرے کوٹنے کی مانند کالے تھے۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ جب وہ اس سے نکلیں گے، تو ان کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا۔ ایک روایت میں ہے، تو پھر ان پر آب حیات انڈیلا جائے گا، تو ان کی سیاہی (کالا پن) ختم ہو جائے گا اور سفیدی ظاہر ہو جائے گی۔ اسی طرح آیات ہیں کہ ان کی تلاوت اور ان پر عمل کے باعث چہرے روشن ہو جاتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یوم تبيض وجوه... الخ جس دن کہ کچھ چہرے سفید (روشن) ہوں گے اور کچھ سیاہ۔

وَكَالِصِّرَاطِ وَكَالْمِيزَانِ مَعْدِلَةٌ
فَالْقِسْطُ مِنْ غَيْرِهَا فِي النَّاسِ لَمْ يَقُمْ

(۱۰۳)

چوں صراطِ مستآں و چوں میزانِ بود درستی

راستی از غیرِ آنها کس ندیدہ بیش و کم

میں ترازو عدل کی اور راستی کے ہیں صراط
ہے بغیر ان کے قیام انصاف کا بس کا لعدم

ترجمہ: اور (یہ آیات) پل صراط اور میزان عدل کی مانند ہیں عدل کرنے کے
لحاظ سے پس ان کے سوا لوگوں میں عدل قائم نہیں رہ سکتا۔

لفظی تشریح

یہ آیات حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے کے اعتبار سے پل صراط کی مانند ہیں اور
عدل کرنے کے لحاظ سے یہ میزان کی مانند ہیں۔ یہ ہر ایک کا حق بیان کرتی ہیں جیسے کہ
مناسب ہے۔ اور خصومت کو شرعی طریقہ سے رفع کرتی ہیں جو کہ دلیل عقلی کے ساتھ
مبعوث ہے۔

جب ایسی صورت ہے۔ تو دنیا میں لوگوں کے درمیان آیات قرآنیہ کے علاوہ کسی
اور سے عدل کو طلب کرنا مستقیم اور ثابت نہیں رہتا، کیونکہ تمام احکام شرعیہ انھیں کی
طرف راجع ہیں۔ اور سنت، اجماع اور قیاس بھی آیات پر مبنی ہیں۔

لَا تَعْجَبَنَّ لِحُسُودٍ رَّاحٍ يُشْكِرُهَا
تَجَاهِلًا وَهُوَ عَيْنُ الْحَاذِقِ الْفَهِيمِ

گر حسود انکار آں کردہ مداراں را عجب
کو تجاہل کردہ ورنہ نیک کرد است آں فہم

مست تعجب کرتا تو حاسد پر جو ہے انکار اسے
ہے تجاہل اس کا گرچہ ہے وہ پکا ذی فہم

ترجمہ: اے مخاطب! تو ہرگز بہت زیادہ حسد کرنے والے پر تعجب نہ کر جو
انکار کرنے لگا ہے۔ تجاہل عارفانہ کے طور پر حالانکہ وہ خود بڑا ماہر اور فہیم ہے۔

لفظی تشریح

الحسود عا پر فتحہ کے ساتھ۔ حاسد کا مبالغہ ہے۔ حاسد وہ شخص ہے جو دوسرے کی
نعمت زائل ہونے کی خواہش رکھتا ہو۔ الفہم بکسر الہار بہت زیادہ سمجھنے والا

معنوی تشریح

اے مخاطب! تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد کرنے میں مبالغہ کرنے والے پر ہرگز
تعجب نہ کر اور نہ ہی تو حیران ہو۔ جیسے کہ یہود، نصاریٰ اور بعض مشرکین ہیں، کیونکہ تجاہل عارفانہ
کے آیات بینات کا انکار کرتے ہیں اور واضح معجزات کو نہیں مانتے ہیں جب کہ
منکر کو ان (آیات و معجزات) کی حقیقت کا علم اور معرفت حاصل ہے۔ حالانکہ یہ جان بوجھ
کر جاہل بن کر انکار کرنے والا ماہرین کا عین اور سمجھداروں میں سے بہترین دانشمند ہے، کیونکہ
آیات مختلف قسم کی دلائل پر مشتمل ہیں۔

پس اس منکر سے آیات کا انکار واقع ہونا صرف کے اس کے عناد پر مبنی ہے جس کا
باعث حضور پر اللہ تعالیٰ کی نعمت نبوت اور عطیہ رسالت پر حسد ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا: احرى حسد و الناس.... الخ۔ زیادہ لوگوں کا حسد کرتے ہیں، اس بات پر
جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہے۔ پس حسد کے طور پر ان (آیات) کا انکار کرنا کوئی عجیب بات

نہیں ہے، کیونکہ بعض اوقات کسی خاص وجہ سے موجود شے کا بھی انکار کر دیا جاتا ہے جیسے کہ ناظم نے اگلے شعر میں کہا ہے ۔

(۱۰۴) قَدْ تَنَكَّرَ الْعَيْنُ ضَوْءَ الشَّمْسِ مِنْ رَمْدٍ
وَيُنَكِّرُ الْفَمُ طَعْمَ الْمَاءِ مِنْ سَقَمٍ

کہ گمے چشم از رمد منکر شود نور شدید را
ہم دہن منکر شود طعم خوش آب از سقم
روشنی سورج کی کیونکر دکھتی بیمار آنکہ
ذائقہ کیا آب شیریں کا ملے جب ہو سقم

ترجمہ: کبھی آنکہ آشوب چشم کی وجہ سے سورج کی روشنی کا انکار کر دیتی ہے۔
اور بیماری کے باعث منہ پانی کے ذائقہ کو صحیح نہیں مانتا۔

لفظی تشریح

الدمد آشوب چشم

معنوی تشریح

کبھی آنکہ کسی علت (بیماری) کی وجہ سے سورج کے نور کے وجود کا انکار کر دیتی ہے
اگرچہ وہ حقیقت ضیا کا مشاہدہ کر رہی ہوتی ہے۔ ایسے ہی آیات ہیں کہ ان کا ظہور اظہر من
الشمس ہے لیکن اندھا اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور چمپکا ڈر اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ آشوب چشم میں
انسان سورج کو دیکھنا پسند نہیں کرتا، تو دیکھنے والے کے نقصان کی وجہ سے دکھائی دینے والی

شے کو نقصان لازم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

کبھی منہ لبیب علت کے اس پانی کے ذائقہ کا انکار کر دیتا ہے جو کہ ہر شے کی زندگی کے طور پر مشہور اور متعارف ہے۔ وہ بیماری اس کو پانی کی لذات کے ادراک سے روکتی ہے۔ ایسے ہی ان (کافروں) کے دلوں میں بھی بیماری ہے جن کو قرآن کی شفاء بھی نفع نہیں دیتی اور فرقان کے ذائقہ سے شیرینی حاصل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنَزَّلَ مِنَ الْقُرْآنِ الْحَنِیْنِ اور ہم نے امارا ہے قرآن میں سے ایسی شے جو کہ مومنین کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور ظالم لوگوں کو خسارہ میں زیادتی نصیب ہوگی۔ پس وہ نیل کی مانند محبوبین کے لیے پانی اور محبوبین کے لیے خون ہے جس سے کئی گمراہ ہوتے ہیں اور کئی ہدایت پاتے ہیں۔

پھر ناظم اپنے ممدوح کی نعت میں غائب سے خطاب کی طرف متوجہ ہوا، تو فرمایا:

(۱۰۵) یَا خَیْرَ مَنْ یَّمْحُ الْعَافُونَ سَاحَتَهُ
سَعِیًّا وَفَوْقَ مُتُونِ الْأَیْنِیْقِ الرُّسْمِ

اے کہ بہترزاں کہ مردم قصدِ درگا ہ ہش کنند
پا پیادہ یا بہ پشتِ اشترانِ بادوم

اے شہِ والا ترے دربار ہیں آتے ہیں سب
پا پیادہ اور سوارِ اشترانِ تازہ دم

ترجمہ: اے سردار! آپ ان سب سے بہتر ہیں کہ مانگنے والے جن کے صحن کا قصد

کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ پیادہ اور مضبوط، طاقتور اوٹنیوں کی پیٹھ پر سوار ہو کر آتے، آپ بہتر ہیں۔

لفظی تشریح

يَسْتَمُّ قَصْدُكَرًا۔ العافون العافی کی جمع بمعنی سائل۔ الساحة گھر کا صحن۔ سعيا بمعنی ساعین دوڑ کر۔ فوق، سعيا پر عطف ہے بمعنی کاٹنیں فوقھا اس حال میں کہ وہ ان کے اوپر ہو گئے۔ متون جمع متن کی۔ (سواری کی) پشت۔ الایق میں یا، نون پر مقدم ہے۔ یہ کلمہ انیق (جب کہ نون، یا پر مقدم ہو) سے مغلوب ہے۔ اصل میں انوق تھا۔ پہلے واؤ کو نون پر مقدم کیا۔ پھر مزید تخفیف کے لیے واؤ کو یا سے قلب کیا۔ یہ ناقہ کی جمع ہے۔ الرُسْم بضمیٰ۔ وہ اونٹ جو شد سے کے ساتھ چلنے کی وجہ سے زمین میں قدموں کے نشانات لگا دیتے ہیں۔

معنوی تشریح

اے آقا! آپ ایسے آقا ہیں جس کی سخاوت کے صحن کا سامین قصد کرتے ہیں آپ کے علم و حکمت کی طرف طالبین توجہ کرتے ہیں۔ اس حال میں کہ وہ پیادہ تیزی کے ساتھ چل کر آتے ہیں۔ یا وہ طاقتور اوٹنیوں کی پشتوں پر سوار ہو کر حاجیوں کی ہمت میں آتے ہیں۔

یا رسول اللہ! آپ کے پاس پیادہ آتے ہیں اور ہر مضبوط سواری پر جو کہ دور دراز اور گہری وادیوں سے گزر کر آتی ہیں۔

اس شعر میں آپ دربار میں چل کر آنے والوں کی اقسام اور آپ کی خدمت میں حاضری دینے والوں کی اصناف کی عمومیت پر اشارہ ہے کہ ہر کوئی خواہ وہ قوی ہے یا

کمزور، راستہ کی مسافت قریب ہے یا بعید، آپ کا قصد کرتا ہے۔

(۱۰۶) وَمَنْ هُوَ الْاِيَةُ الْكُبْرَىٰ لِمُعْتَبِرٍ
وَمَنْ هُوَ النِّعْمَةُ الْعُظْمَىٰ لِمُغْتَنِمٍ

اے کہ، ہستی آیت کبریٰ کہ باشد معتبر
اے کہ، ہستی نعمت عظمیٰ کہ باشد مغتنم

میں وہ برتر اور ذی شان معتبر کے واسطے
اور وہ میں نعمت عظمیٰ برائے مغتنم

ترجمہ: اے وہ ذات! جو عبرت حاصل کرنے والے کے لیے بہت بڑی نشانی
(دلیل) ہے اور اے وہ ذات! جو غنیمت جاننے والے کے لیے نعمت
عظمیٰ ہے۔

لفظی تشریح

(یہ شعر) سابقہ شعر میں منادی پر موقوف ہے۔ الایۃ ایسی علامت جو دلیل پر
صادق آئے تاکہ اس سے عبرت حاصل کرے اور اس سے اندازہ لگائے وہ شخص جو
اس بات کی تائید کرتا ہو کہ حق و باطل کے درمیان تمیز کی جائے۔ النعمۃ بمعنی منعم بہ
ہے۔ (وہ شئی جس کو بطور نعمت دیا گیا ہو) پہلے مصراع میں انک لتهدی الی صراط
مستقیم کی طرف اشارہ ہے جس کی وضاحت آنے والا شعر کفاک بالعلم فی
الادعیٰ معجزۃ، کر رہا ہے۔ دوسرے مصراع میں اللہ تعالیٰ کے فرمان و ما

ارسلناك الارحمة للعالمين کی طرف اشارہ ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت میں منفرد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان کو بصیغہ جمع ذکر اس لیے کیا تاکہ مبالغہ کا اظہار ہو۔

معنوی تشریح

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اقدس نہایت عمدہ ہے۔ اور اس میں علم اور علم کی ایسی چمک دمک ہے کہ جس نے بھی آپ کی سیرت پاک کا مطالعہ غور و فکر سے کیا اور آپ کے عمدہ خصائل پر خوب تدبر کیا، اسے آپ کی نبوت کی صحت اور دعوت اسلام کی سچائی میں ذرہ بھر بھی شک نہ رہے گا۔

نذا کا تکرار اس بات کے اظہار کے لیے ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔

سَكَيْتَ مِنْ حَوْمٍ لَيْلًا إِلَى حَرَمٍ
كَمَا سَكَى الْبَدْرُ فِي دُجَاجِ مِنَ الظُّلُمِ

(۱۰۷)

در شبے رستی ز مکہ تا باقصی شریف
چوں کہ ماہ چارده گردوں رواں گرد دظلم

بدر کامل جس طرح سے رات میں کرتا ہے سیر
مکہ سے اقصی گئے معراج میں شاہ امم

ترجمہ: یا رسول اللہ! آپ نے رات کو ایک حرم سے دوسرے حرم تک سیر کی۔ جیسے کہ چودھویں رات کا چاند ظلمت کی تاریک رات میں چلتا ہے۔

لفظی تشریح

اسریٰ۔ اسریٰ میں ایک لغت ہے۔ رات کو چلنا۔ لیلاً ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کو تاکید کے لیے ذکر کیا۔ اور تفتیل کے طور پر اس کو نکرہ ذکر کیا۔ حرم اول سے مراد مکہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرف کیا ہے اور دوسرے حرم سے مراد مسجد اقصیٰ مراد ہے اس کا حرم نہیں ہے، تو اس سے مراد قابل احترام جگہ ہے۔ داج۔ دجو سے اسم فاعل ہے۔ دجو بخت تاریکی کو کہتے ہیں۔ یہ (داج) صفت ہے اور موصوف اس کا محذوف ہے۔ اصل میں تھا؛ لیل داج۔ الظلم صمد اور فتحہ دونوں سے پڑھا جاتا ہے۔ جمع ظلمۃ تاریکی کی۔

معنوی تشریح

یا رسول اللہ! آپ نے اللہ تعالیٰ کے سیر کرانے سے عجیب و غریب سیر کی جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے قول سے اشارہ ہے: سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلہ... (پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی رات کو)، وہ سیر ایک جلیل رات کی قلیل ساعت میں مکہ کے حرم محترم سے قدسی حرم معظم تک ہوئی۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کا یہ قول دلالت کرتا ہے: من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بادکنا حولہ۔ (مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا)۔ وہ سیر اس طرح ہوئی جیسے کہ بدر (چودھویں کا چاند)، اپنے ظہور کے کمال اور اپنے نور کے جمال کی بلندی میں، اغیار سے مخفی ہونے کے وقت پر دوں گنبدوں کے نیچے چلتا ہے۔ (یہاں پر ناظم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر کو چاند کی سیر سے تشبیہ دی ہے، اس میں وجہ تشبیہ دو ہیں:

① مقام (منزل مقصود) کی طرف پہنچنے میں تیزی سے چلنا۔

② سخت تاریکی میں مکمل طور پر روشن ہونا۔

یہاں پر ناظم نے ظلمت کا ذکر بدر کے وجود کے ساتھ کیا جس سے ہمارے زمانہ کے بعض فضلاء کے فہم میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ یہ اس طرح ظلمت اور چاند کا اکٹھا ذکر متناقض ہے اور تعارض کا باعث بنتا ہے، تو اس ظلمت سے مراد ظلمت بالقوة ہے۔ یعنی اگر چاند کا نور نہ ہوتا۔

کہ فی الجملہ چاند کے نور کے ساتھ ساتھ رات کچھ نہ کچھ تاریکی ظاہر کرتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وجعلنا الليل والنهار ایتین۔ الخ ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنادیا، تو ہم نے رات کی نشانی کو محو کر دیا۔ اور دن کی نشانی کو دکھائی دینے والا بنادیا۔

آپ کی سیر اور اس سے واپسی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ سیرتین یا چار گھنٹوں میں ہوتی۔ بالا جماع معراج کی اتنی مقدار آپ کے جسم کے ساتھ حالت بیداری میں ہوتی اور بلا اختلاف اس کا منکر کافر ہے۔ اس سے مافوق جو اس کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کا منکر اہل بدعت میں سے ہے۔

①۰۸ وَبَيَّنَّا تَرَفُّقِي إِلَى أَنْ تَلْتَ مَنَزِلَةً
مِنْ قَابِ قَوْسَيْنِ لَمْ تَدْرِكْ وَلَمْ تَرْمِ

برشدی بالا و گشتہ قاب قوسینت مقام
وال نہ دیدست نہ بیند پیچ کس در پیچ دم

طے کیے سارے مدارج اور ملا ایسا مقام
ہے پرے ادراک کے اور قاب قوسین سے زکم

ترجمہ: رات کو آپ ترقی کرتے رہے یہاں تک کہ آپ قاب قوسین مقام
تک پہنچ گئے جس کا نہ ادراک کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی قصد۔

لفظی تشریح

بِتَّ۔ فعل ماضی مخاطب کا صیغہ بیتوتۃ سے مشتق ہے اور ایک نسخہ میں بت کی
بجائے ظَلَّت (ظاہر پر فتح اور کسرہ دونوں سے پڑھا جاتا ہے) ہے۔ اس کا اصل ظَلَّت
ہے بمعنی صار۔ ترقی قاب پر زبر آپ نے صعود کیا۔ نلت اگر فعل معروف ہو تو یہ مشتق
نیل سے ہے جس کا معنی پہنچنا ہے۔ اگر مجهول ہو تو یہ نول بمعنی عطا ہے لیکن پہلی بات اظہر
اور روایت میں مشہور ہے۔

اور وہ زیادہ قریب ہے۔ لحد درك صیغہ مجهول ادراک سے مشتق ہے۔ اور لحد توم
روہ سے مشتق ہے بمعنی قصد کرنا۔

معنوی تشریح

یا رسول اللہ! آپ مخفی رات میں ترقی کرتے رہے اور جلی معارج اور عمدہ بلندیوں
کی طرف ساتوں آسمانوں کو پھرتے ہوئے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ آپ بلند مقام اور
بہترین مرتبہ کو پہنچ گئے۔ اور وہ (مقام و مرتبہ) رب کو نبین کے ساتھ طرفین کی ملاقات
کے وقت دو کمانوں کا فاصلہ ہے۔ اور یہ چیز کمال قرب سے کنایتہ ہے۔ اس سے
مراد قرب مرتبہ ہے، مکان نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان و زمان سے منزہ ہے۔ یا کہا

جائے کہ حضور عرش رحمن یا مقام وحی کے قریب ہیں علی وجہ الاتقان اور اوداقی کو ترک کرنا بمعنی بل اقرب الی الملک الاعلیٰ (بلکہ یعنی آپ ملک اعلیٰ کے قریب ترین ہیں ضرورت شعر کی وجہ سے ہے۔ سابقہ بیان میں وار کا احساس دلایا گیا ہے کہ وہ بلند مقام علمی و عملی فضائل کے باعث مکاسب اجتہاد یہ سے حاصل نہیں کیا جاسکتا، یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات سے حاصل ہوتا ہے۔ اس بلند منصب کی طلب قصد آپ علاوہ دیگر انبیاء نہیں کر سکتے چہ جائیکہ اولیاء (اس منصب کی طلب کریں)۔

اس ترقی (معراج) میں اختلاف ہے کہ آیا یہ تمام حجابانی تھا۔ یا روحانی اور آیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو بصارت کی آنکھوں سے دیکھا یا بصیرت کی آنکھوں سے دیکھا۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ معراج کب ہوئی۔ اور کتنی دیر میں ہوئی۔

ضرورت مندوں کو قصہ معراج کی تفصیل سیر کی کتاب سے معلوم ہوگی۔

①۰۹ وَقَدْ صَدَّقَ جَمِيعُ الْأَنْبِيَاءِ بِهَا
وَالرُّسُلِ تَقْدِيمُ مُحَمَّدٍ وَوَمِ عَلَى خَدَمِ

انبیاء و مرسلینت پیشوا کردند و راں
ہمچوں مخدومے کہ گرد پیشوا اندر خدم

مسجد قضی میں بن کر انبیاء کے پیشوا
آپ تھے مخدوم باقی انبیاء سب تھے خدم

ترجمہ: تمام انبیاء اور رسولوں نے آپ کو اس (بلند مقام) کے سبب مقدم کیا جیسے خادم اپنے مخدوم کو مقدم کرتا ہے۔

لفظی تشریح

الرسول رسول کی جمع۔ اس کا سین ساکن ہے۔ یہ حالت جبری میں ہے رسول نبی

سے خاص ہوتا ہے۔

معنوی تشریح

یا رسول اللہ! آپ کو سب انبیاء اور تمام اصفیاء نے اس بلند مقام عظیم مرتبہ کی ایسے مقدم کیا جیسے مخدوم خادم پر مقدم ہوتا ہے۔ اور جیسے مقتدی تمام احوال میں امام کی اطاعت کرتے ہیں۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ امامت مسجد اقصیٰ میں ہوتی یا بلند آسمانوں میں۔ اور لفظ جمع جو جمع سے مشتق ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقام جمع عالم الملک میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو کہ حتمی لاموت ہے، ہوتی ہے۔

وَإِنَّ تَخْتَرِقَ السَّبْعَ الطَّبَاقَ بِهِمْ
فِي مَوَكِبٍ كُنْتَ فِيهِ صَاحِبَ الْعِلْمِ

(۱۱۰)

ز آسماں ہا برگزشتی بر جمیع انبیاء
در گروہ کاندرا ایشاں تو بدی صاحب علم
طے کیا سات آسمانوں کا سفر با انبیاء
ساتھ افواج ملائکہ کے تھے با نشان و حشم

ترجمہ : آپ ان (انبیاء) کے ساتھ ساتوں طبق طے کرتے گئے ایک ایسے
موکب میں کہ جس میں جھنڈے والے (سردار) آپ تھے۔

لفظی تشریح

واو حالیہ ہے۔ الخرق گذرنا فعل مضارع کی طرف عدول کرنے کی وجہ، گذشتہ حالات
کا استحضار ہے۔ الموکب۔ کاف کے کسرہ کے ساتھ سواروں کی جماعت۔ العلم،
جھنڈا۔ اس کو بالاشباع پڑھا جائے گا۔

معنوی تشریح

یا رسول اللہ! اور آپ نے ساتوں آسمانوں کو طے کیا جو کہ ایک دوسرے کے اوپر
تہہ در تہہ ہیں۔

اس حال میں کہ آپ انبیاء کے پاس گذر رہے تھے یا ان کی ارواح کے پاس گذر رہے
تھے پس آپ آسمان دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس گذرے دوسرے میں حضرت
عیسیٰ اور یحییٰ کے پاس تیسرے میں حضرت یوسفؑ کے پاس، چوتھے میں حضرت ادریسؑ کے
پاس، پانچویں میں حضرت ہارونؑ کے پاس، چھٹے میں حضرت موسیٰ کے پاس اور ساتویں میں
حضرت ابراہیم علیہم السلام والتمیہ والا کرام۔ آپ ایک عظیم جمعیت میں جو ہیت کریمہ
کے ساتھ مصوب تھی، کیونکہ آپ کے ساتھ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ حضرت جبرائیل
علیہ السلام کو جمع کے صیغے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: فنادتہ
الملائکۃ۔ تو یہاں ملائکہ کی تفسیر جبرائیل کے ساتھ کی گئی ہے، یا اس کو بزرگوں اور
باعظمت قوم کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔

اس شکر میں صاحب علم (جس کی طرف اشارہ کیا جاتے۔ اور جس پر مدار ہو) آپ تھے۔

عَلَّمَ اِيَّا تَرَجِسَ كَے سرے پر جھنڈا ہوتا کہ وہ بادشاہ پر علامت اور نشانی ہو۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہتے تو ان سے پوچھا جاتا کہ تمہارے ساتھ کون ہے، وہ جواب دیتے، محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حَتَّىٰ اِذَا كُنْتُمْ تُدْعَوْنَ لِشَاۤءٍ مُّسْتَبِقٍ
مِّنَ الدُّنْيَا وَلَا تَرْجُوا لِقَاءَكُمْ

زینتے از قرب بہر پیچ کس نگزاشتے
جائے بالآخر نہ ہشتی دیگران را در رقم

مترتبہ باقی نہ رکھا بڑھنے والوں کے لیے
ہر بلند و پست پر تھا آپ کا فیض و تتم

ترجمہ: یہاں تک کہ آپ نے کسی آگے بڑھنے والے کے لیے قرب کی کوئی غانت
نہ رہنے دی اور نہ ہی اوپر جانے والے کے لیے کوئی سیڑھی۔

لفظی تشریح

حتیٰ اختراق کی غانت بیان کرنے کے لیے ہے۔ اذا ظرفیہ مجاز پر ہے۔

معنوی تشریح

یا رسول اللہ! آپ دروازے میں داخل ہوتے اور آپ نے حجاب کو قطع کیا یہاں تک
کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف قرب مطلق کا کمال حاصل کرنے کی کوشش کرنے کے لیے
کوئی غانت نہ چھوڑی۔ (اس سے زیادہ قرب کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی آپ نے

عالم وجود میں کسی بلندی کے طلب گار کے لیے اٹھنے، بیٹھنے اور ترقی و صعود کی جگہ رہنے دی بلکہ آپ اس سے مقام قاب قوسین کی طرف بڑھ گئے یا اس سے بھی قریب، تو آپ کے رب نے آپ کو علم و حکمت کی وحی کی جو بھی وحی (اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ کسی انسان کو اس بات کی قدرت نہیں کہ وہ اندازہ یا تخمینہ لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے کس قدر علم و حکمت اپنے حبیب کو عطا فرمایا۔)

خَضَّصْتَ كُلَّ مَقَامٍ بِإِضَافَةٍ إِذْ
نُودِيتَ بِالرَّفْعِ مِثْلَ انْفِرَادِ الْعَمِّ

(۱۱۲)

پست کر دی بیش قربت ہر مقام دیراں
چوں ترا بردند بالا و ندراں گشتی علم

کر دیتے پست آپ نے سب کے مدارج اور مقام
جب ہوئے مدعو بلندی پر یگانہ ہاشم

ترجمہ: جیسے اضافت کی وجہ سے کلمہ کو زیر آتی ہے یوں ہی آپ نے ہر مقام کو پست کر دیا، کیونکہ آپ کو بلندی کی طرف ندادی گئی جیسے کہ منادی مفرد علم مرفوع پڑھا جاتا ہے۔

لفظی تشریح

یہ بیان ہضور کے ساتھ قرب کی خصوصیت میں ہے جس کا اشارہ اوادنی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذاتی محبت کے ساتھ کیا گیا ہے جو کہ نہایت ہی اعلیٰ اور

قیمتی مقام ہے۔ اور ناظم کا قول خفصت کل مقاصر یہ اذا کے جواب میں ہے جب کہ اس کو شرط مانا جائے۔ اس معنی پر سابقہ شعر کے یہ کلمات اذا للمتدع دلالت کرتے ہیں جب کہ اس کو ظرف مانا جائے۔ الخفض مقام و مرتبہ کا گزنا کسی شئی کو کسی شئی کے نیچے کر دینا۔ نحو یوں کی اصطلاح خفض فی الاعراب اور خفض فی الاضافة بھی اسی سے ہے۔ ایسا الصاق کئے لیے کہتے ہیں۔

معنوی تشریح

یا رسول اللہ! آپ نے مقامات اور مراتب اصفیاء میں سے ہر مقام و مرتبہ کو پست کر دیا اور یہ بکت ہے اس اضافت کی جو آپ کو اللہ کے حضور عالی سے ہے اور اس نسبت کی جو آپ کو بہترین محبت کے ساتھ ہے۔ یا یہ اس اضافت کی برکت کی بدولت ہے جو آپ کو اپنے جلی مقام سے ہے یا جو نسبت آپ کو اپنے بلند حال سے ہے۔ جب آپ کو اس مقام اعلیٰ کی طرف ندا دی گئی جس کو قاب قوسین اودانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ندا تعظیم میں ایسی تھی جیسے فرد واحد اور علم جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور مکرم کے ساتھ مشہور ہے جس کو اپنی جنس کے افراد سے یکتا اور اپنے ہمسر وں سے ممیز کر دیا گیا ہے۔

یہ بات مخفی نہیں ہے جو کچھ اس شعر میں اصطلاحات نحویہ کی اشارتی صفت خفض، رفع، اضافت، ندا اور مفرد علم اور مناسبات جلیہ پاتی جاتی ہے۔

کَمَا تَفُوزُ بِوَصْلِ أُمِّ مُسْتَرٍ
عَنِ الْعُيُونِ وَ سِرِّ أُمِّ مُكْتَرِمِ

تا مقام وصل پنہاں یاستی از چشم خلق
سر پنہانی بدانتے ز اوصاف قدم

تاکہ ہوں اسرار پوشیدہ سے واقف بعد وصل
حق نے ظاہر کر دیئے سب راز از فضل و کرم

ترجمہ: یہاں تک کہ آپ ایسے وصل سے کامیاب ہوئے جو بہت پوشیدہ ہے۔
اور ایسا راز حاصل کرنے میں کامران ہوتے جو آنکھوں سے چھپا ہوا ہے۔

لفظی تشریح

یہ شعر سیئت و بت سے لے کر آخر تک جتنے استعار آئے ہیں ان کی علت غائت ہے۔
یعنی یا رسول اللہ! آپ سدرۃ المنتہی سے قباب قوسین اودنی کے مقام تک پہنچے تاکہ
آپ اللہ تعالیٰ کے وصال اور اس کے ماسوا سے قطع تعلق کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔
ایسا وصال جو کہ لوگوں کی آنکھوں سے نہایت پوشیدہ ہے۔ اور آثار مطلوب و اسرار محبوب
سے ایک ایسا عظیم راز حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو اغیار کی آنکھوں سے بالکل
مخفی ہے۔

امی دونوں جگہ مجبور ہے کیونکہ یہ اپنے ماقبل کی ایسی صفت ہے جو معنی کمال پر
ولایت کرتی ہے۔ (تو ای مستتر کا معنی ہوگا) ایسا وصال جو استتار میں کامل ہے۔
اور (ای منکتم کا معنی ہوگا) ایسا راز جو خفیہ ہونے میں کامل ہے۔

تفوز فعل مضارع اَنْ مقدّرہ جو کئی معنی لام کے بعد آتا ہے۔ یا لکی بمعنی ان
اور لام مقدّرہ کے بعد آتا ہے اس کے سبب منصوب ہے۔ اور ما دونوں وجوہ کے

مطابق زائدہ ہے۔

مسنوی تشریح

علامہ جلال الدین المحلی نے فرمایا کہ یہ راز اس حدیث سے مانور ہے جو کہ حضور نے ارشاد فرمایا: میرے رب نے مجھے معراج کی رات مختلف قسم کے کئی علوم سکھائے۔ ایک وہ علم جس کے چھپانے کا مجھ سے عہد لیا گیا۔ دوسرا وہ علم جس کے ظہور و خفا کا اختیار مجھے سونپ دیا گیا۔ تیسرا وہ علم جس کی تبلیغ کرنے کا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: کہ جن علوم کے ظہور و خفا کا آپ کو اختیار دیا تھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور مجھے آگاہی بخشے رہتے تھے اس حدیث کو بہت سے شارحین نے ذکر کیا ہے لیکن میں کتب حدیث میں اس کے اصل پر آگاہ نہیں ہوا۔ البتہ یہ بات امام بخاری کی روایت کے منافی نہیں جو انھوں نے ابو محیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کی۔ ابو محیفہ نے کہا: میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی ایسی وحی بھی ہے جو قرآن میں نہ ہو۔ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی! جس نے دانے کو پھاڑا اور باد نسیم کو پیدا کیا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مگر قرآن کی سمجھ جو اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو عطا کرتا ہے اور اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت کے احکام۔

اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے، کیونکہ یہ مسلمان، لوگوں کی تبلیغ سے متعلق ہے اور وہ غیر تبلیغ سے جیسے ظاہر بات ہے۔

اس شعر میں رویت باری تعالیٰ اور اس کی مناجات کی طرف اشارہ ہے۔ بے شک اس میں اختلاف ہے کہ حضور نے اپنے رب کو ظاہری آنکھوں سے دیکھا۔ یا جبرائیل کو اس کی صورت میں دیکھا۔ ایسے ہی حضور کی مناجات میں اختلاف ہے کہ حضور نے اپنے رب،

سے مناجات کی یا جبرائیل سے۔ ان دونوں باتوں کی اصل یہ دو آیات ہیں:

① رویت کی اصل ما کذاب الفواد مارای۔

② مناجات کی اصل فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔

بمطابق ان باتوں کے جو تفاسیر میں درج ہیں۔

قرب اور وصل سے قرب مکانی یا قرب صوری مراد نہیں ہے، بلکہ یہاں پر صرف مقصود یہ ہے حضور کے مرتبہ کی عظمت ظاہر کرنا۔ آپ کی معرفت کے انوار کو روشن کرنا غیب اور قدرت کے اسرار کا مشاہدہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنانا۔

فَحُزَّتْ كُلُّ فَخَارٍ غَيْرِ مُشْتَرِكٍ
وَجُزَّتْ كُلُّ مَقَامٍ غَيْرِ مُزْدَجَمٍ

جمع کردی ہر بزرگی کاں نبودہ مشترک
برشدی از ہر مقامے کاں نبودی مزدجم

ہر بزرگی غیر شرکت جمع کر لی آپ نے
طے کئے سب مرتبوں کو آپ غیر مزدجم

ترجمہ: یا رسول اللہ! آپ نے ہر قابلِ فخر شئی کو حاصل کیا کہ جو مشترک نہیں ہے۔

اور ہر ایسے مقام سے گزر گئے جو بھیڑ والا نہ تھا۔

لفظی تشریح

حُزَّتْ اور جُزَّتْ دونوں قُلَّتْ کے وزن پر ہیں۔ پہلا حاذ سے مشتق ہے بمعنی جمع کرنا۔

اور دوسرا جاذبہ معنی تجاوز کرنا۔ الفخار۔ وہ فضائل، عادات اور نعمتیں جن پر انسان فخر کر سکتا ہے۔ یا یہ مصدر ہے بمعنی مفاخرت اور غیر۔ دونوں مقامات پر مابعد کی صفت ہونے کے باعث مجرور ہے یا منصوب ہے اس اعتبار سے کہ یا تو مکمل کی صفت واقع ہو رہی ہے۔ یا فاعل سے حال واقع ہو رہی ہے۔

المشترك۔ اور المزدحمة دونوں اسمائے مفعول بمعنی مصدر ہیں۔

معنوی تشریح

کہا گیا ہے کہ فخار غیر مشترک سے مراد مثل وسیلہ، فضیلت، اعلیٰ درجہ، حوض کوثر شفا عظمیٰ، مقام محمود اور لواہر الحمد وغیرہ کے ہیں۔ اور مقام غیر مزدحم سے مراد مقام محبت، ختم نبوت، معراج، رسالت عامہ اور ان جیسے مقامات ہیں۔ یا اس سے مراد عارفین و صلیہین کے مقامات ہیں۔

ان کے نزدیک سائلین اور سائرین کی منازل ہیں۔ جن کو معین کر کے تعبیر کرنا اور ان کی طرف اشارہ کرنا ناممکن ہے۔ جو ان کو حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ مجاہدہ کرنے تاکہ مشاہدہ کر سکے، کیونکہ خبر مشاہدہ کے برابر نہیں ہوتی۔ اور یہ درجات بحر تفرید میں استغراق اور توحید میں منتہی ہوتے ہیں۔

وَجَلَّ مَقْدَارُ مَا أُؤْتِيَتْ مِنْ رُتَبٍ
وَعَزَّادُ رَأْيِكَ مَا أُؤْتِيَتْ مِنْ نِعَمٍ

(۱۱۵)

پس بزرگ است آنچه دادندت از فضل مرتبت
پس عزیز است آنچه بخشیدست خداوند از نعم

ہیں عظیم الشان رتبہ جو ملے سرکار کو
میں پرے اور اک کے جو کچھ ہوئے حاصل نعم

ترجمہ: جو مراتب آپ کو عطا کئے گئے۔ ان کی مقدار بڑی جلیل ہے اور وہ نعمتیں
آپ کو عطا کی گئیں جن کا ادراک نہایت دشوار ہے۔
لفظی تشریح

وَلِيَّتْ آپ کو والی بنایا گیا۔ اُولِيَّتْ آپ کو والی بنا کر عطا کیا گیا۔ الادراک کسی شئی کا
احاطہ کرنا۔ ذاتی طور پر یا صفاتی طور پر۔ المقدار وہ آلہ جس سے کمیّت کیفیت کا انداز لگایا جاتے
الرتب جمع ہے رتبة کی۔ النعم جمع ہے نعمة کی۔

معنوی تشریح

کہا گیا ہے کہ پہلا مصراع فاوحی الی عبدہ ما اوحی کی طرف اشارہ ہے۔ اور
دوسرا مصراع لقد رای من آیات ربہ الکبدی سے عبارت ہے۔ آیات کی تفہیم
میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ افہام (ذہن یا عقول) ما اوحی کی تفسیر کی تفصیل
سمجھنے سے حیران (قاصر) ہیں، کیونکہ افہام آیات کبریٰ کی تعیین میں سرگرداں ہیں۔

بُشْرٰی لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَا
مِنَ الْعَنَایَةِ رُكْنًا غَیْرَ مُنْهَدِمٍ

(۱۱۶)

مژدگانی باد مارا لے مسلماناں کہ ماں
از عنایت ہست رکنے کال بود دور از ہدم

اے مسلمانو! یہ خوشخبری ہے اپنے واسطے ایک ستوں ایسا ملا مضبوط از فضل و کرم

ترجمہ: اے معشر اسلام! ہمارے لیے خوشخبری ہے کہ ہمیں بطور عنایت وہ رکن عطا کیا گیا جو منہدم ہونے والا نہیں ہے۔

لفظی تشریح

بشیرؑ یہ مصدر ہے۔ اور اس سے ایسی خوشی مراد ہے جو چہرے کی حالت کو بدل دے۔ (چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوں) وہ اچھی حالت اور نیک پر رونق صورت ہوتی ہے۔ معشر الاسلام کو نصب بطور اختصاص ہے۔ جیسے کہ حضور نے فرمایا: نحن معشر الانبیاء لا نورث۔ (ترجمہ) ہم انبیاء کا گروہ وارث نہیں ہوتے۔ بعض نے کہا: یہ منادی ہے (منادی مضاف ہو تو منصوب ہوتا ہے) اِنَّ مَكْسُوْرَهٗ بَرَّائِے تَعْلِيْل (سبب بیان کرنے کے لیے ہے۔ عنایت سے مراد وہ الطاف خفیہ ازلیہ مراد ہیں جو دائم اور واضح سعادت کا سبب بنتے ہیں۔ رکن کسی شے کا رکن اس کا ایسا جزو اور ایسا مرجع ہے جس پر وہ اعتماد کرتا ہے۔

معنوی تشریح

اقبال مندی اور سعادت کی صبح (طلوع ہونے) کی تاثیر سے بشارت خوشی اور جلال سے روشن ہوئی۔ اور معاشر الاسلام کی اقوام عرب اور عجمی جماعتیں کے لیے پھیل گئی۔ اور اس کو رکن رکن اور نچتہ اور تاقیامت اس کو دین ناسخ و راسخ کے نام سے مخصوص ہو گیا۔

لَمَّا دَعَا اللَّهُ دَاعِيَنَا لَطَاعَتِهِ
بِأَكْرَمِ الرُّسُلِ كُنَّا أَكْرَمَ الْأُمَمِ

چوں خدا مارا بطاعت خواند بفرستاد او
بہتر پیغمبران گشتیم ما خیر الامم

جب کہ ان کو حق نے خود خیر الرسل فرمادیا
طاعت حق کے سبب ہم ہو گئے خیر الامم

ترجمہ: جب اللہ نے اپنی اطاعت کی طرف ہمیں بلائے والے نبی کو اکرم الرسل
(سب رسولوں سے بزرگ) کے لقب سے پکارا تو ہم اکرم الامم (سب امتوں
سے بزرگ) ہوئے۔

لفظی تشریح

دعا پکارنا۔ نام رکھنا۔ دعا کا فاعل اللہ ہے۔ داعینا اس کا مفعول ہے۔ (قانون
کے مطابق داعی کی یا کو بصورت مفعول نصب آنا چاہیے۔ مگر یہاں یا کا سکون ضرورت
کی وجہ سے ہے اور ایک قوم کے نزدیک بعض اوقات بغیر ضرورت بھی آجاتا ہے۔ مثلاً
اعط القوس باریہ لطاعته داعینا کے متعلق لطاعته میں لام حرف جار، یعنی الی
ہے۔ اور اس میں ضمیر کا مرجع اللہ کی طرف ہے۔ باکرم الرسل (جار مجرور) دعا کے متعلق
ہے۔ الرسل۔ رسول کی جمع۔ بکون سین۔ یہ ایک لفظ ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ
داعینا فاعل سے بدل ہے۔ اور لطاعته دعا کے متعلق ہے اور ایسے ہی باکرم الرسل

ہے، کیونکہ آپ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہیں۔

معنوی تشریح

کنا اکرم الامم کا معنی یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ باکرامت امت ہیں کیونکہ امت کا شرف اس کے نبی کے شرف کی وجہ سے ہے۔ قرآن پاک میں ہے: کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو۔ ناظم نے یہاں ایک ہلکا سا اشارہ بھی کیا ہے۔ وہ یہ کہ امت کا سب سے بہترین ہونے کی صفت سے موصوف ہونے کا مفہوم یہ بھی ہے کہ ایسی امت کا رسول بھی اکرمیت کی صفت سے موصوف ہوگا، لیکن ناظم نے اس استدلالی قضیہ کو رسالت کے بلند مرتبہ مصطفوی، مرتضوی کی تکریم کی خاطر معکوس کر دیا، کیونکہ ہمارا بہترین امت ہونا آپ کے فضائل میں سے ہے کیونکہ معقول و مشروع تقاضے کے مطابق تابع کی عزت مقبوع کی عزت کے باعث ہے۔

جب ناظم قصہ معراج اور اس کے متعلق باتوں (جیسے وصال کا حاصل ہونا اور نزول کا پورا ہونا) سے فارغ ہوتے تو انھوں نے آپ کی غزوات، شجاعت، جہاد کے مجاہدہ اور اہل کفر و عناد اور کجرو اور فاسدین کے دفاع میں جو بڑی بڑی جنگیں برداشت کیں ان کا بیان شروع کیا۔

رَاعَتْ قُلُوبَ الْعِدَىٰ أَنْبَاءُ بَعْثِهِ

(۱۱۸)

كُنْبَاءُ أَجْفَلَتْ غُفْلًا مِّنَ الْغَمِّ

دشمنان را دل بہ ترسانید اخبار رسول
ہمچوں آواز سے کہ ناگہ بر جہانید سے غنم

سن کے بعثت کی خبر تھرا گئے اعدا کے دل
شیر کی آواز سے جیسے ڈرے غافل غنم

ترجمہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبروں نے دشمنوں کے دلوں
کو خوفزدہ کر دیا جیسے کہ شیر کی گرج بکریوں کے ریوڑ پر ککیپی طاری کر دیتی ہے۔

لفظی تشریح

الروع ڈرانا۔ العدی اسم جمع عدو کی۔ انباء جمع نبا کی۔ ایسی خبر جو ذی شان ہو۔
البعثۃ رسالت۔ النباۃ شیر کی گرج۔ الجفال دشمن کو ککیپا دینا۔ لرزہ طاری کرنا۔
اضطراب پیدا کرنا۔ غفلاً جمع غافل کی۔ جیسے بڑل جمع بازل کی۔

معنوی تشریح

حضور کی نبوت کی اخبار اور آپ کی رسالت کے آثار نے کفار اور مشرکین میں دشمنوں
کے دلوں کو یوں ڈرایا۔ جیسے شیر کی گرج (ڈھار) غافل ریوڑوں کو ڈرا دیتی ہے کیونکہ
وہ ککیپا نے لگتے ہیں اور اس کی آواز سے بھاگ جاتے ہیں بغیر اس کے حملہ کئے۔

ناظم نے غافلہ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ (اس بیان کی) ہئیت میں تاثیر زیادہ
ہو۔ اور اس شعر میں صحیحین کی حدیث کی طرف اشارہ ہے: نصرت بالدعب مسیوۃ
شہر۔

اور طبرانی نے روایت کیا، نصرت بالدعب شہرین۔

اس سے مراد وہ باتیں ہیں جو ابن ملقن کی تشریح العمده میں موجود ہیں۔ اور یہی روایت کی گئی کہ آپ نے فرمایا - رعب کے ساتھ ایک ماہ میرے سامنے ایک ماہ میرے پیچھے میری مدد کی گئی ہے۔ اور اس روایت کے مطابق دائیں اور بائیں سمت کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ تو اس طرح پہلی روایت سے مراد ہر سمت میں ایک مہینہ ہے۔

(۱۱۹) مَا زَالَ يَلْقَاهُمْ فِي كُلِّ مَعْتَرِكٍ
حَتَّىٰ حَكُوا بِالْقَنَا لَحْمًا عَلَىٰ وَضْمِ

چوں بہ جنگ دشمنان رفتے بدے در جنگ گاہ
اں بدنہا بر سر نیزہ چو لحم اندر وضم

جنگ کے میدان میں کفار کی حالت نہ پوچھ
جسم تھے نیزوں پہ ان کے جیسے کندوں پر لحم

ترجمہ: حضور ہر معرکہ میں کفار کے ساتھ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ کافر
نیزوں پر یوں معلوم ہوتے تھے گویا کہ وہ قصاب کے پھٹے پر گوشت
کی طرح پڑے ہوئے ہیں۔

لفظی تشریح

يلقاهم کی میم کو اشباع کے ساتھ پڑھیں گے۔ المعتوك صیغہ مفعول کے ساتھ
بمعنی معرکہ۔ حکاہ (حکایت) مشاہد ہونا۔ القنا، نیزہ۔ الوضم کڑی کا ایسا پھٹنا جس
پر قصاب گوشت کاٹ کر رکھتا ہے تاکہ مشتری اس میں رغبت کرے۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر معرکہ میدان اور مقام میں دشمنان اسلام سے جہاں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کونیروں کی انہوں پر اس طرح مقتول چھوڑا کہ وہ اس گوشت کے مشابہ ہو رہے تھے جس کو آسمان سے معلق لکڑی پر گوشت رکھا ہوا ہے۔ تاکہ وہ دیکھنے والوں کے لیے عبرت ہو اور دل لگی کرنے والوں کے سامان تفریح ہو۔ اپنے ساتھیوں کو قصاب سے تشبیہ دینا اور کفار کو غنم (بکریوں) سے۔ یہ ہر شجاعت میں مبالغہ ہے۔ اور دشمنوں کے دلوں کے کمزور ہونے پر دلیل ہے۔

وَدُّوا الْفِرَارَ فَكَادُوا يُغْبِطُونَ بِهِ
أَشْدَّاءُ شَالَتْ مَعَ الْعُقَبَانِ وَالرَّحِمِ

(۱۲۱)

آرزو شان بدگریز و غبطہ بڑندے براں
عضو ہائے شاں پریدے با عقاب و بارجم

جنگ کی دہشت سے ان کو بھاگنا منظور تھا
آرزو رکھتے تھے کھالیں چیل و گردھ ان کا لحم

ترجمہ: انھوں نے بھاگنے کو پسند کیا پس وہ قریب تھے کہ وہ ان اعضا پر
شک کرتے جو عقاب اور دوسرے گوشت خور پرندے اپنے ساتھ اٹھا کر
لے گئے تھے۔

لفظی تشریح: الغبطة نعمت حاصل کرنے کا اس طرح ارادہ کرنا جب کہ

صاحبِ نعمت سے زوالِ نعمت کا قصد نہ ہو۔ اشلہ و بروزن اشیاء جمع مکسر ہے شلو کی
 بمعنی عضو۔ شالت بلند ہونا۔ عقبان جمع عقاب کی۔ الرخمة، پرندے کی ایک قسم۔ یہ
 دونوں قسم کے پرندے مردار پر آتے ہیں اور اس میں سے کھاتے ہیں۔ اور اس میں سے
 اپنے بچوں کے لیے بھی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔

مسنوی تشریح

کفار نے اس سید ابراہیم اور سند انبیاء حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرار
 ہونے کی تمنا کی جس کی خدمت کرنے کی تمنا آزاد لوگ بھی کرتے ہیں۔ پس وہ کمال نفرت
 اور کمزوری کے باوجود وہ اس قدر قریب ہو گئے کہ وہ ایسی باتیں حاصل کرنے کی تمنا کرنے
 لگے ان اعضاء کو حاصل تھیں جن کو پرندے ان کو اٹھا کر ہوا میں لے گئے تاکہ وہ
 سید الانبیاء اور صحابہ کرام کے ساتھ جنگ کرنے سے خلاصی پائیں جو کہ تمام اولیاء کرام کے
 مردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔ امین!

تَمْضَى اللَّيَالِي وَلَا يَدْرُونَ عِدَّتَهَا
 مَا لَمْ يَكُنْ مِنْ لَيْلِي الْأَشْهُرِ الْحُرْمِ

(۱۲۱)

پس شبے بگزشت آں را کس نہ دانستے عدو
 در غزا ہا یوں نہ بودے از شبِ ماہِ حرم

ڈر کے مارے یوں گزر جاتی تھیں راتیں بیشمار
 ہاں سوا راتوں کے جن کے ہیں مہینے محترم

ترجمہ: راتیں گزر جاتی تھیں اور کافر لوگ ان کی تعداد کو نہیں جانتے تھے جب تک کہ حرمت والے مہینوں کی راتیں نہ ہوتیں۔

معمویٰ تشریح

راتیں اپنے دنوں سمیت گزر جاتی ہیں اور اوقات اپنی علامات کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن کفار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے برد آزما ہونے کی تکالیف پہنچنے کی وجہ سے راتوں کی تعداد سے بے خبر رہتے ہیں سوائے اشہر حرام کی راتوں کے۔ اشہر حرم چار ہیں، رجب، ذو القعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ کفار صرف ان چار مہینوں کو جانتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرمت والے مہینوں میں جنگ و جدال سے رک جاتے تھے۔

ناظم نے بجائے اوقات یا ایام کا ذکر کرنے کے راتوں کا ذکر کیا۔ اس میں ان کے تمام اوقات کے حال کے بڑا ہونے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ رات کی تاریکی اور سیاہی اسی بات سے کنایہ ہے۔ یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب ان کی راتوں کا یہ عالم ہو کہ آرام اور استراحت کا وقت ہے تو پھر ان کے پریشان دنوں کا کیا عالم ہوگا جو کہ متنوع کدورتوں اور مختلف ضرورتوں کے باعث ان کے لیے تشویش کا سبب ہیں۔

كَانَ مَا لِلدِّينِ ضَيْفٌ حَلَّ سَاحَتَهُمْ

(۱۲۲)

بِكُلِّ قَدْرٍ إِلَى لَحْمِ الْعِدَى قَرِمَ

گو تیار دیں بود مہمانی کہ او آد فود

بر سر اسے آں کہ بدشتاق لحم دشمنم

شکرِ اسلام تھا مہمان ان کے صحن میں
چاہتا تھا ہر نفس مل جائے دشمن کا لحم

ترجمہ: گویا دین اسلام ایسا مہمان تھا جو ہر کافر سردار کے گھر کے صحن میں اترتا اور
دشمنوں کا گوشت کھانے میں بہت حریص تھا۔

لفظی تشریح

القَوْمُ سردار۔ القَوْمُ گوشت کی بہت زیادہ خواہش رکھنے والا۔

معنوی تشریح

کفار پر جو مصائب آتے اس کی وجہ ان کی کمزوری تھی۔ دین اسلام کی مثال ایک
ایسے بادشاہ کی ہے جو اپنے لشکر سمیت آیا۔ اور ہر شکری اعداء کو کھانے میں
حریص ہے۔ اور دشمنوں کو نظروں میں بہت بہادر اور خوفناک ہے۔
بے شک کفار جس مصیبت میں واقع ہوئے وہ صرف اپنی کمزوری کی وجہ سے واقع ہوئے۔

کیونکہ دین اسلام

ایک بادشاہ کے مجھے کے ساتھ جس نے ایک مہمان کو اپنے گھر کے صحن میں چھوڑا۔
پس انھوں نے نہیں جانا کہ وہ کیا شے ہے اور سرگرداں رہے۔
اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دین ایک ایسی شے ہے جس کی خدمت
اس کے وصول کرنے کے لیے اور اس کے حضور حاضر ہونا اور حاصل کرنے کو غنیمت جاننا
ضروری ہے۔ ورنہ وہ ارباب کمال کے دلوں میں منتقل ہو جائے گا۔

اس میں اس بات ہے کہ ضعیف (مہمان) اور اہل ارتحال میں

سے ہے۔

يَجْرُ بِحَرَخْمَيْسٍ فَوْقَ سَابِحَةٍ
يَدْرِى بِمَوْجٍ مِّنَ الْاَبْطَالِ مُلْتَطِمٍ

میکشیدے بحرِ شکرِ جلدِ بر اسپاں سوار
موج میزد از دلیرانے کہ رفتند سے بہم

تیز رو گھوڑوں پہ تھا وہ شکرِ دریا مثال
جنگ کے میدان میں موجیں لگاتا دم بم

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز رفتار سوار یوں پر سوار ایک شکر جبار سے
نکلے جس میں بہادر دریا میں ٹھاٹھیں مارنے والی موجوں کی مانند تھے۔

لفظی تشریح

الجر کھینچنا۔ الخمیس ایسا شکر جس کے پانچ ارکان ہوں، مقدمہ، ساق، قلب،
میمنہ اور میسرہ۔ شکر کو سمندر کے ساتھ تشبیہ، ہیبت، رفتار، ہلاکت اور چپک میں ہے۔
اور شکر بعض بعض پر میدان اور ہیمان میں موج مارتا ہے۔

بڑے بڑے شکر جنگ میں آپ کے حکم کے مطابق چلتے ہیں۔ اور آپ کے حکم
سے جنگ سے رک جاتے ہیں۔ (فوق سابعۃ) یہ بجر کی صفت ہے۔ یعنی
اونٹوں اور گھوڑوں پر چلنے والا گروہ ایسے ہی توہی بموج ہے۔ (یعنی یہ بھی بحر کی صفت
ہے۔ یہاں پر بار متعدی بنانے والی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں توہی بشی
توہی میں ضمیر بحر کی طرف یا خمیس کی طرف راجع ہے۔ سابعۃ کی طرف نہیں جیسا کہ

بعض کا وہم ہے۔ الموج سمندر کی وہ کیفیت جو تلاطم اور اضطراب کے نتیجہ میں حاصل ہو۔ من
یہاں پر بیان یہ ہے۔ ملتطم موج کی صفت ہے یعنی سمندر کا بعض شدت ہيجان
کے ساتھ بعض کو مارنے والا ہے۔ الا لظاہر پہلوانوں کا ٹکرا جانا۔ مسابقت اور
ہتھیاروں کے ٹکراؤ کی ضد ہے۔ ابطال، بطل کی جمع بہا اور۔

مسنوی تشریح

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شکر کی قیادت فرماتے تھے جو پانچ ارکان پر
مشمول ہوتا اور جو سمندر کی موج کے مشابہہ ہوتا۔ وہ شکر اور ہلاکتوں کے میدان میں داخل
ہونے والے گھوڑوں اور اوشنیوں پر سوار ہو کر چلتا ہے۔ یہ سواریاں ہر تکلیف کو قبول کرتی ہیں
میدان جنگ کے محل وقوع اور اوقات کی تدبیر کرتی ہیں اور زمانہ جنگ میں بوجھ اٹھا کر
(منزل مقصود) تک پہنچاتی ہیں۔ یہ (لوگوں کا سمندر) سمندر تلاطم خیز موجیں مارتا ہے۔

مِنْ كُلِّ مُنْتَدِبٍ لِلَّهِ مُحْتَسِبٍ
يَسْطُو بِمُسْتَأْصِلٍ لِّلْكَفْرِ مُصْطَلِمٍ

(۱۲۴)

جسد از بہر خدا در کار بودند و غنا
بیخ کفر از بن بکند نہ نیست کردند آل شیم

اجر کی امید والے دعوت حق کے مرید
کفر کی بنیاد کو کرتے تھے بالکل کالعدم

ترجمہ : وہ نوجوان اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہیں اور ثواب کی امید کرتے ہیں ان میں

سے ہر ایک کفر کو ہلاک اور جڑ سے اکھیڑنے کے عزم سے حملہ کرتا ہے۔

لفظی تشریح

کہا جاتا ہے: مذہب، اس نے پکارا: انتدب اور اس سے جواب دیا۔ علامہ جلال الدین محلی نے فرمایا ہے کہ منتدب دال پر زبر کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے مدعو جسے پکارا جاتے ہیں وہ غیر محل میں ہے۔ شیخ زکریا نے اس کو غریب جانا۔ جب کہ انھوں نے نعقب کے طور پر اس کی اتباع کی۔ قاموس میں ہے: ندبہ الی الاھو اس کو پکارا۔ براہِ نگیختہ کیا اور اس کو اکسایا (وغیرہ معافی ہیں) اور انتدب اللہ لمن جزع فی سبیلہ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جزع کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا وغیرہ کو بخشش کے ساتھ قبول کیا۔ الاحساب: ثواب طلب کرنا۔ اور نیت حاصل کرنے میں کوشش کرنا۔ اور اخلاص اور اجر کا حساب حاصل کرنا۔

لہذا بعض نے کہا ہے کہ اس کا تعلق محتسب کے ساتھ ہے۔ اور واضح یہ بات ہے کہ اس کا تعلق منتدب کے ساتھ ہے، کیونکہ اس کے ساتھ اس کا مخصوص ہونا بدلیل احتساب ہے۔ بخلاف انتداب کے۔ اور اس میں تنازع کا بھی احتمال ہے۔

یسطو حملہ کرنا۔ استاصملہ۔ جڑ سے اکھیڑنا۔ اصطلم ہلاک کرنا۔ ”من محل“ یہ کلمہ یا تو من الابطال کا بدل ہے یا اس کا بیان ہے۔ اور یہی وجہ سب سے بہتر ہے۔ یہ شعرانِ نوجوانوں کی بلند آرزوں اور قیمتی مقاصد کے وصف میں کہا گیا ہے جیسے کہ پہلا شعر تعداد کی کثرت اور افراد کی عمدگی اور مدد کی غایت و نہایت کے لحاظ سے حبش کے وصف میں کہا گیا ہے۔

معنوی تشریح: وہ ماہر نوجوان، گمراہوں کے نوجوانوں میں موجود ہیں اور

وہ سب کامل رغبت کے ساتھ دعوت کو حقیقی طور پر قبول کرنے والا ہے اور شامل ثواب کی وجہ سے اخلاص نیت کے ساتھ کوشش کرنے والا ہے۔ ہر ایک اللہ تعالیٰ کی قوت سے جملہ کرتا ہے اور چکر لگاتا ہے۔ وہ چکر لگاتا ہے اس طرح کہ ملتبس ہو کر کفر اور کفار کو جڑ سے اکھیرٹاتا ہے اور جنگ کے ہتھیار تلوار اور نیزے کے آلات کے ساتھ باطل کو اس کی اصل و نسل سے ہلاک کرنے والا ہے۔

(۱۲۵) حَتَّىٰ غَدَتْ صِلَّةُ الْإِسْلَامِ وَهِيَ بِهِمْ
مِنْ بَعْدِ غُرْبَتِهَا مَوْصُولَةُ الرَّحِمِ

تا قومی شد ملت اسلام از سعی ہمہ
ویں در اول بد غریب و شد در آخر محترم

دین حق یوں ان کے دم سے آخر نش ظاہر ہوا
مل گئے بچھڑے ہوئے اور ہو گئی غربت بھی کم

ترجمہ: حتیٰ کہ ملت اسلامیہ اپنی اجنبیت (غربت) کے بعد اقربا سے مل گئی
حالانکہ وہ پہلے بھی انھیں میں سے تھی۔

لفظی تشریح

حتیٰ یہ حرف یحجر کی غانت کے لیے ہے۔ (وہی بہم) یہ جملہ حالیہ ہے۔

اور موصولہ الرحم یہ غدت کی خبر ہے۔ الرحم بمعنی قرابت۔ صلہ الرحم

قریبی رشتہ داروں کی رعانت کرنا انعام دینے سے یا زیادہ عطا کرنے سے یا ان سے

کوئی عہد و پیمان کیا یا ان کو تلاش کیا (ان کا حال احوال دریافت کیا) یا ایسی کوئی چیز ان کو دی جس کی ان کو ضرورت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپس میں صلہ رحمی کرو۔ اگرچہ سلام کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ من بعد۔ یہ غدت کے متعلق ہے۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اور چھوٹے لشکروں کو کھینچتے رہے۔ (قیادت فرماتے رہے)، اور گھوڑوں اور سواروں سے سفر طے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ملت اسلام اس طرح ہو گئی کہ شدت جنگ اور بار بار کے حملے بھی ان کے درمیان مفارقت نہ کر سکے۔ حالانکہ وہ ملت اسلامیہ آپس میں ملتبس ہے۔ یہ امت کمزور اور اجنبی ہونے کے بعد صاحب شکست اور مددگار بن گئی۔ اور یہ کہ غربت اور وصل سے مراد جو اس مقام کو لازم ہے وہ اہانت اور اکرام ہے۔

اس شعر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: ”اسلام غریب ہو کر شروع ہوا۔ اور عنقریب غریب کی طرف لوٹ جائے گا۔ پس مبارک ہے غریب کے لیے“ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

یعنی اسلام آیا اور ایسی قوم کے درمیان ظاہر ہوا جو اس کو قائم نہیں رکھ سکتی تھی پس وہ (اس طرح) مقطوع الرحم تھی۔ پھر اسی کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: تو پھر انھوں نے صلہ رحمی کی۔ اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا۔

مَكْفُولَةٌ أَبَدًا مِنْهُمْ بِخَيْرٍ أَوْ
وَخَيْرٍ بَعْلٍ فَلَمْ تَيْتَمَوْا وَلَمْ تَسْمُوا

وہی از ایشاں یافت بہتر شوہر و بہتر پدر
زاں نشد در بیوگی و ہم منہ اندر یتیم

جیسے مل جاتے کسی کو نیک شوہر اور پدر
بیوگی کا اور یتیمی کا اُسے پھر کیسا ہو غم

ترجمہ: (وہ ملت) کفار کے شر سے محفوظ ہو گئی بہ سبب بہترین باپ اور بہترین
خاوند کے پس اب (وہ ملت) نہ تو یتیم ہوگی اور نہ ہی بیوہ۔

معنوی تشریح

مکفولۃ یہ غدت کی دوسری خبر ہے۔ یا یہ مبتدا مخدوف کی خبر ہے جو بھی ہے۔
مکفولۃ بمعنی محفوظہ ہے۔ اس معنی کی صورت میں منہم میں جمع کی ضمیر کا مرجع کفار ہیں
یا بمعنی متکلفۃ اس صورت میں ضمیر نیک نوجوان (ابطال ابرار) کی طرف راجع ہے۔
ایک نسخہ میں منہم کی بجائے منہ (یعنی جمع کی بجائے واحد کی ضمیر ہے) ہے
پس ایسی صورت میں ضمیر نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ ابگ اور بعل
سے ناظم قصیدہ کی مراد سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کے بعد خلفاء راشدین
ہیں۔ ان کے بعد علماء مجتہدین اور امراء مجاہدین مراد ہیں۔ کہا جاتا ہے، یتیم الولد
جب کہ بچے کا والد فوت ہو جاتے اور وہ چھوٹا ہو۔ اور امت المرأة سے فعل
مضارع یتیم جیسے باع یتیم باب ضرب یضرب۔ جب وہ عورت، اپنے
خاوند سے چھوٹ جاتے۔ ناظم نے جوابدہ کہا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف
اشارہ ہے کہ یہ نسخ اور تبدیل سے محفوظ ہے۔

معنوی تشریح

ملتِ اسلامیہ محفوظ ہو گئی۔ پس اللہ کی کفالت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ اس طرح کہ ایک مشفق مربی اس کو اپنی فسیل اور ایک نرمی کرنے والا قائم رہنے والا اپنی حمایت میں رکھے گا بلکہ وہ ہمیشہ اولی الامر اور اولو العلم جو کہ اصحابِ عدل، کرم اور علم ہیں ان کے ساتھ مربوط ہیں اور جلیل بادشاہ (اللہ تعالیٰ) کی حمایت کے ساتھ محفوظ ہے۔ پس بہترین کفیل اور بہترین وکیل ہے۔

هُمُ الْجَبَالُ فَسَلَّ عَنْهُمْ مُصَادِمُهُمْ
مَا ذَا رَأَى مِنْهُمْ فِي كُلِّ مُصْطَدِمٍ

(۱۲۷)

کوہ ہا بودند ازاں کو در نبرد آمد بہ پرس
تا بگویند آنچه دیدستند از ایشان در صدم

تھے وہ مثل کوہ پوچھو دشمنوں سے ان کا حال
کچھ اگر دیکھا ہے ان کو شامل جنگ صدم

ترجمہ: وہ شکر ثبات و وقار میں، پہاڑ ہیں۔ ان سے ٹکرانے والوں کا حال
کافروں سے پوچھو کہ انھوں نے مسلمانوں سے ٹکر کر ہر معرکہ میں ان سے کیا دیکھا۔

لفظی تشریح

ہم الجبال یہ تشبیہ بیغ کی قسم میں سے ہے۔ جیسے زید الاسد میں ہے۔
اس میں وجہ تشبیہ ثابت قدمی، (بغیر کسی قرار کے فرار ہونا)، صلابت عظمت، معدنی ہبہ،

مصادمت و مقارعت ہے۔ مصطدم یہ مصدر ہے یا اسم مکان یا زمان ہے۔ ماذا
 رأوا بدل ہے۔

معنوی تشریح

شعر میں منہم بالا شباع پڑھا جائے گا۔ فصل میں فاء شرط محذوف۔ کا
 جواب ہے۔ اس کی تقریروں سے، ان کو تصدقنی فاسئل عنہم۔ اگر تو میری
 تصدیق نہیں کرتا تو ان سے پوچھ لے ان کا کرنا۔ کیونکہ پہاڑ سے گرنے والا ٹکرانے والا ٹوٹ
 جاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے یا پیچھے رہ جاتا ہے تو فوراً شکست کھا جاتا ہے۔ ان (کفار)
 سے پوچھو کہ انھوں نے کیسے مردوں کو دیکھا؟ یعنی شدت و صبر میں، محنت و شکر میں
 ہر حرکت اور حرکت کے زمانہ میں وہ جیالے نوجوانوں ہیں۔

ایک نسخہ میں مصادم میم کے فتح کے ساتھ اور ماذا رأی بصیغہ مفرد ہے، تو اس
 صورت میں مصادم معنی مواضع حرب (جنگ کی جگہیں) ہے۔ اور رأی بصیغہ مفرد کا معنی
 ہوگا ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی جگہوں کو دیکھ لیا۔ اور یہی زیادہ مناسب ہے۔
 اگلا شعر عطف تفسیری کے طریقہ پر ہے۔ یا وہ از قبیل عطف الخاص علی العام ہے۔

فَسَلُّ حَنِينًا وَسَلُّ بَدْرًا وَسَلُّ حُدًّا
 فَصُولَ حَتَفٍ لَّهُمْ أَذْهَى مِنَ الْاَوْخِمِ

(۱۴۸)

از حنین و بدر و دیگر از احد میسکن سوال
 تا بخوانند فصلہائے مرگ ادہی از وخم

پوچھ لو بدر و خنین واحد سے بھی ان کا حال
موت کے اقسام ہرگز تھے وہا سے کچھ نہ کم

ترجمہ : غزوہ خنین، غزوہ بدر اور غزوہ احد کے مقالات (ان کا) حال پوچھو (جبکہ)
کافروں کے لیے موت کی ایسی فصلیں موجود تھیں جو ان کے لیے وہا سے
بھی زیادہ اذیت ناک تھیں۔

لفظی تشریح

بین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے۔ بدد مکہ اور مدینہ کے
درمیان ہے۔ اُحد مدینہ منورہ کے قریب ایک پہاڑ ہے۔ فصول بدل
ہے یا خبر مبتدا محذوف کی ہے۔

معنوی تشریح

جگہوں کے متعلق ان لوگوں سے پوچھو جو اس زمانہ کے واقعات پر مطلع ہوئے،
کیونکہ ان زمانوں میں دشمنوں کو مختلف قسم کی ہلاکتیں اور مصیبتیں جو کہ وہا سے بھی زیادہ
سخت تھیں، پائی گئیں۔

ان غزوات کی تفصیل سیر کی کتابوں میں مسطور ہے اور بعض تفسیر کی کتابوں میں
بھی مذکور ہے بعض نے کہا ہے کہ احد کا ذکر نامناسب ہے، کیونکہ اس میں شکست بھی
مذکور ہے، تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ بہادری تو شکست کے وقت ثابت قدمی اور تحفظ
کی وجہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اور مسلمانوں کا حال کفار کے حال سے زیادہ قوی ہے، کیونکہ
بعض ہزیمت (میں مسلمان) ثابت قدم رہے یہاں تک کہ کفار خائب و خاسر اپنے شہر

کو لوٹ گئے۔ اور وہ

اللہ تعالیٰ کی مدد سے قادر نہ ہوتے۔ اور یہ بہتر ہے کہ یوں کہا جاتے۔ اگرچہ وہ مسلمان
ابتدا میں غالب آگئے تھے۔ پھر وہ اپنے غنائم میں متفرق ہو گئے۔ اور مسلمانوں نے مراکز
اور قرار کی جگہوں کو چھوڑ دیا، تو کفار نے فرار کے بعد داؤ حیلہ کیا۔ اور وہ پیچھے سے داخل ہو گئے
تو قتال واقع ہوا سو ہوا۔

اس کے باوجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تحفظ کے ساتھ ثابت قدم
رکھا۔ اور ان کے استیصال سے خلاصی دی، تو اس طرح غلبہ اولاً آخراً، ظاہراً و باطناً مسلمانوں
ہی کا ہے۔ الحمد للہ علی ذالک۔

المصدری البیض حمراً بعد ما وردت
من العداى كل مسودٍ من اللہ

(۱۲۹)

سرخ کر دندے بخون دشمنان شمشیر را
چوں فروشد در سیاہی ہر سر موزا کم

یوں سپیدی سُرخ روتی سے بدل جاتی تھی سب
زخم کھا کر جب ہوا کرتے تھے ان کے سر قلم

ترجمہ: وہ نوجوان مسلمان چمکدار سفید تلواروں کو (دشمنوں کے خون کے گھات میں)
ان کے خون سے سرخ کرنے والے تھے۔ وہ دشمن جن کی کنپٹیاں سیاہ تھیں
یعنی وہ جوان تھے۔

لفظی تشریح

اصدر گھات سے نکالنا۔ اورد داخل کرنا۔ ورد داخل ہونا۔ ما مصدریہ ہے۔
 مصدری بیض کی طرف مضاف ہے۔ اس وجہ سے اس کا لون ساقط ہو گیا۔ (اصل میں جمع
 مذکر سالم اسم فاعل کا صیغہ تھا)۔ اور وہ بتقدیر مدح منصوب ہے۔ البیض صیقل شدہ
 تلواریں۔ اس کو نصب پڑھنا بھی جائز ہے جیسے پڑھا گیا۔ والمقیبی الصلوٰۃ لون کو برائے
 تخفیف حذف کیا گیا۔ حمرا۔ یہ بیض سے حال واقع ہو رہا ہے۔ یعنی خون کے ساتھ آلودہ ہیں
 من العدی یہ ومن البیض سے حال ہے۔ اور یہ وردت کا مفعول ہے۔ ومن
 اللہم یہ مسود کا بیان ہے۔ لہم جمع لہۃ کی ہے۔ وہ بال جو کندھے تک لگے ہوتے ہیں
 اور مراد ان کے اگنے کی جگہ ہے۔

معنوی تشریح

اس شعر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کفار میں سے جو مقتول ہیں۔ ان میں سے
 اکثر نوجوان ہیں۔

وَالْكَاتِبِينَ بِسْمِ الْخَطِّ مَا تَرَكَتْ
 أَقْلَامُهُمْ حَرْفَ جِسْمٍ غَيْرَ مُنْجِمٍ

(۱۳۰)

میں نوشتندے بہ نیزہ خطِ سرخی بر بدن
 حرف جسم بے نقط نہ نوشتہ بودے از قلم
 دشمنوں کے جسم کو بے زخم چھوڑا ہی نہیں
 کار فرما اس طرح تھے ان کے نیزوں کے قلم

ترجمہ: وہ مسلمان گندم گوں رنگ کے نیزوں کے ساتھ کھنے والے تھے اور ان کے قلموں نے جسم کا کوئی حصہ بغیر کسی نشان کے نہیں چھوڑا۔

لفظی تشریح

الکاتبین المصدر می پر عطف ہے یعنی گندم گوں نیزوں کے ساتھ سرکش کرنے والے۔ وہ نیزے ہیں۔ سہی جمع ہے اسم کی۔ سہی اس کا ایک درخت ہے بعض نے کہا کہ سمریہ امر میں ایک جگہ کا نام ہے جہاں ہند سے سامان ضرورت سے جایا جاتا ہے و ما ترکت اقلامہم اقلام سے مراد ان کے تیر اور نیزے ہیں۔ حرف جسم کفار کے جسم کا ایک حصہ۔ غیری منجم بغیر کسی نشان کے۔ غیری بطور حرف کی صفت کے منصوب ہے۔ اور غیر محو ہونے کی صورت میں جسم کی صفت ہے۔ جملہ منفیہ (ما ترکت)..... (معجم) اقلامہا کی روایت کے مطابق سمر الخط سے حال ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ نیا جملہ ہو اور ما موصولہ مع اپنے صلہ الکاتبین کا مفصل ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے۔

معنوی تشریح

ان دونوں شعروں میں عبارت و اشارت کے لطائف و ظرائف محفی نہیں ہیں۔ ان کا معنی یہ ہے کہ اہل عقل و دانش صحابہ کرام اپنی سفید تلواریں دشمنوں کے سروں پر مارتے ہیں اور ان کے خون سے سرخ رنگ دے کر ان تلواروں کو نکال لیتے ہیں۔ اور نہ ٹوٹنے والے نیزوں کے قلموں سے ان کے چہروں کے اوراق پر ان کی نامرادی ان ہی کے سرخ خون سے رقم کرتے ہیں۔ اور ان قلموں کی تحریر سے کوئی جسم اور بال اگنے کی جگہ محفوظ نہیں رہ جاتی۔

شَاكِي السِّلَاحِ لَهُ سِيْمَا تُمَيِّزُهُمْ
وَالْوَرْدُ يُمْتَازُ بِالسِّيْمَا مِنَ السَّلَامِ

(۱۳۱)

اں کماں سنبھاں کہ سیما شاں بریں ممتاز بود
گل برنگ و مَوئے خود مست از گرد از سلم

گو مسلح تھے مگر رکھتے تھے سجدے کے نشان
تھے صحابہ مثل گل کفار مانند سلم

ترجمہ : مسلمان ہتھیاروں سے ایسی ایسی امتیازی شان کے مالک تھے جیسے گلاب
بہول کے درخت سے ممتاز ہوتا ہے۔

لفظی تشریح : المصْدَرِی الْبَیْضِ موصوف اور شاکی السلاح صفت ہے،
یا اول الذکر مبدل منہ اور مؤخر الذکر بدل ہے، یا اول الذکر ذوالحال اور مؤخر الذکر حال ہے
یہ المشوكة سے قلب کر کے اسم فاعل بنایا گیا ہے۔ السِّيْمَا علامت۔ السَّلَامُ بہول جو
کہ گلاب کے مشابہ ہوتا ہے۔ لیکن گلاب کا حسن منظر اور خوشبو اسے بہول سے ممتاز کر
دیتی ہے۔

معنوی تشریح

مسلح، طاقتور اور بہادر اور نیک سیرت مسلمان کفار کے مقابلے میں بڑے سخت
لیکن آپس میں ایثار پیشہ، متواضع، کریم اور رحمدل ہوتے ہیں۔ ان کے احباب ان کی عمدہ
نشانیوں سے انھیں اعداء سے ممتاز کر لیتے ہیں جیسے گلاب بہول سے ممتاز ہوتا ہے۔

خداوند قدوس فرماتا ہے:

سَيَأْخُذُ فِي وَجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ (ان کی نشانی ان کے
چہروں میں سجدوں کے اثرات ہیں۔)

(۱۳۲) تَهْدِي إِلَيْكَ رِيَّاحُ النَّصْرِ نَشْرَهُمْ
فَتَحْسَبُ الزُّهْرَ فِي الْأَكْمَامِ كُلِّ كَمِيٍّ

میرساند باد نصرت بر تو بوی سعی شاں
چوں بہار اندر سر غنچہ بود ثابت قدم
بوتے نصرت جب صبا لاتے تو یہ سمجھے گا تو !
مثل غنچوں کے غلافوں میں تھے وہ عالی ہمم !

ترجمہ : فتح و نصرت کی ہوائیں ان کی خوشبو تجھ تک اس انداز میں پہنچاتی ہیں کہ تو
ان میں سے ہرزہ پوش بہادر کو غلافوں میں شگوفہ گمان کرنے لگتا ہے۔

لفظی تشریح

نَشْرُهُمْ کے معنی کے غنچے کو بالاشباع پڑھا گیا ہے۔ تَحْسِبُ اور تَحْسَبُ دونوں
درست ہے۔ اَلْزُّهْرُ ہدیہ ارسال کرنا ہے۔ رِيَّاحُ النَّصْرِ سے مراد اس کی برکات
اور ثمرات ہیں۔ بعض اوقات ریح سے مراد مصائب بھی ہوتے ہیں شاعر کہتا ہے۔

أَذَاهَبَتْ رِيَا حُكَّ فَاغْتَنَمَهَا
فَعَقَّبَى كُلَّ عَاصِفَةٍ سَكُونُ

جب تجھ پر مصائب آئیں تو انھیں غنیمت جان کیونکہ ہر آندھی کا انجام سکون ہوتا ہے۔

اور لَشْرُهُمْ سے مراد ان کی عمدہ خبریں ہیں۔ اَلْکَامُ جمع کَحْم کی ہے یعنی غلاف۔ کَمِی شَاح۔ اس کو کچھ ضرورت شعری کی وجہ سے کر دیا گیا ہے۔ فَتَحَسِب الزَّهْر تشبیہ مقلوب ہے یعنی تو ہر ایک ذرہ پوش بہادر کو غلاف کے اندر پھول گمان کرے گا۔
معنوی تشریح

اس شعر میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے جب بھی تجھے ہوا میں خوشبو محسوس ہو تو جان لے کہ یہ ان کی طرف سے آنے والی ہوا ہے۔ کل کَمِی کو تحسب کا مفعول اول اور ماقبل کو مفعول ثانی بھی کہا گیا ہے وہ پھول جو غلاف کے اندر ہو وہ بہت حسین اور اس کی خوشبو بہت عمدہ ہوتی ہے۔

كَأَنَّهُمْ فِي ظُهُورِ الْخَيْلِ نَبَتْ رُبًّا
مِنْ شِدَّةِ الْحَزْمِ لَا مِنْ شِدَّةِ الْحَزْمِ

گو یا بر پشتِ اسپاں چوں درختِ پشتہ کوہ
ز استواری بود در دین نہ ز کثرت درسم
تھے وہ گھوڑوں پر سوار ایسے کہ ٹیلوں پر درخت
زین کی پروانہ تھی ان شہسواروں کو بسم

ترجمہ: مسلمان شہسوار گھوڑوں پر ایسے جم کر بیٹھتے ہیں جیسے ٹیلے پر
گھاس۔ اس کی وجہ ان کا فن شہسواری میں طاق ہونا ہے نہ کہ تنگ کا خوب
کسے ہوتے ہونا ہے۔

لفظی تشریح

الرَّيْبَا - دَبْوَةٌ کی جمع ہے یعنی ٹیلے۔ شِدَّةُ الْحَزْمِ - شدت احتیاط اور
قوت ثبات۔ الْحَزْمِ - حِزَامٌ کی جمع ہے جس سے زین وغیرہ باندھی جاتی ہے یعنی
تنگ۔

معنوی تشریح

ٹیلے کی گھاس کی بڑیں پانی تک گہری ہوتی ہیں اس لیے وہ گھاس ٹیلے پر بڑی مضبوطی
سے قائم رہتی ہے۔ ناظم نے مجاہدین اسلام کے گھوڑوں پر جم کر بیٹھنے کو ٹیلے کی گھاس
سے تشبیہ دی ہے۔ اور اس غلط فہمی کا ازالہ بھی کر دیا کہ ایسا تنگ کے خوب کسے ہوتے
ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی وجہ فن شہسواری میں ان کی مہارت ہے۔

طَارَتْ قُلُوبُ الْعِدَى مِنْ بَاسِهِمْ فَرَقًا
فَمَا تَفَرَّقُ بَيْنَ الْبِهِمِ وَالْبِهِمِ

(۱۳۴)

لرزہ بردلہائے کفار اوستاد از ترس شاں
چارپائے و آدمی نشناختند از ترس و غم

ہوش غائب تھے عدو کے سختیوں سبک کی
فرق کر سکتے نہیں تھے سورما ہے یا غنم

ترجمہ: دشمنوں کے دل مسلمانوں کی بہوری کی وجہ سے نہایت خوفزدہ ہوتے۔
پس وہ (دل) انسان اور چارپائے کے درمیان کوئی فرق نہیں کر پاتے تھے۔

لفظی تشریح

فَرَقًا بِنَفْسَيْنِ۔ از روئے خوف اور گھبراہٹ کے۔ طیران کی جو نسبت قلوب کی طرف
ہے یہ کلمہ اس کی تمیز ہے۔ اَلْبَهْمُ بار پرزراور حمار پر جزم۔ یہ بَہْمٌ کی جمع ہے۔ وہ
بکری کے بچے کو کہتے ہیں۔ مراد چوپائے۔ اَلْبَهْمُ بار پر پیش پر بار پرزرا۔ جمع بَہْمٌ
کی ضمہ اور سکون کے ساتھ بمعنی بہادر۔

معنوی تشریح

دشمنوں کے دل مضطرب ہو گئے۔ اور جنگ میں مسلمانوں کی بہادری (سختی) کی
وجہ سے خالی ہو گئے۔ یہاں تک کہ مذکورین کے درمیان کوئی تمیز نہیں کی جاسکتی۔
اور نہ ہی مسطورین کے درمیان کوئی فرق کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ان کی نظر صرف ظاہر پر

محصور ہے۔ وہ (ظاہری) گندگی اور طہارت کو جانتے ہیں۔ البتہ مسلمانوں کی نظر ٹہری باریک بین ہے جو مناسب معنی کے ساتھ مقرون ہے۔ وہ حق و باطل میں فرق کرتے ہیں، اور حق پرست اور باطل پرست کے درمیان تمیز کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دوسمندر اکیس میں برابر نہیں ہیں اگرچہ وہ دونوں حیوان کی نظر میں ظاہر ہے کہ وہ دونوں مساوی ہیں۔ یہ فرات کا پانی میٹھا ہے اور دوسرا سخت نمکین ہے پس جس نے چکھا نہیں وہ جانتا نہیں۔ اور جو جانتا نہیں وہ اعتراف کس طرح کرے۔

وَمَنْ يَكُنْ بِرَسُولِ اللَّهِ نُصْرَتُهُ
إِنْ تَلْقَاهُ الْأُسْدُ فِي أَجَامِهَا تَجِمِ

(۱۳۵)

میر کہ اور از رسول اللہ نصرت آمدہ
شیر اگر بروے رسد از ترس او آید بہم

ہو مدد جس کو رسول سید لولاک کی!
شیر بھی ان کو ملے جنگل میں گرماے نہ دم

ترجمہ: جس کے ساتھ رسول اللہ کی مدد شامل ہو، اگر اس کو شیر اپنی کھچاروں میں ملیں تو اطاعت کریں۔

لفظی تشریح

النصرة مصدر مبنی للمفعول ہے۔ الْأُسْدُ ہمزہ پر پیش اور سین ساکن۔ جمع اسد کی الجماع جمع اجماع۔ وہ جگہ جہاں سرکنڈے بہت زیادہ ہوں۔ تجم۔ تا پر فتح اور جم پر

کسرہ۔ یہ وجہ سے مشتق ہے بمعنی خاموش ہونا جب بھی شکست کھاتے۔ دوسری شرط اور اس کا جواب مل کر دونوں پہلی شرط کا جواب ہے۔ یہ تو الی شرطین والا مشہور مسئلہ نہیں ہے، کیونکہ ان میں دوسری شرط پہلی کا حال ہے اور جواب اسی کا ہے۔ جیسے ان جِئْتَنی ان تادبت اکومت تو اصل میں ہے : ان جِئْتَنی متادبا اکومت۔ یعنی اگر تم میرے پاس مؤدب ہو کر آئے تو میں تمہاری عزت کروں گا۔ اور تادب کا، آنے سے مقدم ہونا ضروری ہے۔ تاکہ آمد کے ساتھ اس کی مقارنت متحقق ہو جائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : میری نصیحت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی اگر میں تمہیں نصیحت کروں جب کہ اللہ تعالیٰ تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

معنوی تشریح

جس کو دشمنوں کے ساتھ جنگ میں نصرت، اعانت، اور قوت سیدالاحباء (اہل محبت کے سردار یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی وساطت سے حاصل ہو، تو اگر ایسے انسان کو تمام شیر اپنی بولان گاہ جس کو کچھارکتے ہیں۔ اور شیر ویسے بھی بہادری اور ہیبت ناکی میں مشہور ہیں، مل جاتیں، حالانکہ وہ شیر اپنی اپنی کچھاروں میں بڑے جری ہوتے ہیں۔ لیکن جب وہ ایسے فرد کو ملتے ہیں جس کو رسول اللہ کی تائید اور نصرت حاصل ہو، تو وہ اپنے حال پر پرسکون ہو جاتے ہیں اور انجام کے خوف سے حرکت بھی نہیں کرتے۔

اس شعر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو محی السنۃ نے شرح السنۃ میں حضرت ابن المنکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی : ”حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ روم کی سرزمین میں شکر سے (اتفاقاً) جدا ہو گئے یا قید کر لئے گئے تھے تو شکر کو تلاش کرتے ہوئے بھاگ نکلتے تو اچانک راستے میں ایک شیر ملا۔ شیر حملہ کیا ہی چاہتا تھا کہ، حضرت

سفینہ بولے، اے ابوالحارث! (شیر کی کنیت ہے) میں رسول اللہ کا غلام ہوں اور میرا یہ یہ معاملہ ہے، تو شیر (خادمانہ انداز میں) آگے آیا اور ان کے پہلو میں کھڑا ہو گیا اور جب بھی کوئی آواز سنا تو اس طرف جھپٹتا۔ پھر واپس آیا اور ان کے پہلو بہ پہلو چلنے لگا، یہاں تک کہ آپ شکر تک پہنچ گئے۔ پھر شیر واپس آ گیا۔
صاحب مشکوٰۃ نے اس حدیث کو باب الکرامات میں ذکر کیا۔

وَلَنْ تَرَىٰ مِنْ وَلِيٍّ غَيْرٍ مُنْتَصِرٍ
بِهِ وَلَا مِنْ عَدُوٍّ غَيْرٍ مُنْقَصِمٍ

(۱۳۷)

دوست تائش را نہ بینی غیر منصور و عزیز
ہم نہ بینی دشمنش جز خار بگستہ ہم

دوست ان کا ہوں نہیں سکتا ہے محمد و ممد
اور ذلیل و خوار ہو گا دشمن شاہِ اُمم

ترجمہ: تو ہرگز حضور کے کسی ساتھی کو غیر منصور نہیں دیکھے گا۔ اور نہ آپ کا کوئی دشمن ایسا دیکھے گا جو عاجز نہ ہوا ہو۔

لفظی تشریح

من دونوں جگہوں میں زائد ہے۔ بہ کی ضمیر رسول اللہ کی طرف ہے! الانقضاء قاف کے ساتھ ایک روایت میں ہے، بمعنی انکساری و عاجزی ہے جو انفصام سے بڑھ کر ہے یعنی انکساری بمع جدائی۔ اور غیور دونوں جگہوں میں مجبور بطور وصفت کے ہے

اور منصوب بطور تروی کا مفعول ثانی ہونے کے ہے۔ اس طرح کہ رویت سے رویت
قلبی مراد ہو۔ اور مرفوع اس صورت میں غیور خبر مبتدا محذوف کی واقع ہو جو کہ ہو ہے۔

معنوی تشریح

تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ساتھی بھی ہرگز ایسا نظر نہیں آئے گا جو غیر منصوب
ہو۔ اور کوئی ایسا دشمن تمہیں نظر نہیں آئے وہ جو حالت دشمنی میں عاجز اور مقہور نہ ہو۔ بلکہ حضور
کا ہر دوست غالب اور آپ کا ہر دشمن عاجز ہے۔

(۱۳۸) أَحَلَّ أُمَّتَهُ فِي حِرْزِ مِلَّتِهِ
كَالَّذِي حَلَّ مَعَ الْأَشْبَالِ فِي أَجْمٍ

امت خود را نشاندہ در حصہ ملتش
ہمچوں شیرے کو بود با بچگاں اندر اجم

اپنی ملت سے کیا محفوظ اُمت کو تمام
جس طرح جنگل میں رکھے شیر بچوں کو بہم

ترجمہ: آپ نے اپنی امت کو اپنی ملت کے قلعہ میں اتارا۔ جیسے شیر اپنے
بچوں کو لے کر یستان میں اترے۔

لفظی تشریح

الاحلال اتارنا۔ اشبال جمع شبیل کی شیر کا بچہ۔ الاجم شیروں کے غائب
ہونے کی جگہوں کے لیے جنس ہے۔ اس کا واحد اجمۃ ہے۔

معنوی تشریح

حضور سرور کائنات نے اپنی امت مرحومہ کو ملت معصومہ کے قلعہ میں اتارا۔ جیسے کہ شیر اپنی اولاد سمیت محفوظ کچھار میں اتر پڑتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ملت امت کے لیے قلعے کی مانند ہے جس نے اس کو طبا بنایا وہ آفات سے بچ گیا۔ اور اس سے منقطع ہو گیا اس نے مصیبتوں کو پھیرا جیسے کہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا اله الا الله میرا قلعہ ہے جو میرے قلعے میں داخل ہو گیا۔ وہ میرے عذاب سے مامون ہو گیا۔

دوسرے مصرع میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمال شفقت، رحمت، تادیب اور تعلیم کے باعث اپنی امت کے لیے بمنزلہ ان کے باپ کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: النبی اولی.... النبی مسلمانوں کی جانوں سے بھی ان کے زیادہ قریب (یا بلند مرتبہ) ہے ان کی ازواج مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ ایک شاذ قرأت میں هو اب لہم۔ (وہ مسلمانوں کے باپ ہیں)۔

کَمْ جَدَلْتُ کَلِمَاتُ اللّٰهِ مِنْ جَدَلٍ
فِيهِ وَکَمْ خَصَمَ الْبُرْهَانُ مِنْ خَصِمٍ

(۱۳۹)

ہر کہ باقرآن بہ جنگ آمد بنگیندش بنجاک
گفت گوئے منکر از برہان او گشتست کم
بارہا قرآن نے دشمن کو نیچا کر دیا
اور دلیلوں نے بھی سر کو کر دیا دشمن کے خم

ترجمہ: کلمات الہیہ نے آپ کی شان میں بہت جھگڑا کرنے والے سے جنگ کی اور کثیر مرتبہ خضم کے ساتھ خصومت کرنے میں غالب آئے۔

لفظی تشریح

کہ خبر یہ ہے۔ جدالت تشدید کے ساتھ۔ جدال پر واقع کرنا۔ فیہ کی ہا کو اشباع کے ساتھ پڑھا جاتے گا۔ اور یہ ضمیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ نَحْصَمُ خصومت میں غالب آنا۔ یہ خَاصَمْتُ زیداً فَخَصَمْتُهُ (میں نے زید سے مخالفت کی اور غالب ہا سے مشتق ہے۔ الجدل اور الخصم عین کمر کے کسرہ کے ساتھ مبالغہ کا صیغہ مطلقہ کا اور یہ دونوں مفعول ہیں۔ ان پر من زائدہ ہے۔

معنوی تشریح

کثیر مرتبہ اللہ تعالیٰ کی آیات بنیات کے کلمات نے (مخالف کے دلائل کو) قطع کیا اور غالب آئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار نبوت اور اشعار رسالت کے لیے معارضہ کرنے میں وہ آیات یا کلمات مجادلہ اور مجاہدہ کرنے میں پیش پیش ہیں۔ کتنی ایسی کرامات ہیں جنہوں نے واضح دلائل اور ظاہر معجزات کو لازم کیا۔ جو معالجات میں شدید خصومت کرتے ہیں۔

كَفَالِكٍ بِالْعِلْمِ فِي الْأُمِّيِّ مُعْجَزَةً
فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالشَّادِيْبِ فِي الْيُسْتَمِ

(۱۴۰)

اِس قدر از معجزہ کافی کہ بیش از وحی او
امی ہر علم بود و پہنہ اندر یستم

ہو کے امی تھے وہ عالم ہے یہ کافی معجزہ
جاہلیت اور تمیمی میں ادیب ذی حکم

ترجمہ: تجھ کو بطور معجزہ یہی بات کافی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں امی کے پاس علم
ہے اور تمیمی کی حالت میں اس کے پاس ادب ہے۔

لفظی تشریح

بازائدہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے قول و کفی باللہ شہیداً میں ہے۔ العلم
پر الف لام جنس کے لیے ہے۔ اس سے مراد فرد کامل ہے۔ الْأَرْضُ۔ اُمُّ دُماں کی طرف
منسوب ہے۔ وہ ایسا آدمی جس نے باپ کی تربیت نہ پائی ہو یا اس لیے کہ وہ اسی صفت پر
موجود ہے جس پر وہ اپنی ماں کے پیٹ سے خارج ہوا یا لکھنا پڑھنا نہ سیکھنے کو اُمّی کہتے ہیں
یا اس لیے اُمّی کہتے ہیں کہ اس کو ام العرب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ ایسی قوم ہے
جن پر حساب و کتاب کی عدم معرفت غالب ہے۔

التادیب یہ مجہول کا مصدر ہے اور العلم پر معطوف ہے۔ الیتیم مصدر ہے
اور وہ معنی یتیم ہے۔ جیسے عدل یعنی عادل۔ (جیسا کہ فی الامی کے بعد معجزہ کا کلمہ کہا گیا ہے۔
ایسے ہی فی الیتیم کے بعد بھی اس کا ذکر کیا جانا چاہتے تھے) مگر دوسری جگہ یتیم کے بعد معجزہ
کا کلمہ ترک کر دیا گیا، کیونکہ وہ امر جو خارق عادت ہو

معجزہ سے مراد محض وہ امر جو خارق عادت ہو۔ اگرچہ علماء نے اس کے ساتھ
چیلنج کے اقتران کا بھی اعتبار کیا، تحدی ایسے دعویٰ رسالت کو کہتے ہیں کہ جن میں
رسول کو بھیجا گیا ہے ان کے معارضہ نہ ہو۔

معنوی تشریح

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات بہت زیادہ ہیں شمار نہیں کئے جا سکتے۔ اور آپ کے خوارق عادات مشہور ہیں جو کہ مخفی نہیں۔ اے مخاطب اگر تو بصرت اور ہدایت حاصل کرنے والی آنکھ سے دیکھے اور اپنی آنکھ کو نورِ توفیق کا سرمہ لگائے تو تم حضور کی ذاتِ شریفہ کو اعلیٰ صفات کے ساتھ خارق عادت ربانیہ کا محل اور معجزات سبحانیہ کا منظر دیکھے گا۔ اے طالب! تمہیں حضور کے معجزات سے یہی کافی ہے۔ اور حضور کی خرق عادات سے جو آپ کی کمال کرامات پر دلالت کرتا ہے یہی بہت ہے کہ آپ کے پاس ایسا علم ہے جو اصول و فروع پر مشتمل ہے اور جو معقول و مسموع کو محیط ہے۔ (یہ علم ایسے آدمی کے پاس ہے جس نے علماء سے علم سیکھا نہیں۔ اور بیوقوفوں اور جاہلوں کی کثرت کے زمانہ میں ادیبوں کے ساتھ لکھا نہیں جب کہ اس زمانہ میں سابق شرع کی تحریف ہو گئی۔ اور لاحق ہونے والی وحی بدل گئی۔

یوں ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہترین عادات سے مؤدب ہونا اور اس کو کمال طور پر اپنے متممی، بچپن اولین تخلیق اور فطرت کی حالت میں، محنت کے ساتھ حاصل نہ کرنے کے باوجود تجھے کافی ہیں۔ بلکہ یہ سخاوتِ الہیہ کا فیضان ہے کہ بتوں سے آپ میں عداوت پیدا کر دی گئی۔ معصیت سے آپ کو متنفر کر دیا گیا اور ایمان کو ان کا محبوب بنایا۔ عرفان ان کے سپرد کیا گیا۔ اور آپ مقام احسان تک پہنچ گئے۔ یہی معنی ہے حضور کے اس قول کا کہ حضور نے فرمایا: میرے رب نے مجھے ادب و علم سکھایا اور میری بہترین کارکردگی ظاہر ہوئی۔ بعض نے کہا کہ اصل عبارت یوں ہے: میرا رب میرے ہر ایک پالنے والے سے کافی ہے۔

خَدَمْتُهُ بِمَدِيحِ اسْتَقِيلُ بِهِ
ذُنُوبَ عُمَرِ مَضَى فِي الشَّعْرِ وَالْخَدَرِ

خدمت کر دم بمدی تانہ بخشندم گناہ
زال کہ عمر صرف شد در گفتن شعر و خدم

نعت گوئی کی کہ اپنا خاتمہ بالخیس ہو
یوں تو ساری عمر دنیا کی خوشامد کی نہ کم

ترجمہ : میں نے قصیدہ کہہ کر آپ کی خدمت کی تاکہ میں اس کے وسیع سے
معافی طلب کروں ساری عمر کے گناہوں کی جو عمر شعر گوئی اور ارباب دنیا کی محبت
میں گزری۔

لفظی تشریح

المدیح قصیدہ جس کے ساتھ مدح کی جاتے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مصدر ہے۔
الاستقالة عفو طلب کرنا۔ ناظم نے یہاں شعر سے اس کا مصدری معنی مراد لیا ہے۔
یعنی ایسی کلام لانا جو موزوں اور مقفی ہو اور اکثر ایسے کلام پر شعر کا اطلاق ہوتا ہے۔ ممکن ہے
کہ یہاں پر مضاف کو مقدر مانا جائے۔ جو کہ استعمال یا تالیف ہوگا یعنی شعر کے استعمال
کرنے یا تالیف کرنے میں۔

الخدر۔ بکسر النجار۔ جمع خدمتہ کی۔ اس سے مراد مخلوق کی خدمت ہے۔ جیسا کہ

(مطلق) شعر سے شعر مذموم مراد ہوتا ہے۔ استقیل کا جملہ مدح کی صفت واقع ہو رہا ہے یا خد متہ کے فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے۔

معنوی تشریح

میں (ناظم) مدح کی مدد سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت کرنے سے مشرف ہوا ہوں۔ اور اسی کے سبب اپنی زندگی کی مدت میں (ساری زندگی میں) کیے گئے گناہوں کی معافی اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہوں جو زندگی شعر کے ساتھ لوگوں کی مدح اور خدمت کرنے میں گزری اور ان کی صحبت میں اغراض فاسدہ کے لیے ارباب دنیا کی خدمات میں ضائع ہو گئی۔

اِذْ قُلَّدَا نِي مَا تُخْشِي عَوَاقِبَهُ
كَانَتْنِي بِهِمَا هَدًى مِّنَ النِّعَمِ (۱۴۲)

کردہ اندر گر و نعم عصیان و می ترسم ازاں
گوئی با شعر و خدمت مثل ہدیم از نعم

ہے یہ ڈر دونوں نے ڈالا طوق گردن میں مری
ہوں میں گویا اونٹ و ترسانی کا از قسم نعم

ترجمہ: ان دونوں باتوں (شعر اور خدمت) نے میرے گلے میں ایسا پیٹہ ڈالا جس کے عواقب سے ڈر ہے۔ گویا کہ میں ان دو باتوں کے سبب چوپا توں میں سے قربانی کا جانور ہوں۔

لفظی تشریح

۱۔ تعلیلیہ ہے۔ التقليد گردن کو باندھنا۔ اور معنی الزام بھی آتا ہے۔ اور شعر کو قلدا فی پرزیر کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ قلدا فی اور بھما (دونوں جگہ) میں ضمیر شعر اور خدمت کی طرف راجع ہے۔ جن کا ارادہ کیا گیا ہے۔ الہدی جو جانور حرم میں ذبح کے لیے اونٹ گاتے اور بکری جیسے جانوروں میں سے ہدی کے طور پر دیا جاتا ہے جس کی شان یہ ہے کہ اس (ہدی کے) جانور کے گلے میں کوئی چیز لٹکا کر قلاوہ پہنچا دیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ ہدی کا جانور ہے، تو کوئی شئی اس کے ساتھ تعرض نہ کرے۔ پھر اس کو (منزل مقصود) پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ من بیانہ ہے۔

معنوی تشریح

فضول شعروں اور دنیا کی خدمت کے حصول نے (دونوں نے) میری گردن میں گناہوں کا بوجھ لٹکا دیا۔ جن کے انجام میں قیامت کے روز مختلف قسموں کی سزاؤں کا ڈر ہے۔ اور ان کے سبب ہلاک ہونا بھی ممکن ہے، کیونکہ ان دونوں نے مجھے دارالبوار کی ہلاکتوں میں گرا دیا۔

أَطَعْتُ غَيَّ الصَّبَا فِي الْحَالَتَيْنِ وَمَا
حَصَلْتُ إِلَّا عَلَى الْأَثَامِ وَالنَّدَامِ

(۱۴۳)

برودہ ام فرمان غی کو دی در ہر دو حال
پیچ ازاں حاصل نہ دارم جز گناہان و ندام

ہر دو حالت میں شکارِ گمراہ طغیانی ہوا
کچھ نہ حاصل ہو سکا مجھ کو بحسنِ جرم و ندم

ترجمہ: میں نے دونوں حالتوں (شعرو خدمت) میں لڑکپن کی اطاعت کی۔ (لیکن)
مجھے سوائے ندامت اور گناہوں کے کچھ حاصل نہ ہوا۔

لفظی تشریح

میں نے بچپن کی گمراہی اور ابتدائی جوانی کی بے حالت کی اطاعت کی جو کہ استعمالِ شعر
اور اشتغالِ خدمت کی دونوں حالتوں میں ان دونوں میں وقت
خرچ کرنا وقت کا ضائع کرنا ہے۔ حالانکہ میں نے ان دونوں کی طرف سے کچھ بھی حاصل نہیں
کیا ماسوائے اس کے کہ میں معاصی میں واقع ہوا۔ اور (اس کے نتیجے میں) ممنوعہ باتوں (منہا ہی)
میں واقع ہونے پر ندامت، حسرت اور دکھ حاصل ہوا۔

ندم سے مراد وہ شے جس پر ندامت مترتب ہو ورنہ نفسِ ندم سے مراد توبہ ہوتی
ہے۔ اور وہ نجات کا سبب اور بلندئی درجات کا وسیلہ ہوتی ہے۔ پس وہ شکایت کے تحت
داخل نہیں ہوا۔ حصلتِ تخفیف کے ساتھ بھی مروی ہے۔

معنوی تشریح

میں اغراضِ باطلہ اور مقاصدِ فاسدہ میں سے کسی شے کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں
ہوا مگر یہ کہ میں معاصی اور ندامت میں گر پڑا۔

ممکن ہے کہ اس شعر میں لف و نشر مرتب ہو، تو بناءً علیٰ اِذا فاسقوں کی مدح پر
گناہ مرتب ہوئے۔ اور جاہلوں کی خدمت پر ندامت حاصل ہوتی۔

(۱۴۴)

فِيَا خَسَارَةً نَفْسِي فِي تِجَارَتِهَا
لَمْ تَشْتَرِ الدَّائِنَ بِالدُّنْيَا وَلَمْ تَسْمِ

پس زیاں ہاتے کہ نفس اندر تجارت یافت
کال بہ دنیا دیں نہ بخزید و بگفتہ میخردم

حیف میرے نفس نے سودا کیا نقصان سے
یعنی دنیا کو خرید کر کے عقیقی کا لہجہ

ترجمہ: ہاتے افسوس! میرے نفس کو اپنی تجارت میں بہت خسارہ ہوا کہ اس نے
دین کو دنیا کے عوض نہ خریدا اور نہ ہی ویسے خریدنے کا قصد کیا۔

مسنوی تشریح

بعض نسخوں میں عبارت یوں ہے: فیا خسارۃ نفس ہے یعنی کلمہ نفس کو بجاتے
یا تے مشکلم کی طرف مضاف کر کے استعمال کرنے کے (نکرہ ذکر کیا گیا۔ یہاں حرف ندا کے بعد
منادی محذوف ہے۔ اصل میں تھا: یا قوم! اعتبروا خسارۃ نفسی اور منادی
(ندا دینے والا) خسارہ ہے یعنی خسارہ ندا کرتا ہے تاکہ وہ قوم تم سے اور تیرے معاملے میں
عبرت حاصل کرے۔

غیر ذوی العقول کا ندا کرنا عرب کلام میں عام ہے۔ حضرت جلال الدین محلی نے کہا
ہے کہ اس میں تعجب کے معنی بھی ہیں یعنی یہ نفس کتنے خسارے والا ہے۔ اشتراء سے
مراد استبدال ہے۔ (تبدیل کرنا۔ یہاں دنیا بمنزلہ قیمت (ثمن) ہے۔ اسی وجہ سے ناظم نے

ناظم نے اس پر بار داخل کی ہے۔ السوم خریداری طلب کرنا۔ السوم باب نصر نصر سے مشتق ہے۔

مستوی تشریح

اے میرے ساتھیو! غور کرو اور میرے دوستو! میرے فاسد نفس کے خسارہ سے عبرت حاصل کرو جو اس کے کھوٹے معاملے سے متعلق ہے۔ وہ معاملہ یہ ہے کہ اس نفس نے باوجود باقی رہنے والے عقبی کے معارضہ کے، دین قوم پر دنیا سے فانی کو ترجیح دی۔ وہ دین ایسا تھا جو نعیم و مقیم تک پہنچانے والا تھا۔ جب کہ اس نے ثمن فانی سے ملک باقی کو نہیں خریدا۔ دنیا کو ترک کر کے دین کو حاصل کرنے کا قصد حسن نیت صفا قلب کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اس شعر میں ایسا مبالغہ ہے جو کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اور اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ دین اور دنیا کا جمع کرنا ممکن ہے۔ اور بعض اہل اشارہ نے کہا ہے کہ اس نے دین کو دنیا کے ساتھ تبدیل نہیں کیا باوجود کہ دین ادنیٰ سی تبدیلی کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ لفظ دُنْیَا سے الف کو گرا دیں جو کہ پانچ مانوس باتوں پر دلالت کرتا ہے۔ اور بسبب عطیہ کے مقدم ہونے کے اور ہمت کو پختہ کرنے کے لیے نفس کے نون پر برکت کی بار کو مقدم کریں وہ نفس جو زیب و زینت کا میلان رکھنے والا ہے۔

وَمَنْ يَّبِعْ أَجَلًا مِّنْهُ بِعَاجِلِهِ
يَبْنِ لَهُ الْغَبْنَ فِي بَيْعٍ وَفِي سَلَمٍ

ہر کہ عقیقی را بہ ذنیامی فروشد خاسر است
غبن اور روشن شود البتہ در بیع و سلم

آخرت کو جس نے بیجا صرف دنیا کے لیے
ہے بڑا نقصان اس کے حق میں یہ بیع و سلم

ترجمہ: جو آخرت کو دنیا کے بدلے بیچے گا، اس کو نقد و ادھار دونوں صورتوں
میں نقصان ظاہر ہوگا۔



لفظی تشریح

الاجل مد کے ساتھ وہ شے جو کچھ مدت کے بعد آنے والی ہو۔ اس سے مراد عقیقی
ہے۔ العاجل جو جلد ہی پہنچانے والا ہو۔ اس سے مراد دنیا ہے۔ لفظ منہ اشباع
کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ اس کی ضمیر من کی طرف راجع ہے۔ ایسے عاجلہ کی ضمیر
بھی من کی طرف راجع ہے۔ ایک روایت میں عاجلۃ واحد مؤنث کا صیغہ ہے۔
بعض نے کہا کہ منہ کی ضمیر دین کی طرف ٹوٹی ہے جس کلمہ پر بار (حرف جار) داخل ہے۔
وہ ثمن مانوڑ ہے۔

اور یبین فعل مضارع مجزوم بان۔ یبین سے مشتق مثل باع یبیع کے ہے۔
یعنی ظہر ظاہر ہونا۔ بیع کی مختلف قسمیں ہیں:

① بیع العین بالعین: ایک شے کی بیع دوسری شے کے ساتھ یہ بیع مٹا بہت
ہے یعنی باہمی قبضہ لینا ہوتا ہے۔

② بیع الدین بالعین: قرض کی بیع کسی شے کے ساتھ یہ بیع سلم ہے۔

③ بیع العین بالبدن : کسی شے کی بیع قرض کیساتھ یہ بدایت ہے۔ قرض لینا ہے۔

④ بیع الثمن بالثمن : ثمن (قیمت) کی ثمن کے ساتھ بیع۔ یہ بیع صرف ہے۔ جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ بیع سلم سے متعلق ہے۔ اسی وجہ سے ہم اس کو بیع ماتحت درج کرنے کے ساتھ ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

اس شعر میں محدثین کے قول کا رد بھی۔ جو یہ کہتے ہیں کہ دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار۔ اور ادھار کے بدلے نقد دینا امر غیر معقول ہے، کیونکہ بیع سلم میں ادھار لینے کے لیے کچھ مدت کے بعد بیع کو وصول کرنا، نقد عطا کرنا ہوتا ہے۔ اور ماہر قسم کے تاجر ہیں جنہوں نے ایسی بیع کو قبول کیا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت کی ہے۔ فرمایا :
 کلاب تحبون العاجلة ^{الین} ایسی بات ہرگز نہیں بلکہ وہ تو عجلت سے حاصل ہونے والی شے کو پسند کرتے ہیں اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر فرمایا : من کان یزید العاجلة الخ (جو عجلت والی چیز کا خواہش تھا۔ ہم نے اس چیز میں سے اس کے جتنا چاہا عجلت کے ساتھ بھیج دیا، یہ نہیں فرمایا کہ جس نے جتنا چاہا ہم نے بھیج دیا اور نہ ہی یہ فرمایا جس نے بھی چاہا ہر ایک کی خواہش کے مطابق بھیج دیا۔) اللہ تعالیٰ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارا عطا کرنا مانگنے والے کی خواہش پر منحصر نہیں بلکہ یہ ہماری اپنی مرضی پر موقوف ہے کہ جس کو چاہیں اور جتنا چاہیں عطا کریں۔

پھر فرمایا : ثم جعلنا لہ جہنم الخ پھر ہم نے اس (عجلت پسند) کے لیے جہنم کی سزا مقرر کر دی کہ وہ مذموم اور مطرود حالت میں جہنم کا عذاب برداشت کرے گا۔ اور جس نے آخرت کو چاہا اور اس کے حصول کی تگ و دو کی۔ اس حال میں کہ وہ مومن بھی ہو

تو ایسے لوگوں کی سعی مشکور ہے ہم ہر ایک مہلت دیتے ہیں۔ (اے پیارے نبی) یہ باتیں تمہارے رب کی عنایات میں سے ہیں اور تمہارے رب کی عطا کو کوئی رکاوٹ نہیں۔

مسنوی تشریح

جس نے عاجل (دنیا)، کو لے لیا اور آجل (آخرت) کو چھوڑ دیا، تو اس کی تجارت میں مکمل خسارہ اور اس کے معاملے میں غبن فاحش اس پر عیاں ہو جائے گا۔

قرابی نے فرمایا: اگر ایک طرف فنا ہونے والا سونا ہو۔ اور دوسری طرف باقی رہنے والا دکھ اور غم ہو تو میں فانی سونے کی بجائے باقی رہنے والے غم کو اختیار کروں گا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو آخرت کی کھیتی حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ (یعنی اس کو دنیا بھی ساتھ دے دیتے ہیں)، اور جو دنیا کی کھیتی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ہم اس کو اس میں سے کچھ عطا کر دیتے ہیں۔ اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔

۱۴۶) اِنَّ اَتِ ذَنْبًا فَمَا عَهْدِيْ بِمُنْقَظٍ
مِّنَ النَّبِيِّ وَلَا حَبْلِيْ بِمَنْصَرِمٍ

گر گنہ کروم بے من عہد رانشکستہ ام
با پیسہ حبل دین مصطفیٰ نبریدہ ام

ہوں تو عاصی پر نہیں ٹوٹا ہے پیاں آپ سے
دین کی رسی نہ ہوگی منقطع شاہِ مم

ترجمہ: اگرچہ میں نے گناہ کئے ہیں (لیکن پھر بھی) میرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ اور تعلق ٹوٹنے والا نہیں۔

لفظی تشریح

عہدی کی جگہ عقدی بھی روایت کیا گیا ہے۔ اور معنی یوں ہے۔ اگر میں گناہ کروں
 انت انت ذنبا کہا۔ ان اذ نبت نہیں کہا جو کہ قول ظاہر ہے، تو اس
 سے عدول کرنے کی وجہ یا تو استحضار ہے یا استمرار کا ارادہ ہے۔ عہدی نبی پر
 ایمان لانا۔ اور ان سے امان حاصل کرنا۔ جبل بمعنی تعلق

معنوی تشریح

اگر میں گناہ کروں تو میرا عہد ٹوٹنے والا نہیں، کیونکہ ارتکاب معصیت سے توبہ ٹوٹتی ہے۔
 عہد ایمان اور عقد امان نہیں ٹوٹتا۔ اور نہ ہی میرا تعلق جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن
 محبت اور آپ کی شفاعت کی امید کے ساتھ ہے منقطع ہونے والا ہے۔ یہ انقطاع نہ تو
 میری جانب سے ہے اور حضور کی طرف سے۔

کہا گیا ہے کہ عہد سے مراد وہ مفہوم ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے
 نکلتا ہے: من قال لا اله الا الله دخل الجنة۔ کہ جس نے لا اله الا الله کہا،
 جنت میں داخل ہوا۔ اور جبل سے مراد وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ عز وجل کے اس
 قول سے معلوم ہوتی ہے جس نے شیطان کی نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا،
 تو اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا جس میں ٹوٹنا ہے ہی نہیں۔

فَإِنِّي ذِمَّةٌ مِّنْهُ بِتَسْمِيَّتِي
مُحَمَّدًا وَهُوَ أَوْ فِي الْخَلْقِ بِالذِّمِّ

عہد او وارم کہ نام من محمد کردہ اند
کس وفا چوں او نہ کردہ در ہمہ عہد و ذم

ہے شفاعت کی مجھے امید میرے نام سے
ہے محمد اس میں اور میں آپ مشفق محترم

ترجمہ: میرا آپ کے ساتھ ہی عہد (نسبت) ہے کہ میرا نام بھی محمد ہے، اور
آپ اپنی ذمہ داریوں کو تمام مخلوق سے زیادہ وفا کرنے والے ہیں۔

لفظی تشریح

منہ کو اشباع ضمیر کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
راجع ہے۔ تسمیہ مصدر ہے جو کہ اپنے مفعول اول کی طرف مضاف ہے۔ اس کا
دوسرا مفعول محمدؐ ہے۔ الذم اول میں زیر کے ساتھ۔ یہ ذمہ کی جمع ہے وہ ذمہ
عہد، امان، اسلام اور ایمان ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں ذمہ سے مراد حضور کا وعدہ شفاعت
ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضور نے فرمایا: جس کا نام محمد یا احمد ہو گا تو میں اس
کی شفاعت کروں گا۔ اس بیت کا حاصل سابق شعر میں حکم کی تعلیل ہے۔

معنوی تشریح

چونکہ میرا نام محمدؐ ہے اور وہ احمد (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت پر دلالت

کرتا ہے۔ اور اسم مسمیٰ کی مخالفت سے متغیر نہیں ہوتا۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی ذمہ داریوں کی رعایت کرنے میں سب سے زیادہ پورا کرنے والے ہیں۔ پس حضور قیامت کے روز ذمہ داریوں کے احاطہ کے ساتھ مستحقین شفاعت کی شفاعت کے لیے کھڑے ہوں گے۔

(۱۲۸) اِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي مَعَادِيْ اِخْذًا بِيَدِيْ
فَضْلًا وَّ اِلَّا فَقُلْ يَا زَلَّةَ الْقَدَمِ

گز فضل و رقیب امت دستگیری و خرم
ور نہ گیر و دوائے بر من چوں بغز انم قدم
حشر میں گر دستگیری کی نہ میری آپ نے
پھر تو میری شومی تقدیر سے پھلے قدم

ترجمہ: اگر بروز قیامت آپ نے اپنے فضل و کرم سے میری دستگیری نہ فرمائی تو اے مخاطب! تم مجھے کہو: قدم کی لغزش والے۔

لفظی تشریح

المعاد۔ یہ اسم مصدر یا اسم مکان یا زمان ہے۔ اس سے مراد روحوں کا بدنوں کی طرف لوٹنا، ہاتھ پکڑنا معاونت کرنے سے کنایت ہے۔ فضلاً۔ تمیز واقع ہو رہی ہے۔ الا۔ ہمزہ مکسور اور لام مشدود ہے۔ اور تنوین کے ساتھ (الا) بھی رواست کیا گیا ہے اس صورت میں اس کا معنی ذمہ دار عہد ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا یوقبون فی

مومن الاول ذمۃ۔ (ترجمہ: وہ مومن کے بارے میں کسی عہد یا ذمہ داری کا انتظار نہیں کرتے۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے یعنی اگرچہ میرا کوئی معاون نہیں جو مجھ پر فضل یعنی وعدہ پر احسان زائد کرے یا عدل یعنی ذمہ اور عہد کو پورا کرے۔

یہاں واو بمعنی او ہے۔ اور الا بغیر تنوین کے بھی مروی ہے۔ اس صورت میں یہ مرکب ہے۔ اِنْ شرطیہ اور لا نافیہ سے۔ اس وقت اس کا معنی ہوگا۔ (اگر ایسا نہ ہو تو) اس کا ظاہر تو مفسد معنی ہے۔ جیسا کہ محض نہیں ہے۔ پس یہ معنی شرط اول اور اس کی تاکید کے ہے۔ اور جواب شرط ہے۔ فقل خطاباً لمن جردۃ من نفسه۔ تو تم اس آدمی کو مخاطب ہوتے ہوئے کہو جس نے اس شرط کو اپنے سے مجرد (الگ) کر دیا ہے یعنی کہو: اے قدم کی لغزش! اب حاضر ہو، کیونکہ اب تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے۔ قدم کی لغزش ہلاکتوں میں واقع ہونے سے عبارت ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس کو قدم کی پھسلاہٹ یا پل صراط سے پھسل کر آگ (دوزخ) میں گرنے پر محمول کیا جائے۔ ممکن ہے کہ کہا جائے یہ خطاب عام ہے یعنی اے مخاطب! تم مجھے کہو: اے فلاں آدمی اپنے قدم کی لغزش سے بچ۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ اس شعر کی تقدیر (اصل میں) یوں ہے۔ پہلا مصرع ہے: ان لم یکن عہد۔ اور دوسرے میں سے فضل ہے۔ تو اس میں یہ قباحت ہے کہ اس طرح شرط اول بغیر جزا کے پائی جائے گی۔ ہاں ایک صورت بچ نکلنے کی ہے۔ وہ یہ کہا جائے۔ دوسری جزا اس پر دلالت کرتی ہے۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ معنی اس کا یوں ہے۔ اگر فضل نہ ہو اس وجہ سے کہ عدل ہے۔ تو یہ معنی غیر صحیح ہے اس میں وہی خرابی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ کیونکہ اس روز (قیامت کے دن)

عدل کی نسبت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی طرف بھی نہیں ہوگی اور یہ بات بھی ہے کہ کلام کا مرجع اس طرف ہوگا کہ اگر اس نے عدل کے طور پر میرا ہاتھ پکڑا۔ تو یہ بات بھی نامناسب ہے جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

(۱۴۹) حَاشَا أَنْ يُحْرِمَ الرَّاجِيَ مَكَارِمَهُ
أَوْ يَرْجِعَ الْجَارُ مِنْهُ غَيْرَ مُحْتَرَمٍ

دُور باد اگر کتہ نومید نہ ہر امیدوار
یا کہ ازوے باز گردو جار غیر محترم

ہے بعید از شان گر محروم مجھ کو کر دیا
اور لوٹوں آپ کی شفقت سے غیر محترم

ترجمہ: حاشا للہ! کہ آپ کی بخششوں کا امیدوار محروم رہے۔ یا آپ کا پڑوسی
(یا آپ کی پناہ لینے والا، مایوس واپس آجائے۔

لفظی تشریح

حاشا اس کی برأت بیان کرنے کے لیے۔ یا اس کا معنی ہے، اس سے الگ ہو۔
یحرّم فعل مضارع حرم محرم بروزن ضرب یضرب سے مشتق ہے یا احرم (بالفعال)
سے مشتق ہے بمعنی روکنا۔ یہ فعل متعدی بدو مفعول ہے۔ یہ فعل مبنی علی المفعول (مجهول) ہے
اور بعض نے کہا، مبنی علی الفاعل (معروف) ہے۔ (اگر اس فعل کو معروف کہیں تو (الراجی)
مفعول ہوگا۔ اور اس کو نصب پڑھا جانا چاہیے۔) مگر الراجی کے آخر میں سکون ضرورت

شعر کی وجہ سے ہے۔ الجار (پڑوسی) مرفوع ہے۔ اس صورت میں فعل یرجع فعل لازم معنی یصبر یا یعود ہوگا۔ یا (الجار) منصوب ہے اس صورت میں یرجع معنی یُرَدُّ یا یُعِیْدُ متعدی ہوگا اور الجار معنی پڑوسی نہیں بلکہ جار معنی مستحیر ہوگا۔ (پڑوس میں عہد و امان میں داخل ہونے والا) منہ کی ضمیر بالاشباع پڑھی جائے گی۔ راجع لبوتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ محترم صیغہ اسم مفعول کا ہے۔ غیر، جار سے حال واقع ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔

مسنوی تشریح

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے منزہ ہیں کہ لطف و کرم کے امیدوار کو بخشش سے محروم رکھیں۔ یا پناہ لینے والے کو بغیر احترام کے واپس لوٹا دیں، کیونکہ آپ تو کرامات کی معدن اور احترامات کا منبع ہیں۔

وَمِنْذُ الزَّمْتِ أَفْكَارِي مَدَائِحَهُ
وَجَدْتُهُ لِمَخْلَاصِي خَيْرَ مُلْتَزِمٍ
زَاں کہ من مشغول کر دم منکر خود در مدح او

(۱۵۰)

بر خلاص خود و را خوش یافتن من ملزم

وقف جب سے ہو گیا ہوں مدح میں سرکار کی
پالیا اپنی رہائی کا مددگار نعم!

ترجمہ: اور جب سے میں نے اپنے افکار کو حضور کی مدح کے ساتھ لازم کیا

تو میں نے آپ کو اپنی خلاصی کے لیے بہترین کفیل پایا ہے۔
لفظی تشریح

منذ بمعنی اول مدت کے آتا ہے۔ یہ مفعول فیہ ہے۔ لخاصی یہ ملتزم کے متعلق ہے۔ اور لام تقویت عمل کے واسطے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: الذمته للشیء فالتزمہ میں نے اس کو کسی شئی کا کفیل بنایا، تو اس نے اس کی کفالت قبول کر لی۔ اور اس کو اپنے آپ پر واجب کر لیا۔ اظہر بات یہ ہے کہ لام علت بیان کرنے کے لیے ہے اور وَجَدْتُ کے متعلق ہے۔

مسنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے مکارم اور عمدہ اخلاق میں سے یہ بات ہے کہ میں نے جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف توجہ کی اور خلوص نیت اور صفائی ضمیر (قلب) کے ساتھ حضور کی مدح و توصیف کرنے میں اپنے افکار کو حضور کی جناب میں پھیرا تو حضور نے میری کفالت قبول کر لی اور مجھے ہر تکلیف اور مصیبت سے خلاصی دینے کی غرض سے کمربستہ ہو گئے۔

①۵۱ وَلَنْ يَفُوتَ الْغِنَى مِنْهُ يَدًا تَرَبَّتْ

إِنَّ الْحَيَاةَ نَبْتُ الْأَزْهَارِ فِي الْأَكْمِ

دست درویش از غنایا نعمتش خالی نشد

زراں کہ از باران برود گل بیالائے اکم

آپ کی بخشش نہ چھوڑے گی کسی محتاج کو
 جس طرح گلزار ٹیلوں کو کرے ابر کرم
 ترجمہ: حضور کی سخاوت سے کوئی مفلس ہرگز محروم نہ رہے گا۔ بے شک بارش
 ٹیلوں پر بھی پھول اگاتی ہے۔

لفظی تشریح

الغناء کسرہ کے ساتھ۔ اگر اس کو اسم مقصور پڑھا جائے تو بمعنی آسانی اور فراخی ہے
 اور اسم مدود پڑھا جائے تو بمعنی گانا بجانا ہے۔ الغناء فتح کے ساتھ۔ اگر مقصور پڑھا جائے
 تو بمعنی اقامت (قیام کرنا) ہے۔ اگر مدود ہو تو بمعنی کفایت ہوگا۔ ان چاروں کو اکٹھا کیا ہے
 جس نے یہ کہا ہے: من یكون ذا غنى یمل فی غنائی فی دور غنی اهل الغناء۔
 جو صاحب فراخی (مالدار) ہو گا وہ دور اقامت میں میرے گانے بجانے سے اہل کفایت
 کو اکتا دے گا۔

منہ کی ضمیر کو اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ یہ غنی کی صفت ہے یعنی الیسا
 غنی جو اس کی جانب سے ہے۔ یداً ہاتھ سے۔ تَرِبَ محتاج ہونا۔ یہاں ہاتھ سے
 مراد محتاجوں کے ہاتھ ہیں۔ سیاق لفظی میں نکرہ کا استعمال عموم کا فائدہ دیتا ہے اور جائز
 ہے کہ یہاں غنی سے مراد مال لیا جائے۔ اس بات کی تائید وہ نسخہ کرتا ہے جس میں غنی
 کے لفظ کی بجائے ندی مذکور ہے۔ نَدی ندی نون پر زبر بمعنی عطا۔ الحیاء اسم
 مقصورہ ہے۔ بارش۔ الازہار جمع ہے زہرۃ کی۔ الاکھ جمع اکمۃ۔ اونچی
 جگہ ٹیلہ۔

معنوی تشریح: اس شعر سے مقصود، آپ کی سخاوت کو عموم نفع کی وجہ

سے عام سخاوت بخشش کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس سخاوت کا محل عطا کا اہل ہے یا منع کا مستحق ہے۔ اور اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ یا یہ کہ آپ باعمل علما کے لیے ظاہری اور باطنی غنی کا سبب ہیں۔

سابقہ شعر، حضور کی جناب میں التجار پیش کرنے والے سے تکلیف دور کرنے کو مفید تھا۔ اور یہ شعر حضور کی بارگاہ میں سے طامع (لاچی) کے لیے حصول نفع کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پھر چونکہ یہ شعر اس بات کا وہم دلاتا تھا کہ ناظم قصیدہ نے انخرومی فائدہ کی بجائے دنیاوی نفع کا ارادہ کیا ہے، تو اس وہم کو خیال سے دور کرنے کے لیے فرمایا:

وَلَعَارِدُ زَهْرَةٍ الدُّنْيَا الَّتِي اقْتَطَفْتُ
يَدَا زُهَيْرٍ بِمَا أَشْنَى عَلَى هَرَمٍ

من نمی خواهم متاع مال و ذیبا چوں زہیر
کو نہ چیدہ دست او چوں گفت او مدح ہرم

مجھ کو دولت کی نہیں خواہش کبھی مثل زہیر
جس نے حاصل کی تھی دولت بن کے مداح ہرم

ترجمہ: میں دنیا کا پھول (زیب و زینت) نہیں چاہتا جس کو زہیر کے ہاتھوں نے ہرم کی تعریف کر کے چن لیا۔

② نالغہ جب خوفزدہ ہو۔

③ زہیر جب راغب ہو۔

④ اور اعشیٰ جب خوش ہو۔

بمسا میں بار بلیہ ہے۔ اور ما مصدریہ ہے۔ یا موصولہ ہے۔

(چونکہ صلہ میں ایک ضمیر ہوتی ہے جو اسم موصول کی راجع ہوتی ہے جس کو عائد کہتے ہیں، تو یہاں پر ما موصولہ ہونے کی صورت میں) عائد محذوف ہے۔

⑤۳ یَا أَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِي مِّنَ الْوُدِّ
سُؤَالِكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمِيمِ

اے گرامی تر زخفتاں من نہ دارم ملجاء
جز تو چوں آید قیامت یا بود مرگ ایتنم

اے مکرم تر جہاں سے جز ترے میرا ہے کون
حادثات عام میں جب گھیر لیں رنج و الم

ترجمہ: اے تمام مخلوق سے بزرگتر! آپ کے سوا میرے لیے کوئی نہیں کہ حادثہ
عام (قیامت) میں جس سے پناہ حاصل کروں۔

لفظی تشریح

الخلق بمعنی مخلوق۔ اس پر الف لام جنس یا استغراق کا ہے۔ ایک نسخہ میں رسل
(جمع رسول) کے سین پر جزم ہے۔ (یعنی یا اکرم الخلق کی بجائے یا اکرم الرسل ہے)

تو اس طرح تو بطریق اولیٰ یہ بات لازم آتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہوں پہلی صورت میں معتزلہ کا رد ہے کہ وہ تفضیل ملائکہ کے قائل ہیں۔ صاف نفی کے لیے ہے یا استفہام انکاری کے لیے۔ اَلْوُذُّ التَّجَارُکُ مَا۔ پناہ حاصل کرنا الحلول واقع ہونا۔ نازل ہونا۔ الحادث مفرد ہے حادثات کی بمعنی آفات و بلیات۔ العیم عین مفتوح اور پہلا میم مکسور ہے۔ العیم عین اور پہلی میم دونوں مفتوح۔ یہ دونوں کلمات عدد سے مسموع ہیں جو کہ ختم۔ (خاص ہونا) کی ضد ہے۔

معنوی تشریح

حادث سے مراد وہ شے ہے جو کہ یا تو موت کو شامل ہو اور وہ قیامت صغریٰ ہے۔ اور یا ساعۃ (قیامت) کو شامل ہو اور وہ قیامت کبریٰ ہے۔ یہاں مقصود اور مراد شفا عظمیٰ ہے۔

جان لو کہ جب ناظم قضیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ کی نعت اور آپ کی صفات کے کمالات کو بیان کر لیا۔ تو اب وہ غیب سے مقام حضور (خطاب) کی طرف منتقل ہوتے۔ اور نہایت اچھے آداب کے ساتھ مخاطب کرتے ہوئے ندا کی جیسا کہ قرآن مجید کے شروع میں ایسا تعبیر کے متعلق کہا گیا ہے۔

(۱۵۲) وَلَنْ يَضِيقَ رَسُولَ اللَّهِ جَاهُكَ بِنِ
إِذَا الْكَرِيمُ تَجَلَّى بِاسْمِ مُنْتَقِمِ

یا رسول اللہ جاہت تنگ می ناید بین
چوں کریم انتقام آرد بہار باب انتقم

کم نہ ہوگا آپ کا قرب شفاعت سے مری
 جلوہ گر جب ہو بہ اسم منتقم وہ ذی کرم
 ترجمہ: یا رسول اللہ! میری وجہ سے آپ کی وجاہت میں اس روز ہرگز تنگی واقع
 نہیں ہوگی جب کہ کریم رب اپنے اسم منتقم سے جلو نما ہوگا۔

لفظی تشریح

رسول اللہ منادی ہے حرف نداء کو حذف کر دیا گیا ہے۔ الجالا یہ وجاہت
 سے مشتق ہے بمعنی درجہ کی بلندی اور مرتبہ کی وسعت۔ بی یہ جار مجرور یضیق کے متعلق
 ہے یعنی بہ سبب میری شفاعت فرماتے کے اذابرائے ظرفیت ہے۔ تجلیٰ ایک نسخہ میں تحلی
 ہے۔

معنوی تشریح

تحلی حاء کے ساتھ ہو تو اس کا معنی متصف ہونا۔ تجلیٰ جیم کے ساتھ ہو تو اس
 کا معنی ہے منکشف ہونا۔ پہلا از روئے روایت کے زیادہ صحیح ہے۔ اور دوسرا از روئے رات
 کے زیادہ واضح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا صفات سے متصف ہونا ازلی ہے۔ اور ان
 صفات کا منکشف ہونا زمانی ہے۔ الکریم اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس ہے۔ ناظم قصیدہ
 نے اس صفت (الکریم) کو جو کہ صفات جمالیہ میں سے ہے، صفت استقام کے مقام میں
 جو کہ صفات جلالیہ میں سے ہے، اس لیے ذکر کیا تاکہ اعتدال حاصل ہو جائے۔ اور لوگوں
 کے دل منقطع نہ ہوں، تو یہ بڑا لطیف امتزاج ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ما غول
 بربك الکویحہ۔ (تجھ کو اپنے رب کریم کے ساتھ کس شے نے مغرور بنا دیا، یہ بندے
 کی تعلیم کی خاطر فرمایا تاکہ بندہ کہے: اے اللہ! مجھے تیرے کرم نے ہی مغرور بنایا۔

یا ان دونوں صفات کو جمع کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ جو یہ ضرب المثل کے طور پر کہا گیا ہے: نعوذ باللہ من غضب الحلیعہ۔ ہم بڑبار آدمی کے غضب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ پہلا شعر (قیامت کے روز) عام تکلیف کے وقت شفاعت کبریٰ کی طرف اشارہ کرتا ہو۔ جب کہ ساری مخلوق جتنے کہ انبیاء بھی نفسی پکا رہے ہوں گے۔ اور دوسرا شعر اس امت کے لیے قیامت کی مختلف جگہوں میں متعدد شفاعتوں کا شعور دلاتا ہے اور یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور کی وجاہت کے باعث ہوں گی۔ اور جاہ ایک ایسا مرتبہ اور مقام ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی مقام و مرتبہ نہیں ہے۔

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتْهَا
وَمِنْ عُلُومِكَ عِلْمُ اللُّوحِ وَالْقَلَمِ

(۱۵۵)

نشمہ از جود تو دنیا بود با آخرت
وز علومت در دو عالم علم لوح است و قلم

کیوں کہ دنیا اور عقبیٰ آپ کی بخشش سے ہیں
اور علوم باطنی سے آپ کے لوح و قلم

ترجمہ: یا رسول اللہ! آپ کی سخاوت اور بخشش میں سے دنیا اور آخرت ہیں
اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا کچھ حصہ ہے۔

لفظی تشریح: من تبییضہ ہے۔ ضوتھا منصوب ہے اور دنیا

پر معطوف بالاسمیت (اسم ہونے کی وجہ سے) ہے۔ لغوی معنی سوکن ہے۔ ضرتہ بمعنی آخرت۔ آخرت کو سوکن کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی کہ آخرت اور دنیا کو جمع کرنا اسی طرح مشکل ہے جیسے دو عورتوں کو۔ جیسے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنی آخرت کو پسند کیا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔ اور جس نے اپنی دنیا کو پسند کیا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا۔ پس تم فانی کی بجائے باقی چھبٹو۔ (انتہیاء کرو۔)

بعض اقوال میں سے ایک لطیف بات (جو دنیا کے متعلق) کہی گئی ہے۔
اشعار کا ترجمہ

① میں دنیا پر عالم کے موخر اور جاہل کے مقدم کرنے کی وجہ سے ناراض ہوا تو دنیا نے کہا۔ غدر قبول کرو۔

② جاہل لوگ میری اولاد ہیں اس لیے میں نے ان کو نچا مقام دیا اور عقل مند لوگ میری دوسری سوکن کی اولاد میں سے ہیں۔

علم اللوح منصوب ہے۔ اور بعض نے کہا کہ مرفوع ہے۔ دونوں (رفع و نصب) کی وجہ ظاہر ہے۔ والجود صفت ہے۔ ایسی عطا جو مانگی جائے اور وہ عطا کسی شئی کے عوض یا کسی لالچ کی وجہ سے نہ ہو۔

معنوی تشریح

یا رسول اللہ! اپنی امت میں سے ایک آدمی پر سخاوت کر دینے سے آپ کی دنیا بہت میں ہرگز کمی نہیں ہوگی، کیونکہ آپ کی سخاوت اور احسان تمام مخلوق کے ساتھ ہے۔ دنیا میں ہدایت اور عقبی میں شفاعت سب سے بہتر ہیں۔

اور کہا گیا ہے کہ کونین کا وجود آپ کی سخاوت اور عطا کی وجہ سے ہے۔ اور یہ کہ آپ تمام ماہیات پر وجود کے فیضان اور تمام موجودات یہ سخاوت کے جاری ہونے میں واسطہ ہیں۔ اس شعر میں اس حدیث لَوْلَا لَهَا خَلَقْتَ الْاَفْلَاکَ کی طرف تلمیح ہے۔ شارحین کرام دوسرے مصراع کی تشریح میں مضطرب ہوتے بعض نے کہا: مصدر ہے اور یہ فاعل کی طرف مضاف ہے۔ تو معنی ہوا: لوح اور قلم کو جو اشیاء کا علم ہے تو اس صورت میں یہ کہنے کی بھی ضرورت پڑی کہ لوح اور قلم میں ادراک اور شعور کی قوت ہے بسبب اس بات کے جو ان دونوں کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

بعض نے کہا کہ لفظ ”علم“ اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اس صورت میں معنی ہوا۔ لوگوں کو لوح و قلم کا جو علم حاصل ہے۔ تو پھر یہ کہنے کی ضرورت پڑی کہ اس بات میں کئی اقوال ہیں:

① بعض نے کہا کہ قلم نے لوح محفوظ پر جو کچھ لکھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اس پر مطلع کر دیا۔

② بعض نے کہا کہ اس سے مراد اولین اور آخرین کا علم ہے۔ اور یہی بات اظہر ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ علم لوح سے مراد وہ نقوش قدسیہ اور صور غیبیہ ہیں جو اس میں نقش کئے گئے ہیں۔ اور علم قلم سے مراد وہ ہے جو قلم کے ساتھ لوح میں نقش کیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

یا یہ اضافت معمولی سی ملاہست کی وجہ سے ہے۔

لوح و قلم کا علم حضور کے علم میں سے ہونا، حضور کا علم کلیات و جزیات، متعلق لوح و

عوارف و معارف، معلق بالذات و معلق بالصفات کی طرف تقسیم ہوتا ہے۔ اور یہ کہ لوح و قلم کا علم، حضور کے علم کی سطروں میں سے ایک سطر اور آپ کے علم کے سمندروں میں سے ایک نہر ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ (لوح و قلم کا علم) حضور کے وجود کی برکت سے ہے۔ جیسا کہ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: اول ما خلق اللہ نوری سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا۔ یعنی پھر اس نور کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہیبت کی نظر نہ کی تھی۔ تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ نصف نصف ایک نصف ٹکڑے سے کونین کو پیدا کیا۔ اور قلم سے یہی مراد ہے۔ اسی وجہ سے (یہ بھی وارد ہوا) کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔ تو اب دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہ رہا۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ یا رسول اللہ! دنیا اور آخرت آپ کے وجود باوجود کے آثار میں سے ہیں۔ اور لوح پر قلم سے جو کچھ ظاہر ہوا وہ آپ کے معارف کے اسرار اور آپ کے علوم کے انوار کا کچھ حصہ ہے۔

اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حقیقی جاہ و منزلت اللہ تعالیٰ کا علم حاصل کرنے میں اور مخلوق خدا پر سخاوت کرنے میں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ کمال ایمان میں سے یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم اور مخلوق خدا پر شفقت کی جائے۔

(۱۵۶) يَا نَفْسُ لَا تَقْنَطِي مِنْ زَلَّةٍ عَظُمَتْ

إِنَّ الْكِبَاءَ فِي الْغُفْرَانِ كَاللَّمَمِ

اے دل از رحمت مشو نو مید با جسم بزرگ
چوں کبار نزد عفو ان خدا شد چوں لم

یوں تو عصیاں ہیں بہت اے نفس مت مایوس ہو
سامنے بخشش کے بے شک ہیں یہ ادنیٰ اور کم

ترجمہ : اے نفس ! تو کسی عظیم خطا، لغزش کے باعث ناامید نہ ہو۔ بے شک بڑے
بڑے گناہ بخشش (کے سمندر) میں صغیرہ ہوتے ہیں۔

لفظی تشریح

نفس - سین پر پیش کے ساتھ مروی ہے۔ اس طور پر کہ وہ منادی مفرد معروض ہے اور
سین کے نیچے کسرہ کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اس طور پر کہ وہ منادی یا سنے متکلم کی طرف مصنف
ہے۔

خطاب کرنے کے لیے نفس کو مخصوص کرنے میں اور اس پر جو عتاب مترتب ہوتا ہے
اس کو بیان کرنے کا مقصد اس بات کا شعور دلانا ہے کہ ناامیدی صرف نفس کی طرف سے
پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ عقل تو جائز قرار دے سکتی ہے۔ اور نقل اس کی تصحیح کر دیتی ہے۔ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا : بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو
شریک ٹھہرایا جائے۔ اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش دیتا ہے۔

اس شعر میں معتزلہ اور خارجیوں کا رد ہے جو کہ ورطہ عقل اور احاطہ نقل سے بالکل خارج
ہیں اور نفس کی پستی میں داخل ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید اور اس کے فضل سے
بالکل مایوس ہیں۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا : بے شک اللہ کی رحمت سے سوائے کافر

قوم کے اور کوئی بھی مایوس نہیں ہوتا۔

اس میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ ناامیدی کا محل کفر ہی ہے۔ گناہ ہائے کبیرہ نہیں۔ تقنطی۔ میں نون پر فتح بھی ہے اور کسرہ بھی۔ ان الکبائر۔ نیا جملہ ہے۔ اس میں تعلیل کا معنی پایا جاتا ہے۔

معنوی تشریح

اے نفس! تو لغزش کے بخشتے جانے سے یا کسی معصیت کے ارتکاب کی وجہ سے جو کیفیت میں بڑی اور کمیت میں زیادہ ہو۔ مایوس نہ ہو، کیونکہ بڑے بڑے گناہ گناہوں کے بخشتے والے کی بخشش کے پہلو میں چھوٹے چھوٹے عیبوں کی طرح ہیں، کیونکہ یہ دونوں قدرت کے ماتحت اور مشیت ایزدی کے ضمن میں ہونے کی وجہ سے برابر ہیں۔ جیسے کہ آیت مبارکہ اس طرف اشارہ کرتی ہے۔

اور تحقیق خبر میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے مخلص اور کامل بندوں کے متعلق یہ آیت اتری، الدین یجتنبون کبائر الاسرار الفواحش الا اللہ۔

تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے ساختہ یہ شعر ارشاد فرمایا:
ترجمہ: اے اللہ! اگر تو مجھے بخشنا ہے تو سب کو بخش دے جو کوئی بھی ہے وہ تیرا بندہ ہے۔

علامہ قشیری نے اللہ تعالیٰ کی اس آیت (یا عبادی الذین اسرفوا...) کے
اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، کے متعلق فرمایا: یا عبادی کے

لے ساتھ پکارنا مدح ہے۔ اور اسی فوا کے ساتھ ان کا وصف بیان کرنا ان کی مذمت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا تو فرماں برداروں نے چاہا کہ اس خطاب کا مقصود اور عتاب کا مطلوب ہم ہی ہوں تو انھوں نے اپنے سروں کو اونچا کر لیا۔ اور گناہگاروں نے اپنی گردنوں کو جھکا لیا۔ اور کہا: (اے اللہ!) ہم کون ہیں جو تم ہم سے اس طرح خطاب کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسی فوا فرمایا تو حال پھر گیا اور امیدیں (انجام) بدل گئیں تو جن لوگوں نے سر کو جھکایا تھا وہ کبیدگی کے بعد خوش ہو گئے اور سروں کو اٹھا لیا۔ ان کی ذات زائل ہو گئی۔

جنھوں نے پہلے سر کو اٹھایا تھا انھوں نے سر پھیر لیا۔ اور ان کی آواز بلند ہو گئی اور ان کو علیٰ انفسہم کہہ کر ان کو سلامتی کا مشورہ سنایا۔ پھر لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ (اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو) کی آیت ان پر پڑھی۔ (ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً) بے شک اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ بخش دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے الذنوب کو جس پر اللہ لام استغراقی ہے جمیعاً کہہ کر موکد کر دیا۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں سب گناہ بخش دوں گا۔

اگر تمھاری جنایت (گناہ کا ارتکاب) عام ہے تو میری عنایت (بخشش) بھی قدیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری رحمت ہر شے سے وسیع ہے۔

لَعَلَّ رَحْمَةَ رَبِّي حَيْثُ يَقْسِمُهَا

(۱۵۷)

تَأْتِي عَلَى حَسَبِ الْعُصْيَانِ فِي الْقِسْمِ

رحمتِ حسن مگر آں دم کہ قسمت می کنند
بر من آید در نورِ جسم و گناہ اندر قسم

رحمتِ حق ہوگی جب تقسیم مجھ کو ہے امید
میرے عصیاں سے سوا ہوگا مرے رب کا کرم

ترجمہ: امید ہے کہ جب میرا رب اپنی رحمت تقسیم کرے گا۔ تو رحمت گناہوں
کی مقدار کے مطابق ہر ایک کے حصہ میں آئے گی۔

لفظی تشریح

القسم قاف پر زیر قسمۃ کی جمع ہے۔

معنوی تشریح

میں اپنے دل کے حسن ظن سے امید کرتا ہوں کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ نفس
لوامہ رکھنے والے لوگوں پر اپنی رحمت کو ظاہر اور تقسیم کرے گا۔ تو رحمت ان کے گناہوں کے
مطابق ان کے حصہ میں آئے گی نہ کہ ان کی نامرادی کے مطابق۔ ورنہ اس کی رحمت تو
تو ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ وسیع اور اس کا فضل ہمارے عیبوں کی نسبت زیادہ
شامل ہے۔

اور نبی نوع انسان سے صادر ہونے والے گناہوں کے مراتب کے مطابق رحمت
تقسیم ہوگی۔ وہ اس طرح کہ چھوٹی رحمت چھوٹی نیت کے مطابق اور بڑی رحمت نیت کے
مطابق ہوگی۔ ایسے ہی رحمت کا تھوڑا یا زیادہ ہونے کا دار و مدار نیت پر منحصر ہے۔
اسی وجہ سے کامل عارفوں میں سے کسی ظریف الطبع نے کہا، قیامت میں

اللہ تعالیٰ کے ظہور رحمت کے کمال میں سے یہ بات ہوگی کہ گناہ گار لوگ دنیا میں اپنی معصیت کی کمی پر نادم ہوں گے۔ اس چیز پر مغنی (کتاب کا نام) کی روایت دلالت کرتی ہے (وہ یہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کے صغیرہ گناہوں کو ظاہر کرے گا۔ اور ان کو بخش دے گا۔ اور ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اس کو بہت زیادہ اجر عطا فرمائے گا، تو وہ بندہ کہے گا: (اے اللہ!) میرے تو بڑے بڑے گناہ بھی تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب مسکرائے یہاں تک کہ آپ کے دندا نہائے مبارک نمودار ہو گئے۔

پس یہ حدیث امید کی وسعت پر دلالت کرتی ہے، تو دعا مانگنے اور پناہ حاصل کرنے کو لازم پکڑنا ہر ایک واجب ہے۔

(۱۵۸) يَا رَبِّ فَاجْعَلْ رَجَائِي غَيْرَ مُنْعَكِسٍ
لَدَايِكَ وَاجْعَلْ حِسَابِي غَيْرَ مُنْخَرِمٍ

یا رب! امید مبرا اور زائل مگرداں بازگوں
در قیامت نزد تو آں کہ حساب آساں کنم

میرے رب! امید کو میری نہ رد فرمائیے
تیری رحمت پر بھروسہ ہے نہ کر تو کالعدم

ترجمہ: یا رب! میری امید کو سیدھا رکھ (پورا کر) اور میرے گمان کو منقطع

نہ کر۔

لفظی تشریح: رب۔ اس کی یا مخذوف ہے یعنی رب یا تے تشکیم کی طرف

مضاف تھا، تو اس کو حذف کر کے (کسرہ پر اکتفا کر کیا۔ ایک نسخہ میں واجعل کی واو کی بجائے فاجعل یعنی فاد ہے۔ الانحرار۔ خاء کے ساتھ بمعنی منقطع ہونا۔

معنوی تشریح

اے اللہ! میرے عیبوں اور گناہوں کو مٹا کر مجھ پر رحم فرما۔ اور اپنی جناب میں میری امید کو الٹا نہ کر، کیونکہ بخشش کی جگہ رسوائی اور رحمت کی جگہ سزا نہیں ہو سکتی اور اے اللہ! میرے متعلق میرا جو گمان ہے۔ اس کو اپنے فضل سے منقطع نہ کر، کیونکہ تو نے حدیث قدسی میں فرمایا: میں اپنے بندے کے ظن کے مطابق ہوں جو اس کو میرے ساتھ ہے۔

(۱۵۹) وَالْطُّفُّ بَعْدَكَ فِي الدَّارَيْنِ إِنَّ لَكَ
صَبْرًا مَّتَى تَدْعُهُ الْأَهْوَالُ يَنْهَزِمِ

لطف کن بابت بندہ خود ہم بہ دنیا ہم بہ دیں
زاں کہ صبرش نزد سختی ہا گریز و از سام

لطف فرما دو جہاں میں اپنے بندہ پر کریم
سختیوں میں ہے بہت بے صبر بارج و الم

ترجمہ: اے اللہ! اپنے بندے پر دونوں جہانوں میں مہربانی فرما۔ بے شک
اس کے پاس ایسا صبر ہے کہ جب مصیبتیں اس کے صبر کو پکاریں تو وہ بھاگ
جاتا ہے۔

لفظی تشریح

اللطف پوشیدہ طور پر احسان کرنا۔ یا وہ احسان جس کا کوئی ظاہری سبب نہ ہو۔

معنوی تشریح

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ یہ بھی مہربانی کی ہے کہ اس کے انجام کو مبہم رکھا، کیونکہ اگر انسان کو اپنی نیک بختی معلوم ہو جائے تو اس کا عمل کم ہو جاتے اور وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جاتے۔ اور اگر اس کو اپنی بد بختی کا علم ہو جائے تو وہ مایوس ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و انکساری کرنا چھوڑ دے۔

بعض نے کہا کہ بندے پر اللہ تعالیٰ کے لطف میں ایک یہ ہے کہ اس نے بندہ کی اجل (موت) کو چھپا دیا ہے تاکہ وہ گھبرانہ جاتے۔ اگر ہم اس کی اجل کو معلوم کر دیتے تو وہ بندہ جب کوئی امید لمبی ہو جاتی تو اس کو پورا نہ کر سکتا۔ اور عمل کرنے میں تاخیر کرنا۔ ایک نسخہ میں تدعہ کی جگہ تلقہ ہے بصیبتوں اور گھبراہٹوں سے انسان بھاگ جاتا ہے اور سردوں میں سے کوئی بھی ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اتباع اور پابندی کے ساتھ درود پاک پڑھنے سے زیادہ قوی پناہ گاہ اور کوئی نہیں ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرِ پائشرف اور کرم ہیں۔ اور جب ناظمِ قصیدہ نے یوں فرمایا:

۱۶۰ وَأَعِزَّنْ لِسُحْبِ صَلَوةٍ مِّنْكَ دَائِمَةٍ

عَلَى النَّبِيِّ بِمُنْهَلٍ وَمُنْسَجِمٍ

پس درود بے کراں باراں ابر رحمت
ناشود ریزاں و پاشاں از نسیم و از نعم

ابر رحمت کو ترے دے حکم تا بر سائے وہ
تا ابد اپنے نبی پر رحمت و فضل و کرم

ترجمہ: یا رب! تو ان بادلوں کو حکم دے جو تیری طرف سے ہمیشہ نبی پاک
صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہیں تاکہ وہ لگاتار اور کثرت سے صلوٰۃ و
سلام کی بارش برسائیں۔

لفظی تشریح

ایذن۔ بمعنی امر باب علم علم سے ہے۔ سحب۔ سین اور حار پر پیش کے ساتھ۔
لیکن برائے تخفیف اس کی حار کو ساکن رکھا گیا ہے۔ الصلوٰۃ۔ (درود پاک پڑھنا) اس سے
مراد مزید شرافت اور کرامت ہے۔ منٹ یہ صلوٰۃ کی صفت ہے یعنی جو تیری طرف
سے واقع ہو۔ اور دائمۃ۔ صفت کے بعد صفت ہے۔ علی النبی یہ صلوٰۃ کے متعلق
ہے۔ یا دائمۃ کے متعلق ہے۔ بمنہل یہ ایذن کے متعلق ہے۔ منسجم صحیح یہ ہے کہ
یہ جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اور منہل پر اس کا عطف ہے۔

معنوی تشریح

یا اللہ! تو ان بادلوں کو حکم دے کہ یہ سرداروں میں سب سے زیادہ حسین اور
سرداروں کے سردار پر نہایت بلند انداز میں صلوٰۃ و سلام کی موسلا دھار نہ ختم ہونے
والی بارش برسائیں، کیونکہ ناظم نے اپنے شعر میں مندرجہ ذیل باتیں جمع کی ہیں۔ جو اس

کے کلام سے مستفاد ہیں۔ بعض دلالت کے ساتھ سمجھی گئی ہیں۔ اور بعض اشارہ کے ساتھ۔

۱۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پاک کا پڑھنا۔

۲۔ اس کا دوام

۳۔ اس کا نزول

۴۔ نزول کا سبب

۵۔ نزول کا منتہی

۶۔ انصبا ب (ٹپکنا) کے ضمن میں اس کی کثرت

۷۔ روانی کے ضمن میں اس کا عام ہونا

۸۔ اس کا محل و موقع

۹۔ اس کو بارش کے ساتھ تشبیہ دینا

۱۰۔ اور اس کے لیے بادلوں کو ثابت کرنا۔

لفظ اُذُن میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام کے بادل حاضر کھڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اذن کے منتظر ہیں۔ اور اذن متحقق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ ملاو اعلیٰ سمیت آپ پر درود بھیجتے ہیں۔ اس نے تو اپنے مطیع بندوں کو بھی آپ کی تعظیم و تشریف اور حیبت و کرم کے لیے صلوٰۃ علیہ وسلم و تسلیماً کے ساتھ حکم دیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مطہرہ پر درود و سلام بھیجو۔

مَا رِنَحَتْ عَذَابَاتِ الْبَإِنِ رِيحٌ صَبَا
وَاطْرَبَ الْعِيسَ حَادِي الْعِيسِ بِالْغَمِّ

تا بہ جنب اند صبا اندر چمن شاخ درخت
اور براندا شتران را بندگانش در نغم !

جب تک بادِ صبا چلتی رہے گلزار میں !
اور اونٹوں کو طرب میں ساربان پر نغم !

ترجمہ : (وہ بادل بارش برساتے ہیں) جب تک بادِ صبا درخت بان کی ٹہنیوں
کو جھولا تی رہے، اور جب تک حدی خواں نغموں کے ساتھ اونٹوں کو خوش
کرتے رہیں۔

لفظی تشریح

درخت لون مفتوح پر تشدید اور حار پر بھی فتح ہے بمعنی جھولانا۔ جھومنا۔ ما مصدریہ
ظرفیہ اذن کے متعلق ہے۔ بعض نے کہا کہ نخیوں کی اصطلاح کے مطابق اس کو دوامیہ
کہتے ہیں، کیونکہ اس سے دوام مراد ہوتا ہے۔ اور ما مدت بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہ لمبی
مدت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ بادِ صبا کا چلنا اور بان کی ٹہنیوں کو ہلانا اگرچہ علی الدوام نہیں
پایا جاسکتا۔ لیکن یہ امتدادِ زمان اور وقت کی دوری کے ساتھ مطابق دیر پا ہو سکتا ہے۔

معنوی تشریح

حاصل کلام یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے۔ جب تک دنیا باقی ہے۔ جن چیزوں سے
وہ دونوں خالی نہیں ہو سکتے۔ اسی وجہ سے بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ یہ ہمیشہ رہنے سے
کنایہ ہے۔

عَذَبَاتُ (حرکات کے ساتھ) بان کی ٹہنیاں۔ بان ایک ایسا درخت ہے جس کی

ٹہنیاں نہایت نازک ہوتی ہیں۔ عذبة اصل میں کسی شئی کے لطیف حصے کو کہا جاتا ہے۔
 الصبا ایسی ہوا ہے جو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ سے اس وقت چلتی ہے۔ جب رات
 اور دن برابر ہو جائیں۔ (یعنی صبح صادق کے بعد طلوع شمس سے پہلے)۔ اور باب کعبہ کے مقابل
 ہو کر گزرتی ہے گویا کہ وہ اس پرشیدہ ہے۔ اور اس سے میلان رکھتی ہے۔ کبھی اس کو قبول بھی
 کہا جاتا ہے۔ اور وہ ہوا جو کعبہ کے پیچھے سے چلتی ہے اس کو دبور کہتے ہیں۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا: بادِ صبا کے ساتھ میری مدد کی گئی اور
 قوم عاد کو دبور کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔

کہا گیا ہے کہ بادِ صبا گرم مرطوب ہونے کی وجہ سے درختوں اور ٹہنیوں میں اثر کرتی ہے۔
 اور ان کو نرم کرتی ہے۔ زمین کے اندر قوائے نامیہ میں ہیجان (جوش) پیدا کرتی ہے اور ٹہنیوں
 کو گونا گوں کلیوں اور رنگارنگ پھولوں سے زینت بخشتی ہے۔

شعراء اپنے اشعار میں اس کا ذکر کر کے برکت حاصل کرتے ہیں۔ (متبرک بناتے ہیں)
 جیسے کسی نے کہا ہے

الایا صبا نجد متی هجت من نجد

فقد زادنی سراك وجد اعلی وجد

ترجمہ: اے نجد کی بادِ صبا! جب تو نجد میں سے گزرتی ہے تو تیرا یہ چلنا میرے غم

میں اضافہ کر دیتا ہے۔

ریح کو الصبا اضافت کے استعمال کرنا از قبیل اضافۃ العام الی الخاص ہے۔ عذبات

مفعول ہے۔ اکثر شاعرین نے ایسے ہی ذکر کیا ہے۔ اور یہی بات جہور کی زبان پر مشہور ہے۔

لیکن علامہ مولانا عصام الدین نے ذکر کیا ہے کہ اس میں کئی اشکال ہیں۔

وہ یہ ہے کہ لفظ رَنَحَ کفّت میں مبنی بر مجہول ہے جیسا کہ التاج اور صحاح اس پر دلالت کرتی ہیں پس مناسب ہے کہ اس کو مجہول ہی پڑھا جائے۔ اور ریح صبا کو فعل محذوف کا فاعل بنایا جائے یعنی امالۃ ریح صبا۔ (باد صبا کا حرکت دینا) تاکہ جملہ یسبح لہ فیہا بالغدو الاصال رجال کی قسم میں سے ہو جائے۔

پھر میں نے قاموس کو دیکھا۔ وہ صحاح کے موافق تھی۔ اس نے لکھا: ترخ مدہوشی کے عالم میں جھومنا۔ یَا رَنَحَ عَلَیْہِ نَزِیْحًا (بالضم)

ترنیکا بالغم غشی طاری ہونا۔ یا کسی کی ہڈیوں میں کمزوری پیدا ہونے کی وجہ سے لڑکھڑانا۔

لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ مبنی پر مجہول ہونا مخصوص حالت میں ہے جب کہ فعل علی کے ساتھ متعدی ہو۔ اور خصوصی معنی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ نیز اس لیے کہ فعل ترخ موافق ہے۔ (مطاوع) اس کے لیے فعل متعدی کا ہونا بھی ضروری ہے، تو جس طرح فعل معروف ہے۔ وہ بھی معروف ہی ہوگا۔ تو اس طرح جہالت (مجہول ہونا) اٹھ گئی۔

یہ جو حدیث آئی ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی ہے۔ صحیح ہے۔ پھر میں نے دیکھا۔ ابن العازی نے کہا: یقال رنحت الريح الغصون۔ کہا جاتا ہے کہ ہوانے ٹہینوں کو ہلایا۔ پھر وہی ذکر کیا جو صحاح میں ہے۔

الطوب ہلکا پن جو خوشی کا سبب بنتا ہے۔ اور حرکت سے حاصل ہو۔ یہ طوب بطوب باب حفظ یحفظ سے مشتق ہے۔ اور ہمزہ کے ساتھ (باب افعال) اس کو متعدی بنایا جاتا ہے۔ العیس یہ مفعول ہونے کے باعث منصوب ہے۔ یہ جمع ہے اور اس کا واحد عَیْسٌ ہے۔ ایسے اونٹ جو مٹیا لے رنگ کے (سرخ مائل سفید) ہوں۔ یہ

نہایت عمدہ اونٹ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض احادیث میں افضل من حمر النعم
و سوق الابل کے الفاظ ملتے ہیں۔ اور کہا گیا ہے۔

النغم نون اور غین پر زبر کے ساتھ۔ اچھی آواز۔

اور قاموس میں ہے۔ النغم حرکات کے ساتھ۔ اور سکون کے ساتھ النغم بمعنی
آہستہ کلام۔

نغم فی الغنا۔ اچھی آواز سے گانا۔ یہ باب ضرب یضرب ، نصر ینصر اور
سمع یسمع سے ہے۔ انتہی۔

ابن تازی نے ابن المرزوق سے جو کچھ نقل کیا

قصیدہ کے شعر میں کسرہ نون کے ساتھ (نغم) وہ نقل صریح اور دلیل صحیح کا محتاج ہے
ٹہنیوں کا جھومنا اور بوش پیدا ہونے کو اکٹھا کرنا اور انگلیوں کے پوروں اور حیوانات
کی جماعت کو جوڑنا، ان کے جمال کے ظہور اور کمال کے حصول کی طرف اشارہ ہے۔

اس شعر میں اس بات کا بھی اشعار ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پُرود پاک
پڑھنا، پڑھنے والے کے کمال کا سبب ہے۔ اور اس کا کمال۔ اس کے حال کی خوبی اور انجام
کی بہتری کا مقتضی ہے۔

اللہ تعالیٰ صلوٰۃ و سلام نازل کرے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی آل
پر اور آپ کے تمام انبیاء و مرسلین بھائیوں پر۔ والحمد للہ رب العالمین۔

شارح مرحوم و مغفور جب اس مقام پر پہنچا، تو فرمایا وہ (شارح) ماہ صفر میں فارغ ہوا۔
اور سید البشر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے ہجرت کے ۱۰ سال
میں کامیابی اور خیریت کے ساتھ ختم کیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْقَصِيدَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ لِلْإِمَامِ الْبُوصَيْرِيِّ رحمۃ اللہ علیہ

مُحَمَّدٌ أَشْرَفُ الْأَعْرَابِ وَالْعَجَمِ

مُحَمَّدٌ خَيْرُ مَنْ يَمْشِي عَلَى قَدَمِ

محمدؐ عرب اور عجم سب میں بزرگ تر ہیں محمدؐ تمام انسانوں میں افضل ہیں

مُحَمَّدٌ بِأَسْطِ الْمَعْرُوفِ جَامِعُهُ

مُحَمَّدٌ صَاحِبُ الْإِحْسَانِ وَالْكَرَمِ

محمدؐ نیکیوں کو پھیلانے والے اور اس کے جامع ہیں محمدؐ احسان اور بخشش کرنے والے ہیں

مُحَمَّدٌ تَاجُ رُسُلِ اللَّهِ قَاطِبُهُ

مُحَمَّدٌ صَادِقُ الْأَقْوَالِ وَالْكَلِمِ

محمدؐ کل انبیاء کے سراج ہیں محمدؐ قول اور کلام کے سچے ہیں

مُحَمَّدٌ ثَابِتُ الْمِيثَاقِ حَافِظُهُ

مُحَمَّدٌ طَيِّبُ الْأَخْلَاقِ وَالشَّيْمِ

محمدؐ وعدے کے پکے اور اس کے محافظ ہیں محمدؐ خوش خلق اور نیک سیرت ہیں

مُحَمَّدٌ حُبَيْثُ النُّورِ طِينَتُهُ

مُحَمَّدٌ لَمْ يَزَلْ نُورًا مِّنَ الْقَدَمِ

محمدؐ نور مجسم ہیں محمدؐ کا نور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے

مُحَمَّدٌ حَاكِمٌ بِالْعَدْلِ ذُو شَرَفٍ
مُحَمَّدٌ مَعِينُ الْإِنْعَامِ وَالْحَكِيمِ

محمدؐ انصاف والے حاکم محترم ہیں محمدؐ نعمتوں اور حکمتوں کے مخزن ہیں

مُحَمَّدٌ خَيْرُ خَلْقِ اللَّهِ مِنْ مُضَرٍ
مُحَمَّدٌ خَيْرُ رُسُلِ اللَّهِ كُلِّهِمْ

محمدؐ اللہ کے بہترین مخلوق قبیلہ مضر سے ہیں محمدؐ اللہ کے تمام انبیاء میں افضل و اعلیٰ ہیں

مُحَمَّدٌ دِينُهُ حَقُّ التَّزْيِيدِ بِهِ
مُحَمَّدٌ مُجْمَلٌ حَقًّا عَلَى عَالَمٍ

محمدؐ کا دین سچا اور خوفِ خدا دلانے والا ہے محمدؐ مجسم سچائی ہیں اور اس کے علمبردار ہیں

مُحَمَّدٌ ذِكْرُهُ رُوحٌ لَا نَفْسِنَا
مُحَمَّدٌ شُكْرُهُ فَرَضٌ عَلَى الْأُمَمِ

محمدؐ کا ذکر مبارک ہماری جانوں کی روح ہے محمدؐ کا شکر ادا کرنا تمام قوموں پر فرض ہے

مُحَمَّدٌ زِينَةُ الدُّنْيَا وَبَهْجَتِهَا
مُحَمَّدٌ كَاثِفُ الْغُمَاتِ وَالظُّلُمِ

محمدؐ دنیا کا حسن اور رونق ہیں محمدؐ اندھیروں اور مشکلات کو رفع کرنے والے ہیں

مُحَمَّدٌ سَيِّدٌ طَابَتْ مَنَاقِبُهُ
مُحَمَّدٌ صَاحِبُ الرَّحْمَنِ بِالنِّعَمِ

محمدؐ کے پند اور نصائح ہمیشہ قائم رہنے والے ہیں محمدؐ کو اللہ پاک نے ایک بہترین نعمت بنایا ہے

مُحَمَّدٌ صَفْوَةُ الْبَارِي وَخَيْرُهُ
مُحَمَّدٌ طَاهِرٌ وَسَائِرُ الثُّهَمِ

محمدؐ اللہ کے چنے ہوئے اور برگزیدہ ہیں محمدؐ پردہ ڈالنے والے ہیں خطاؤں پر

مُحَمَّدٌ ضَاحِكٌ لِلضَّيْفِ مَكْرُمَةٌ
مُحَمَّدٌ جَارٌ لَا وَاللَّهِ لَمْ يُضْمِ

محمدؐ مہمانوں کو خوش آمدید کہنے والے ہیں محمدؐ کی قربت والا بجزا۔ ستایا نہیں جاتے گا

مُحَمَّدٌ طَابَتْ الدُّنْيَا بِبِعْثَتِهِ
مُحَمَّدٌ جَاءَ بِالْآيَاتِ وَالْحِكَمِ

محمدؐ دنیا کے لئے رحمت بن کر بھیجے گئے ہیں محمدؐ معجزوں اور حکمتوں کے لایہ والے ہیں

مُحَمَّدٌ يَوْمَ بَعْثِ النَّاسِ شَافِعُنَا
مُحَمَّدٌ نُورُ الْهَادِي مِنَ الظُّلَمِ

محمدؐ روز قیامت انسانوں کی شفاعت کریں گے محمدؐ اپنے نور سے اندھیروں میں رہبری کریں گے

مُحَمَّدٌ قَائِمٌ لِلَّهِ ذُوْهِمِ
مُحَمَّدٌ خَاتِمٌ لِلرُّسُلِ كُلِّهِمِ

محمدؐ اللہ کی طرف سے باہمت اور مستعد ہیں محمدؐ خاتم النبیین ہیں

